آخری چٹان

حصہ اول

نسیم حجازی

www.Nayaab.Net 2006 انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال

آخری چٹان

حصہ اول

نسیم حجازی

انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006 www.Nayaab.Net

فہرست

پیش لفظ	03
پہلا حصہ ۔۔۔ بغداد	40
طاہر کے نئے دوست اور دشمن	72
صفیہ	97
قاسم کا انتقام	118
طاہر بن یوسف	139
حصہ دوم ۔۔۔۔ خلیفہ کا ایلچی	155
ایک انکشاف	172
تیمور ملک	188
ثریا	215
سپاہی کی بیٹی	237
سپاہی اور تاجر	259
دعوتِ عمل	275

پیش لفظ

"آخری چٹان" کا مسودہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ داستان لکھتے وقت میں سوچا کرتا تھا کہ شاید چنگیزی دور کے مؤرخین نے جن کے بیانات سے میں متاثر ہوا ہوں، تاتاریوں کے مظالم بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہو، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ صرف ایک سال کے بعد میں اپنے گھر کو وحشت و بربریت کی اس آگ کی لپیٹ میں دیکھوں گا جس نے چند صدیاں قبل عالم اسلام کے بہترین شہروں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

چنگیزی دور کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اگر میں تاتاریوں کے تمام مظالم بیان کروں تو ڈر ہے کہ آنے والی نسلیں مجھے جھوٹا کہیں گی، اور آج میں محسوس کرتا ہوں کہ مشرقی پنجاب میں وحشیوں کے ایک گروہ کی آنے والی نسلیں بھی اپنے ان اسلاف کے کارناموں کو جھٹلائیں گی جنھوں نے وحشت و بربریت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

مشرقی پنجاب کے واقعات جس قدر المناک ہیں، اسی قدر سبق آموز بھی ہیں۔ ہم ہندوستان میں اپنی تاریخ کے ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس مرحلے پر ایک صحیح قدم ہمیں اوج ثریا تک اور ایک غلط قدم تحت الثریٰ تک پہنچا سکتا ہے۔

اگر ہم چاہیں تو مشرقی پنجاب کے شہیدوں کا خون بے بسی کے آنسوؤں سے دھو ڈالیں اور چاہیں تو اس خون کی روشنائی سے پاکستان کا روشن ترین باب لکھ ڈالیں۔

ان واقعات سے قوم کے ان دردمندوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو اس

انقلابی دور میں بھی قوم کے ہر درد کے علاج کے لیے "تازہ بیان" اور "نئی قرار دادیں" کافی سمجھتے ہیں۔ اگر کل تک انھیں کوئی خوش فہمی تھی تو آج وہ دور ہو جانی چاہیے۔ اگر قوت کا جواب منطق سے دیا جا سکتا تو تاتاریوں کا سیلاب بخارا اور بغداد کو نابود کرتا ہوا مصر تک نہ جا پہنچتا۔ وہ الفاظ جن کی تائید کے لیے شمشیر نہ ہو، کسی قوم کی تقدیر نہیں بدل سکتے اور وہ قلم جو خون میں تیرنا نہیں سیکھتا، تاریخ کے صفحات پر کوئی پائیدار نقوش بنانے سے قاصر رہتا ہے۔

"آخری چٹان" ہمارے ماضی کا ایک آئینہ ہے اور اس آئینے میں ہم اپنے حال کے خدوخال دیکھ کر اپنے مستقبل کو سنوار سکتے ہیں، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ قدرت کسی قوم کی سیاسی غلطیاں معاف نہیں کرتی۔

"آخری چٹان" میں قوم کے ان نوجوانوں کو پیش کرتا ہوں جنھوں نے اپنے کندھوں پر پاکستان کی عظیم الشان تعمیر کا بوجھ اٹھایا ہے۔

نسیم حجازی

لاہور، ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء

☆☆☆

پہلا حصہ

یوسف بن ظہیر

صحرائے عرب سے اسلام کا چشمہ پھوٹا اور وہ ریگ زار جنھیں صدیوں سے کسی سیاح نے قابل توجہ نہ سمجھا تھا، زمانے کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت جس آفتاب ہدایت کی منتظر تھی، وہ فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔

اس دن جب آمنہ کے لال، عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے کا نام محمد تجویز کیا جا رہا تھا، مصورِ فطرت دنیا کے نقشے میں ایک نیا رنگ بھر رہا تھا۔ قدرت اقوام عالم کی رہنمائی عربوں کو سونپ رہی تھی اور مورخ تاریخ عالم کا ایک نیا باب لکھ رہے تھے۔ رحمت کے فرشتے، غلامی اور جہالت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی مجروح انسانیت کو حریت اور اخوت اور مساوات کا سبق دے رہے تھے۔

عرب کے صحرا نشیں لات و ہبل کو توڑ کر اٹھے اور دنیا پر رحمت کی گھٹا بن کر چھا گئے اور ان کے لوہے نے ہر لوہے کا کاٹا۔ ان کی تہذیب، تمدن اور اخلاق نے ہر تہذیب ہر تمدن اور ہر اخلاق پر فتح حاصل کی۔ انھوں نے دنیا سے فساد کے درخت کی جڑیں کاٹیں اور باغ آدم میں اپنے خون سے صلح و امن کے درخت کی آبیاری کی۔ کفر کی تاریکیاں دوپہر کے سائے کی طرح سمٹ رہی تھیں۔ قیصر و کسریٰ کے استبداد کے محل مسمار ہو چکے تھے۔ غازیان اسلام کی فتوحات کا جھنڈا ایک طرف کوہ البرز کی برفانی چوٹیوں اور دوسری طرف افریقہ کے تپتے ہوئے ریگ زاروں میں لہرا رہا تھا۔ ان کے گھوڑے بیک وقت مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں اسپین کے دریاؤں کا پانی پی رہے تھے۔ تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ایک مورخ حیران ہو

کر یہ سوال کرتا ہے کہ عربوں کے گھوڑوں کی رفتار غیر معمولی تھی یا قدرت نے ان کے سامنے زمین کو سمٹنا سکھا دیا تھا؟

یہ ایک انقلاب تھا۔ ایک روشن انقلاب۔ قدرت نے عرب کے ریت کے ذروں کو ستاروں کی چمک عطا کی اور انھیں دنیا کے تاریک ترین گوشوں میں بکھیر دیا۔

لیکن چھ سو سال کے بعد ایک اور انقلاب آیا۔ ایک تاریک انقلاب! شاید اسلام کے چراغ نے جس تاریکی کا کئی صدیوں تعاقب کیا تھا۔ چاروں اطراف سے سمٹ کر صحرائے گوبی میں پناہ لے چکی تھی۔ شاید اس آگ کی چنگاریاں جسے عرب کے پانی سے بجھایا جا چکا تھا۔ صحرائے گوبی کی ٹھنڈی ریت میں دب کر سلگ رہی تھیں اور چھ سو برس سے اس انتظار میں تھیں کہ خرمن اسلام کے محافظ کب سوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خرمن اسلام کے محافظ ایک مدت سے اونگھ رہے تھے اور کفر کی آگ چھ سو برس اس لیے دبی ہی کہ قرون اولی کے مجاہدین کی داستانیں اس کے لیے پانی کے چھینٹوں کا کام دیتی رہیں۔ دشمنان اسلام کو دولت عباسیہ کے کھوکھلے محل بھی اس قوم کے ناقابل تسخیر قلعے دکھائی دیتے تھے جس کے اسلاف نے پہلی صدی ہجری میں دنیا کے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے تاج اپنے پاؤں تلے روند ڈالے تھے۔ قریباً چھ سو سال کے بعد جبر و استبداد کی وہ ہوس جو روم و ایران کی سطوت کے کھنڈروں میں سو رہی تھی، صحرائے گوبی کے ایک چرواہے کے وجود میں نمودار ہوئی۔ اس چرواہے کا نام تموجن تھا، بعد میں وہ چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ دنیا کا وہ فاتح جس کے اقبال کا سفینہ خون کے دریا میں تیرتا تھا، جس کے مقدر میں ظلمت کے طوفانوں کی رہنمائی تھی۔ اسی چنگیز خاں کی قیادت میں منگولیا کے

وحشی قبائل ایک آندھی کی طرح اٹھے اور تہذیب کا ہر چراغ بجھاتے ہوئے دنیا کے چاروں طرف چھا گئے ۔ چھ سو برس قبل جو بادل صحرائے عرب سے نمودار ہوئے تھے، انھوں نے باغ آدم پر رحمت کے موتی نچھاور کیے تھے لیکن چھ سو برس بعد صحرائے گوبی سے جو آندھی نمودار ہوئی ۔ اس میں بادلوں کے بجائے پھٹے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں کا دھواں تھا اور اس دھوئیں کے بادلوں کے لحاف میں اس آتشیں مادے کا بے پناہ سیلاب تھا، جو شہروں اور بستیوں کو جلاتا ہوا گزر گیا ۔ بابل، نینوا اور پومپی آئی کے کھنڈر دیکھ کر انسان کی روح قدرت کے جن تخریبی عناصر کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتی ہے ۔ وہ تاتاریوں کے آتشیں طوفان کے سامنے بے حقیقت بن کر رہ جاتے ہیں ۔

(۲)

مہذب دنیا کے لیے چنگیز خان کا افواج کا طریق جنگ بالکل نیا تھا ۔ دنیا ان کے لیے ایک وسیع شکار گاہ تھی ۔ خانہ بدوش تاتاریوں کے پاس گھوڑوں کی کمی نہ تھی ۔ بھیڑ بکریوں کے علاوہ وہ گھوڑوں کے گوشت اور دودھ پر گزارہ کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ وہ جنگل کے ہر جانور کا گوشت کھا جاتے تھے ۔ صحرائے گوبی میں شہروں اور بستیوں کا نام نہ تھا ۔ اگر کہیں بارش ہو جاتی تو یہ خانہ بدوش وہاں جا نکلتے اور جب تک ان کے مویشی گھاس کا آخری تنکا تک نہ چر لیتے، وہ وہیں رہتے اور پھر جب کوئی مسافر کہ پیغام دیتا کہ فلاں مقام پر بارش کے چند چھینٹے پڑے ہیں تو وہ ادھر کا رخ کر لیتے ۔ بعض اوقات نئی چراگاہوں کی تلاش میں ایک قبیلے کی دوسرے قبیلے سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی اور طاقت ور اپنے کمزور حریف کے مویشیوں پر قابض ہونے کے علاوہ اس کے زن و مرد کو بھی غلام بنا لیتا ۔ اس لیے کمزور قبائل اپنی حفاظت کے لیے

متحد ہو کر کسی طاقت ور آدمی کو اپنا امیر بنا لیتے تھے۔ سردیوں میں شمال کی سرد ہواؤں سے یہ تمام علاقہ کرۂ زمہریر بن جاتا۔ ریت کے تودوں پر برف کی چادر بچھ جاتی۔ چارہ نہ ہونے کی وجہ سے مویشیوں کا دودھ سوکھ جاتا اور وہ گرمیوں کے بچائے ہوئے خشک گوشت پر گزارہ کرتے۔ کبھی کبھی تیز آندھیاں ان کے خیمے اڑا کر لے جاتیں اور ان کے مویشیوں کو ادھر اُدھر کر دیتیں۔

فطرت کے ساتھ ایک دائمی جنگ نے ان لوگوں کو حد درجہ جفا کش بنا دیا تھا۔ وہ کئی کئی دن تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ سکتے تھے اور کئی کئی دن بھوکے رہ کر لڑ سکتے تھے۔

چنگیز خان نے بڑے بڑے سرداروں کی سرکوبی کرنے کے بعد انھیں اپنا مطیع فرمان بنالیا۔ پھر خانہ بدوش تاتاریوں کے سامنے ان ممالک کے نقشے پیش کیے، جہاں لہلہاتے باغات، سرسبز کھیتیاں اور سدا بہار چراگاہیں تھیں۔ لوٹ مار کی ہوس نے تمام خانہ بدوشوں کو چنگیز خان کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ تاتاری ہمسایہ ممالک پر بھوکے عقابوں کی طرح جھپٹے اور وہ اقوام جنھیں پر امن زندگی نے تن آسان بنا دیا تھا، ان کے حملوں کی تاب نہ لا سکیں۔ چند برس میں چنگیز خان کی افواج شمال اور مشرق کے کئی ممالک پر قبضہ کر چکی تھیں۔ ہمسایہ سلطنتیں ان کی فتوحات کی رفتار پر حیران تھیں۔ وہ ایک ایک دن میں کئی کئی منازل طے کرتے اور بیک وقت کئی مقامات سے دوسرے ممالک پر یلغار کر دیتے۔ ان ممالک کی افواج حملہ آوروں کو روکنے کے لیے کسی ایک سرحد پر جمع ہوتیں، چنگیز خان کی فوج کا ایک حصہ ان کا مقابلہ کرتا اور باقی افواج مخالف سمتوں سے ملک میں داخل ہو کر شہروں اور بستیوں پر قبضہ کر کے سلطنت کا تمام نظام مفلوج کر دیتیں۔ بعض اوقات یوں بھی

ہوتا کہ کسی ملک کا سپہ سالار تاتاریوں کی پیش قدمی سے باخبر ہو کر ان کا راستہ روکنے کے لیے سرحد پر پڑاؤ ڈال دیتا۔ اس کے جاسوس اسے ہر روز یہی خبر دیتے کہ حملہ آوروں کا رخ اسی طرف ہے۔ لیکن ایک صبح کوئی ایلچی یہ پیغام لے کر آجاتا کہ چنگیز خان کی باقی افواج نے دوسری سرحد عبور کر کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔

تاتاریوں کی حیرت انگیز کامیابی کا راز ان کی رفتار میں تھا۔ وہ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے۔ ہر سوار کے ساتھ کئی گھوڑے ہوتے تھے۔ جب ایک گھوڑا تھک جاتا تو سوار دوسرے گھوڑے پر بیٹھ جاتا۔ یلغار کے وقت سوار کو اگر بھوک محسوس ہوتی تو وہ گھوڑے کی پیٹھ پر زخم کر کے اس کے خون کے چند گھونٹ چوس لیتا۔ لمبے سفر میں بھی تاتاری اپنے ساتھ بہت تھوڑا سامان رسد اٹھاتے تھے۔ جنگل میں وہ فالتو گھوڑے کھا لیتے اور راستے کے شہروں اور بستیوں سے مویشی چھین لیتے۔ اگر کسی شہر کے باشندے مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے تو تاتاری صرف ان لوگوں کو قتل کرتے جنھیں سپاہیانہ خدمت کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ تاہم ہر سپاہی مفتوح قوم کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا اپنا حق سمجھتا تھا۔

اگر کوئی شہر مزاحمت کے بعد فتح ہوتا تو مکانوں کو آگ لگا دی جاتی اور مکینوں کو قتل کر دیا جاتا۔ ہر فوج کا جرنیل اپنے سپاہیوں کو فتح کی یادگار تعمیر کرنے کا حکم دیتا اور تاتاری سپاہی نوجوانوں کے علاوہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے سر کاٹ کر مینار بنا دیتے۔ پھر جس فوج کا مینار سب سے بلند ہوتا، اس کے افسروں اور سپاہیوں کو چنگیز خان شاباش دیتا۔ بعض اوقات دو سپاہیوں میں اس بات پر جھگڑا بھی ہو جاتا کہ تمہارا مینار اندر سے کھوکھلا ہے ورنہ آج میری فوج نے زیادہ سر کاٹے ہیں۔

یہ وہ قوم تھی جس کے ہاتھوں عالم اسلام کی عبرت ناک تباہی مقدر ہو چکی تھی۔

اس عالم اسلام کی تباہی، جو انتشار اور لامرکزیت کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ ان مسلمانوں کی تباہی جو غفلت کی نیند سو رہے تھے، جو احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تاویلیں گھڑنے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کے پاس آدھی دنیا کو فتح کرنے والے اسلاف کی تلواریں اب بھی تھیں لیکن اسلاف کا ایمان نہ تھا۔

(۳)

مدینے سے کوئی ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی کی مسجد میں صبح کی نماز کے بعد شیخ احمد بن حسن قرآن وحدیث کا درس دے رہے تھے۔ طاہر بن یوسف مسجد میں داخل ہوا اور شیخ کی طرف دیکھنے لگا۔

طاہر کی عمر کوئی بائیس سال کے قریب تھی۔ اس کے دراز قد، سڈول جسم اور حسین چہرے میں غایت درجہ کی شوکت اور دل فریبی تھی۔ نگاہوں میں عقاب کی سی بے باکی اس کی ذہانت کی آئینہ دار تھی۔

احمد بن حسن نے سوال کیا۔ ''تیار ہو آئے؟''

''جی ہاں! میں امی جان سے رخصت ہو آیا ہوں''۔

احمد بن حسن نے شاگردوں کو رخصت کیا اور اٹھ کر نوجوان کے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے۔

مسجد کے دروازے سے باہر شیخ کا ایک نوکر گھوڑا لیے کھڑا تھا۔ جو سفر کے لیے ضروری سامان سے لیس تھا۔ احمد بن حسن نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دی۔ گھوڑے نے گردن اٹھائی، کان کھڑے کر لیے اور اگلا سم زمین پر مارنے لگا۔

احمد بن حسن نے مسکراتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''تمہارا گھوڑا

کہہ رہا ہے کہ دھوپ تیز ہو رہی ہے، ہمیں جلد رخصت کرو! طاہر! میرے ذہن میں اس وقت کوئی ایسی بات نہیں جو میں تم سے بار بار پہلے نہیں کہہ چکا۔ بغداد تمہارے لیے ایک نئی دنیا ہو گی۔ وہاں تم جیسے نوجوان کے لیے بننے اور بگڑنے کے ہزاروں سامان موجود ہیں۔ چاہو تو اس باغ کے کانٹوں سے الجھ کر رہ جاؤ۔ چاہو تو اپنا دامن مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر لو۔ بغداد خوبیوں اور برائیوں کا مرکز ہے۔ لیکن اب برائیاں زیادہ ہو رہی ہیں اور خوبیاں کم۔ تمہیں کئی تلخیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور کئی حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا ہو گا۔ قاضی فخر الدین میرا خط پڑھ کر یقیناً تمہارے لیے بہت کچھ کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ ان کی مدد سے تم دربار خلافت تک رسائی حاصل کر سکو۔ دربار خلافت پر ترک اور ایرانی امرا کا غلبہ ہے۔ وہ تمہارا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ لیکن مجھے تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ ہے۔ تم علم کے گہرے دریاؤں کی سیر کر چکے ہو۔ مدینے کے بہترین دماغ تمہاری ذہانت پر رشک کرتے ہیں۔ مومن کی زندگی کا دوسرا جوہر سپہ گری ہے اور تم تلوار سے کھیلنا بھی جانتے ہو۔ اس وقت عالم اسلام کو تمہارے علم سے زیادہ تمہاری تلوار کی ضرورت ہے۔ بغداد میں قاضی فخر الدین تمہارے لیے بہترین رہنما ثابت ہوں گے۔ اگر ان کے وسیلے سے تم کوئی بلند مرتبہ حاصل کر لو تو یہ بات یاد رکھنا کہ امارت کا نشہ برا ہوتا ہے۔ خدا کی خوشنودی کو خلیفہ کی خوشنودی پر مقدم سمجھنا اور ہمیشہ خیال رکھنا کہ تم عبدالملک بننے کے لیے نہیں، عبداللہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ اپنی دولت کے لحاظ سے تم بغداد کے امیر ترین آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ میں نے ان جواہرات میں سے ایک ہیرا ایک جوہری کو دکھایا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ میں نے ان میں سے پانچ بڑے بڑے

ہیرے رکھ لیے ہیں۔وہ میرے پاس امانت رہیں گے۔اس کے علاوہ میں نے تجارت میں تمہارا حصہ رکھا تھا۔اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہارے لیے یہاں ایک باغ خرید لوں؟"

نوجوان نے کہا۔"مجھے آپ نے مجبور کیا ہے ورنہ میں تو اتنی دولت ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا"۔

شیخ نے کہا۔اس کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے اور بغداد جا کر تمہیں محسوس ہو گا کہ میری رائے صحیح تھی۔ہاں اس دولت سے کہیں زیادہ قیمتی چیز تمہارے پاس صلاح الدینؒ کی تلوار ہے اور تم اس کا حق ادا کرنا جانتے ہو۔اب چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے......امین کہاں ہے؟"

"وہ میرے ساتھ جانے پر بضد تھا۔میں نے نوکر کے ساتھ شہر بھیج دیا ہے۔"

گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے طاہر نے مصافحے کے لیے شیخ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شیخ نے مصافحے کی بجائے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگایا۔

"میرے بیٹے! اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"تمہاری جدائی ہمارے لیے بہت صبر آزما ہو گی۔خدا تمہارے نیک ارادوں میں برکت دے"۔

احمد سے بغل گیر ہونے کے بعد نوجوان نے خدا حافظ کہہ کر مصافحے کے لیے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لیکن احمد نے کہا۔"تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!"۔

"نہیں! مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔" یہ کہہ کر نوجوان نے گھوڑے سے اترنے کی کوشش کی لیکن شیخ نے اسے ہاتھ سے روکتے ہوئے کہا۔بیٹا! مجھے ایک مجاہد کے گھوڑے کی باگ پکڑنے کی سعادت سے محروم نہ کرو۔اگر صدیق اکبرؓ اسامہ بن

زیدؒ کے گھوڑے کی باگ تھام کر اپنا سر مبارک فخر سے اونچا کر سکتے تھے تو مجھے بھی آج اپنی خوش بختی پر ناز ہے۔ بڑھاپے میں میرے نحیف ہاتھ اگرچہ تلوار نہیں اٹھا سکتے لیکن ان میں تمہارے گھوڑے کی باگ تھامنے کی قوت ابھی باقی ہے۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس کے افراد جوانی میں تلواروں سے کھیلتے ہیں اور بڑھاپے میں اپنے بچوں کے گھوڑوں کی باگ پکڑ کر انھیں میدان جہاد کا راستہ دکھاتے ہیں۔"

احمد بن حسن طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے نخلستان سے باہر نکلے۔ وہ کچھ دور اور اس کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن طاہر نے کہا۔ "آپ زیادہ تکلیف نہ کیجئے، مجھے اجازت دیجئے"۔

احمد بن حسن نے گھوڑے کی باگ طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "طاہر! میں نے سنا ہے کہ بغداد کے درختوں کی چھاؤں بہت ٹھنڈی ہوتی ہے۔ بیٹا وہاں جا کر سو نہ جانا اور وہاں زید کا خیال رکھنا۔ وہ بہت سیدھا آدمی ہے۔ بغداد کے امراء کے ہوشیار اور چالاک نوکروں سے اس کا مقابلہ نہ کرتا۔ اس کی سادگی کبھی کبھی حماقت کی حد تک پہنچ جاتی ہے لیکن اس کی بہادری اور ایثار اس کی ہر کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔"

طاہر نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیے، میں اسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں۔"

احمد بن حسن نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔

(۴)

طاہر بن یوسف اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار عالم اسلام کی طرف یورپ کی عیسائی طاقتوں کی یلغار روکے ہوئے تھے۔ گزشتہ

صدی میں ترکان سلجوق نے ایک طرف بغداد کے عباسی خلفاء کی قیادت میں آرمینیا ، ایشائے کوچک اور شام میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی اور دوسری طرف باز نطینی سلطنت سے بحیرۂ روم کے بہت سے ساحلی علاقے چھین لیے تھے ۱۰۶۳ء میں سلجوقی ترکوں نے باز نطینی افواج کو ملازجرو کے مقام پر فیصلہ کن شکست دی۔ سلجوقی ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو کر پوپ اربن ثانی نے پوپ کی اپیل ایک عرصے کے لے کوئی خاطر خواہ نتائج پیدا نہ کر سکی۔ یورپ کے بادشاہ سلجوقیوں کی تلواروں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لیے پوپ کی طرف سے فقط ثواب آخرت کا وعدہ کافی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں دنیا کی منفعت کے لیے سلجوقیوں سے نبرد آزما ہونا شکار کے لیے عقاب کے گھونسلے میں ہاتھ ڈالنے سے کم خطرناک نہ تھا۔

لیکن اس زمانے میں ایک فرانسیسی راہب اٹھا اور اس نے اچانک یورپ کے عوام کو عالم اسلام کے خلاف مشتعل کر دیا۔ اس راہب کا نام پطرس تھا۔ اس نے صلیب اٹھائی اور گدھے پر سوار ہو کر تمام یورپ کا چکر لگایا۔ اس کے پھٹے پرانے لباس اور ننگے پاؤں سے مظلومیت برستی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کی چنگاریاں تھیں اور زبان پر زہریلے نشتر تھے۔ وہ جہاں جاتا لوگ اس گرد جمع ہو جاتے۔ وہ ارض مقدس پر سلجوقیوں کے مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا۔ خود روتا اور دوسروں کو رلاتا۔ عوام اس کی ہر تقریر کے اختتام پر صلیب کی حرمت کے لیے قربان ہو جانے کی قسمیں کھاتے۔ عوام کا جوش و خروش دیکھ کر یورپ کی ہر چھوٹی اور بڑی سلطنت کے حکمران عالم اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہلال کے خلاف صلیب کی تمام قہرمانی قوتیں یکجا ہو چکی تھیں۔ لیکن ملک

شاہ کی وفات تک یہ سیلاب رکا رہا۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقی سلطنت ٹکڑے ہو گئی۔ اس کے تنزل کی رفتار ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کے تنزل کی رفتار بھی تیز تھی۔

سات سال کے عرصے میں مغرب کی طرف عالم اسلام کا وہ دفاعی مورچہ جسے یورپ کی عیسائی سلطنتیں ناقابل تسخیر سمجھتی تھیں، خود بخود ٹوٹ گیا اور ۱۰۹۱ء میں عیسائیت کا سیلاب عالم اسلام پر اُمڈ آیا۔

بغداد میں سلطنت عباسیہ نے ترکان سلجوق کے زوال پر اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ عیسائیت کے خوف ناک سیلاب کی روک تھام کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ ایک سال کے اندر اندر عیسائیوں نے سلجوقیوں کی رہی سہی طاقت کچل ڈالی اور یروشلم کے علاوہ شام کے بہت سے شہروں اور بندرگاہوں پر قابض ہو گئے۔ اور فلسطین اور شام کے چند علاقے ملا کر ایک عیسائی سلطنت قائم کر دی۔ یہ سلطنت عالم اسلام کے سینے پر ایک خنجر تھی۔

قریباً پچاس سال کے بعد عالم اسلام کا مدافعانہ جذبہ عماد الدین زنگیؒ کی شخصیت میں نمودار ہوا۔ اور اس کے جان توڑ حملوں نے صلیب کے علمبرداروں کے دلوں میں غازیان اسلام کی پرانی ہیبت زندہ کر دی۔ بغداد کے عباسی خلیفہ کی طرف سے ابتدا میں اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس کی شجاعت کی داستانیں سن کر مختلف اطراف سے عالم اسلام کے ہزاروں سرفروش اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے لیکن سلطنت کے اندرونی خلفشار کے باعث وہ اپنا کام پورا نہ کر سکا اور ارض مقدس میں عیسائی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھتے بجھتے ہوئے بچ گیا۔ لیکن ۵۸۴ء میں مصر

میں صلاح الدین ایوبیؒ کا اقتدار اس چراغ کے لیے ہوا کا آخری جھونکا ثابت ہوا۔ ارض مقدس پھر ایک بار غازیان اسلام کے سمند اقبال کے بوسے لے رہی تھی، یورپ کی عیسائی طاقتوں کو صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار سلجوقیوں کی تلواروں سے کہیں زیادہ خطرناک نظر آنے لگی اور فرانس، جرمنی اور انگلینڈ کے علاوہ یورپ کی تمام عیسائی سلطنتیں اپنی ٹڈی دل افواج کے ساتھ مشرق میں عیسائیت کے اقتدار کے گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا دینے کے لیے آموجود ہوئیں۔

خلافت عباسیہ نے اب کی بار بھی براہ راست اس جنگ میں شرکت نہ کی لیکن صلاح الدین ایوبیؒ کے شجاعانہ کارناموں نے جلد ہی عالم اسلام کو اس کا گرویدہ بنا دیا۔ یورپ کی بے شمار افواج کی یلغار سے باخبر ہو کر عرب، عراق اور ترکستان سے کئی سرفروش یکے بعد دیگرے صلاح الدین ایوبیؒ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

(۵)

مدینے کے چند اور نوجوانوں کی طرح صلیب کے مقابلے میں ہلال کا پرچم بلند رکھنے کا جذبہ احمد بن حسن کو بھی مدینہ سے فلسطین لے گیا۔ ہلال و صلیب کے معمولی معرکوں میں احمد بن حسن ایک گمنام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتا رہا۔ اس کے رسالے کے افسر اس کی شجاعت کے معترف تھے لیکن وہ خود اعتمادی جو احمد بن حسن کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی، ایک مدت تک اس کے راستے میں رکاوٹ بنی رہی۔ بڑے سے بڑے آدمی کو خوش کرنے کے لیے بھی وہ اپنی رائے بدلنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اس کے دستے کا سالار ایک ترک تھا اور وہ اس کی خود اعتمادی کو اس کی خود پسندی سے تعبیر کرتا تھا۔

ایک شاندار فتح کے بعد رات کے وقت صلاح الدینؒ کی افواج ایک وسیع

میدان میں ڈیرہ ڈالے پڑی تھیں۔ایک طرف زیتون کے چند درختوں کے قریب احمد بن حسن کے دستے کا ترک سالار چند سپاہیوں اور افسروں کی مجلس میں گزشتہ لڑائی کے واقعات پر تبصرہ کر رہا تھا۔

''احمد بن حسن کہاں ہے؟''اس نے اچانک ایک سپاہی سے سوال کیا۔

سپاہی نے جواب دیا۔''وہ درخت کے نیچے مشعل کے سامنے بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔''

ترک افسر نے کہا۔''اگر اسے کتابیں پڑھنے کا اس قدر شوق نہ ہو تو وہ ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہے۔پرسوں وہ سچ مچ ایک سپاہی کی طرح لڑ رہا تھا۔اس نے پانچ نصرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ احمد ہے۔لیکن یہ کتابیں اسے ناکارہ بنا دیں گی''۔

ایک نوجوان جواب تک خاموشی سے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا، بول اٹھا۔''ہو سکتا ہے کہ وہ محض ایک سپاہی بننے کی بجائے کسی فوج کی رہنمائی کے لیے پیدا ہوا ہو! ایک عام سپاہی شاید تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت محسوس نہ کرے لیکن ایک سالار کتابوں کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔''

ترک افسر نے نوجوان کے الفاظ کی تلخی کو ایک بلند قہقہے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''تو اہل بغداد سب کے سب سالار ہیں۔یہ وہ فقط کتابیں پڑھتے ہیں۔''

نوجوان نے جواب دیا۔''یہ عالم اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اہل بغداد کتاب کے ساتھ تلوار کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ورنہ عالم اسلام کا ہر سپاہی ان کی قیادت میں لڑنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا۔''

مشعل کی روشنی سے دور ہونے کے باعث ترک سالار اپنے مخاطب کو پہچان نہ سکا۔ اس نے ذرا ترش لہجے میں کہا۔ ''یہ احمد بن حسن کا دوسرا ساتھی کہاں سے آ گیا؟ بھئی آگے آ جاؤ!''

نوجوان کونے سے اٹھ کر سالار کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار نے کہا۔ ''ارے یوسف آج تمہاری زبان کیسے کھل گئی؟ بیٹھ جاؤ! میں ہر بہادر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ تم نے پہلے ہی معرکے میں ہم سب کو اپنا معترف بنا لیا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ یہاں کی رائے عامہ اہل بغداد کی ستائش کو پسند نہیں کرتی۔''

یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا ''بات کرتے وقت میرے ذہن میں رائے عامہ نہ تھی، آپ تھے اور اہل بغداد کو میں اس وقت تعریف کے قابل سمجھتا ہوں نہ میں نے ان کی تعریف کی ہے۔ ان کا ذکر ضمناً آ گیا تھا۔ اصل موضوع یہ تھا کہ سپاہی کو علم سیکھنا چاہیے یا نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تلوار ایک ایسا سرکش گھوڑا ہے جس کے لیے علم کی باگ کی ضرورت ہے۔ بغداد والے فقط باگ کو سنوار رہے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑا نہیں۔''

سالار نے پوچھا ''اور ہمارے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

یوسف نے جواب میں پوچھا۔ ''ہمارے سے آپ کی مراد اپنی ذات ہے یا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی فوج؟''

ترک افسر نے اس سوال سے پریشان ہو کر گفتگو کا رخ بدلنے کے لیے کہا ''باتوں میں یہ نوجوان احمد بن حسن کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ اسے بھی بلاؤ!''

ایک سپاہی اٹھ کر احمد بن حسن کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ترک سالار نے کہا۔ ''احمد! پرسوں تم سچ مچ ایک سپاہی کی طرح لڑ رہے تھے۔ مجھے تم سے ہرگز یہ توقع نہ

تھی...... بیٹھ جاؤ!"

احمد بن حسن نے جواب دیا۔ "آپ کو اپنے سپاہیوں سے بری توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔"

ترک افسر نے قدرے کھسیانہ ہو کر کہا۔ "تمہارا یوسف سے تعارف ہوا ہے یا نہیں؟ یہ ہمارے نئے رفیق ہیں۔"

احمد نے جواب دیا۔ "میں ان سے متعارف ہو چکا ہوں۔"

"کیا پڑھ رہے تھے آج؟"

"میں خالدؓ بن ولید کی فتوحات پڑھ رہا تھا۔"

ترک افسر نے سوال کیا "بھلا خالدؓ بن ولید کی فتوحات زیادہ ہیں یا ہمارے سلطان کی؟ میرے خیال میں اس زمانے کی جنگیں موجودہ جنگوں کے مقابلے میں معمولی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔"

احمد بن حسن نے جواب دیا۔ "آپ کا خیال عام طور پر صحیح نہیں ہوتا۔ میں بے علمی کو قابل معافی سمجھتا ہوں لیکن ریا کاری کو قابل معافی نہیں سمجھتا۔ آپ سلطان کے سامنے ایسی باتیں کر کے شاید انہیں خوش کر سکیں لیکن وہ اس وقت یہاں موجود نہیں...... میں مانتا ہوں کہ آپ کو کتابوں سے نفرت ہے لیکن یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کو ایک مسلمان ماں نے خالد اعظمؓ کی فتوحات کے حالات نہ بتائے ہوں اور آپ کو فخر اور احترام کے ساتھ ان مجاہدین کے نام لینا نہ سکھایا ہو جنھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیتھڑے اوڑھ کر قیصر و کسریٰ کے تاج روند ڈالے تھے۔ خالدؓ بن ولید کے زمانے میں اکثر جنگیں ایسی تھیں جن میں اسلام کی ایک تلوار کے مقابلے میں دشمن کی دس تلواریں ہوا کرتی تھیں۔ میری باتوں سے آپ کو تکلیف

ضرور ہوگی۔ آپ میرے سالار ہیں۔ میدان جنگ میں آپ کو ہر اشارہ میرے لیے حکم ہے لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ میں آپ کی یا سلطان صلاح الدینؒ کی خوشنودی چاہتا ہوں اور سلطان کا احترام اگر میرے دل میں ہے تو محض اس لیے کہ وہ بھی میری طرح اسلام کے ایک سپاہی ہیں۔ اس قسم کی غلط بیانی سے تاریخ کا ایک طالب علم شاید گم راہ نہ ہو سکے لیکن ہو سکتا ہے کہ سلطان کے سامنے اس قسم کی ناجائز خوشامد ان میں خود پسندی کا وہ جذبہ پیدا کر دے جس کے باعث خلفائے بنی عباس اسلام کے لیے ایک عضو معطل بن چکے ہیں۔ اس وقت عالم اسلام کی بہت سی توقعات سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے وابستہ ہیں۔ اس لیے آپ ابھی سے انھیں خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کا ہم پلہ ثابت کر کے مستقبل سے بے نیاز کر دینے کی بجائے ان کے لیے یہ دعا کریں کہ وہ بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ کر بھی یہ محسوس کریں کہ ابھی ان کے سفر کی ابتدا ہوئی ہے۔"

احمد بن حسن کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک درخت کی آڑ سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "خدا صلاح الدین کو عالم اسلام کی نیک توقعات پورا کرنے کے قابل بنائے اور اسے خوشامدیوں سے محفوظ رکھے۔" اجنبی کی آواز میں غصہ اور ہیبت اور جلال تھا۔ سامعین بدحواس ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے مشعل کی روشنی کے قریب پہنچ کر چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ ترک افسر سراسیمہ ہو کر بولا "سلطان!"

سب کے سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ سلطان صلاح الدینؒ نے ترک افسر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے تمہاری باتیں سن کر بہت دکھ ہوا لیکن تم جاہل ہو۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تم آئندہ چھ ماہ تک فرصت کے اوقات میں اپنے ساتھیوں سے بالکل الگ

بیٹھ کر تاریخ پڑھا کرو۔ چھ ماہ بعد میں خود تمہارا امتحان لوں گا۔ اگر تم نے میری تسلی کر دی تو تمہیں ترقی دی جائے ورنہ تنہائی میں بیٹھنے کی سزا اور بڑھا دی جائے گی۔ اور تم دونوں ادھر آؤ!" سلطان نے احمد بن حسن اور یوسف کی طرف اشارہ کیا۔ احمد اور یوسف آگے بڑھ کر سلطان کے قریب کھڑے ہو گئے۔

سلطان نے پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

"میں مدینہ سے آیا ہوں۔" احمد بن حسن نے جواب دیا۔ سلطان یوسف کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بولا۔ "میں بغداد سے آیا ہوں"۔

"تم میری فوج میں کب شریک ہوئے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے قریباً چھ ماہ گزر چکے ہیں اور یوسف کو کوئی پانچ دن"

۔

سلطان صلاح الدینؒ نے کہا۔ "تم میرے متعلق غلط توقعات ظاہر کرنے کے مجرم ہو، تمہیں کیا سزا دوں؟"

احمد نے کہا۔ "اگر آپ میری تمام باتیں سننے کے بعد بھی مجھے مجرم قرار دیتے ہیں تو میں اپنی صفائی پیش نہیں کرتا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے پیار کے ساتھ احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "سر دست میں تمہاری زبان سے متاثر ہوا ہوں۔ مجھے تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا صحیح علم نہیں۔ اس لیے تمہیں بارہ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں اور یوسف تمہاری آواز میں ایک سپاہی کی سی خود اعتمادی ہے۔ ممکن ہے تم آگے چل کر اپنے آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ثابت کر سکو لیکن سر دست تمہیں پانچ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ تم دونوں کو میں یقین دلاتا ہوں کہ

میرے دل میں فقط جواں مردی اور شجاعت کی عزت ہے، خوشامد کی نہیں اور حضرت خالدؓ کے متعلق شاید میں اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکوں۔ کاش میں مصر کا سلطنا ہونے کی بجائے اسلام کے مجاہد اعظم کی فوج کا ایک معمولی سپاہی ہوتا۔ میرے لیے نہ صرف وہ مجاہدین بلکہ وہ لوگ بھی قابل رشک ہیں جنھوں نے عراق اور شام کے میدانوں میں خالد اعظمؓ کی افواج کے سواروں کو گرد کے بادلوں میں روپوش ہوتے دیکھا تھا۔ میں اپنی ذات سے غازیان اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو جانے والی ایک بڑھیا کا درجہ بلند سمجھتا ہوں"۔

(۶)

چند دن کے بعد صلاح الدین ایوبیؒ کی فوج میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو احمد بن حسن اور یوسف بن ظہیر سے واقف نہ ہو۔ ایک سال کے بعد یوسف سلطان کے جانبازوں کے دستے کا سالار اور احمد بن حسن مجلس شوریٰ کا رکن بن چکا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے غایت درجے کی عقیدت تھی۔ میدان جنگ میں اگر احمد بن حسن کو کسی پر رشک آسکتا تھا تو وہ یوسف تھا اور علماء کی محفل میں یوسف اپنے دوست کی برتری کا اعتراف کرتا تھا۔

یوسف اور احمد بن حسن نے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک یروشلم پر دوبارہ نشان صلیب کی جگہ ہلالی پرچم نصب نہ ہوگا وہ رخصت پر نہیں جائیں گے۔ جن ایام میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ یروشلم پر آخری حملے کی تیاریاں کر رہا تھا، بغداد میں سلطان کی فوج کے چند رضا کار جو رخصت پر گئے ہوئے تھے، واپس آئے اور ان میں سے ایک سپاہی نے یوسف کے خیمے میں داخل ہو کر اس کی بیوی کا خط پیش کیا۔ یوسف نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خط کھول کر پڑھا اور تھوڑی دیر سر جھکا

کر سوچنے کے بعد سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔

سپاہی نے کہا۔ ”میں نے اپنی بیوی کو آپ کو گھر بھیجا تھا۔ وہ آپ کی بیوی کی حالت نازک بیان کرتی تھی۔ آپ کا بچہ میں نے دیکھا تھا، وہ تندرست ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہہ آیا ہوں۔ وہ آپ کی بیوی کی تیمارداری کر رہی ہے۔“

یوسف نے اپنے چہرے پر ایک غمگین مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”خدا آپ کو جزا دے اور پھر دوبارہ خط دیکھنے میں منہمک ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد یوسف تنہا اپنے خیمے میں بے قرار سے ٹہل رہا تھا۔ پانچ چھ مرتبہ پڑھنے کے بعد اسے مختصر سے خط کے یہ الفاظ زبانی یاد ہو چکے تھے:

”میرے آقا! میرے شوہر! بہت انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ یروشلم پر اسلام کا جھنڈا نصب ہوتے دیکھ سکتی۔ میں قدرے علیل ہوں لیکن آپ فکر نہ کریں۔ یروشلم کی فتح کی خبر سن کر میں تندرست ہو جاؤں گی۔ ہاں، یہ ضرور چاہتی ہیوں کہ مجھے سب سے پہلے یروشلم کی فتح کی خبر سنانے والے آپ ہوں۔ اپنا عہد پورا کیجئے۔ میں دن رات خدا سے دعا کرتی ہوں کہ یروشلم پر جھنڈا نصب کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئے۔ طاہر بہت خوش ہے اور محسن کی بیوی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں۔“

یوسف خیمے میں ٹہلتے ہوئے یہ الفاظ کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز میں دہرا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھی۔ اس کا دل اور دماغ دو مختلف خیالات، دو مختلف امنگوں اور ارادوں کی کش مکش میں مبتلا تھے۔ اس کے سامنے دو فرائض تھے۔ ایک طرف حسین اور نوجوان بیوی جس کے ساتھ شادی سے پہلے وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا اور شادی کے بعد جس کی حیا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ،

اس کے لیے دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی تھی۔ وہ بیمار تھی اور خط کے تسلی آمیز لہجے کے باوجود وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حالت مخدوش ہے ورنہ وہ معمولی تکلیف کی حالت میں محسن کی بیوی کی تیمارداری کی ضرورت محسوس نہ کرتی۔ اسے گھر پہنچنا چاہیے۔ وہ خیالات کے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد پہنچتا اور اپنے مکان میں داخل ہوتا۔ ''زاہدہ! زاہدہ!! تم کیسی ہو؟ میں آ گیا ہوں۔ میری طرف دیکھو۔'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی اور بے قراری ہو کر کہتی ''آپ! کیا یروشلم پر اسلام کا پرچم نصب ہو چکا ہے؟'' یہ سوال تصور کے گھوڑے کے لیے تازیانہ ثابت ہوتا اور وہ بغداد کے پرامن گوشے سے لوٹ کر یروشلم کی رزم گاہوں میں پہنچ جاتا اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر بلند آواز میں کہتا۔ ''میں اپنا عہد پورا کروں گا۔ میں اپنے ساتھ یروشلم کی فتح کی خبر لے کر جاؤں گا''۔ اور وہ تیروں کی بارش میں خندق عبور کرتا، قلعے کی دیواریں توڑتا، صلیب کے نشان اکھاڑتا اور ہلال کا پھریرا اڑاتا ہوا۔ قلعے کے آخری برج تک پہنچ جاتا اور فتح کا نعرہ بلند کرتے اور خون آلود تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور بغداد پہنچ جاتا۔ اپنے گھر کے سامنے گھوڑے سے اترتا اور بھاگ کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہتا:

''میری جان! میری روح! میں آ گیا ہوں۔ یروشلم فتح ہو گیا ہے۔ میں نے قلعے کے سب سے اونچے برج پر اپنے ہاتھوں سے اسلامی جھنڈا نصب کیا ہے'' اور زاہدہ کا حسین اور معصوم چہرہ خوشی سے چمک اٹھتا۔ ''میں نہیں جاؤں گا'' اس کا آخری فیصلہ تھا۔

احمد بن حسن اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ ''یوسف! بغداد سے چند سپاہی آئے ہیں۔ تمہارے گھر سے کوئی پیغام آیا؟''

"بیوی کا خط آیا ہے" یوسف نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم پریشان ہو خیریت تو ہے؟"

"وہ کچھ علیل ہے"۔

احمد بن حسن نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد پوچھا۔ "تمہیں بلایا ہے؟"

"نہیں۔ آپ پڑھ لیجئے۔" یہ کہتے ہوئے یوسف نے احمد کے ہاتھ میں خط دے دیا۔

احمد نے خط پڑھنے کے بعد کہا۔ "خط سے تو کوئی تشویش کی بات ظاہر نہیں ہوتی، تاہم تم پریشان ضرور ہو۔ میں تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں"۔

یوسف نے بے تابی سے سوال کیا۔ "کیسی خوش خبری؟ کیا یروشلم پر جلد حملہ ہونے والا ہے؟"

احمد نے جواب دیا "ہاں، پرسوں ہم یروشلم کی فصیل توڑ رہے ہوں گے اور انشاءاللہ تم ایک ہفتے سے پہلے بغداد والوں کو یروشلم کی فتح کی خوش خبری دینے کے لیے روانہ ہو جاؤ گے اور چند منازل تک میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

یوسف نے پھر پوچھا۔ "آپ کو یقین ہے کہ پرسوں حملہ ہو جائے گا؟"

احمد نے جواب دیا۔ "میں ابھی سلطان سے مل کر آ رہا ہوں"۔

یوسف کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کاش! یہ حملہ آج ہوتا!"

احمد نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ "میں خط لانے والے کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"یہ خط محسن لایا ہے۔ وہ بغداد میں میرا پڑوسی ہے"

"کس رسالے میں ہے وہ؟"

"وہ ہراول فوج کے اٹھارہویں دستے کا نائب سالار ہے۔"

شام کے وقت احمد بن حسن نے یوسف سے کہا "یوسف! میں محسن سے مل چکا ہوں، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت تسلی بخش نہیں۔ اگر جانا چاہو تو میں سلطان سے تمہاری رخصت کے لیے کہوں؟"

یوسف نے جواب دیا "نہیں مریضہ کی تیمارداری کا موقع شاید پھر بھی مل جائے لیکن یروشلم کی فتح میں حصہ لینے کی سعادت شاید دوبارہ نصیب نہ ہو"۔

(۷)

آٹھ دن کے بعد مسلمانوں کی فوج چاروں طرف سے یروشلم پر یلغار کر رہی تھی۔ سلطان صلاح الدینؒ ایک سفید گھوڑے پر سوار حملہ آور فوج کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ سپاہی جسے سلطان نے سب سے پہلے کمند ڈال کر قلعے کی فصیل پر چڑھتے دیکھا، یوسف تھا۔ اوپر سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی اور یوسف سر پر ڈھال رکھ کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ فصیل پر پہنچنے کے لیے اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے۔ سلطان نے اپنے دل میں کہا اگر یہ فصیل پر پہنچ گیا تو میں اسے اپنی تلوار انعام میں دوں گا۔ یوسف فصیل پر پہنچ چکا تھا اور چند نوجوان اس کی تقلید کر رہے تھے۔ یوسف کی تلوار چند آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی تھی۔ سلطان اپنے جرنیل سے کہہ رہا تھا۔ "اب وہ میرے گھوڑے کا بھی حق دار ہے"۔ چند مجاہد فصیل پر چڑھ کر یوسف پر عقب سے حملہ کرنے والے پہرے داروں کو روک رہے تھے اور یوسف اپنے پے در پے حملوں سے چھ سات سپاہیوں کے پاؤں اکھاڑ چکا تھا۔

صلاح الدینؒ جوشِ مسرت میں کہہ رہا تھا۔ ''نوجوان! میں تمہیں ہر اول دستے کا سالارِ اعلیٰ بناتا ہوں''۔ تھوڑی دیر کے لیے سلطان کی توجہ کسی اور محاذ پر مبذول ہو گئی۔ جب دوبارہ اس نے فصیل کے اس حصے کی طرف دیکھا تو اس کے سپاہی اس مقام پر قبضہ جما چکے تھے لیکن یوسف وہاں نہ تھا۔ اس نے اپنے ہم رکاب سے پوچھا۔ ''یوسف کہاں گیا''؟

اس نے دروازے کے سب سے اونچے برج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ دیکھیے! یوسف بہت خطرناک مقام پر لڑ رہا ہے''۔

سلطان نے اوپر نگاہ کی۔ یوسف کی تلوار بیک وقت تین تلواروں سے لڑ رہی تھی۔ سلطان کے دو سپاہی اس کی مدد کے لیے پہنچ چکے تھے۔ یوسف کی تلوار کی ایک ضرب سے نشانِ صلیب سرنگوں ہو چکا تھا۔ سلطان نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمہیں اس شہر کا والی مقرر کرتا ہوں''۔ لیکن یوسف کے ہاتھ سے تلوار گر چکی تھی اور ایک نوجوان اسے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے پہچان لیا۔ یہ احمد بن حسن تھا۔

سلطان کے سپاہی اندر داخل ہو کر قلعے کا دروازہ کھول چکے تھے۔ دشمن ہتھیار ڈال چکا تھا۔ سلطان گھوڑا بھگاتا ہوا قلعے کے اندر داخل ہوا اور گھوڑے سے اتر کر اپنی فوج کے چند افسروں کے ساتھ جلدی سے برج پر چڑھا۔ یوسف کے جسم پر زخموں کے کئی نشان تھے۔ احمد اسے اپنی چھاگل سے پانی پلا رہا تھا۔ سلطان فرش پر گھٹنے ٹیک کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی زرہ کھلوا کر اس کے زخم دیکھے اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مغموم لہجے میں کہا ''بیٹا! میں تمہیں اس شہر کا والی بنا چکا ہوں۔ شاید تمہارا عہدِ حکومت بہت مختصر ہے۔ اگر شہر والوں کے لیے کوئی حکم نافذ کرنا چاہتے ہو تو

بند کر لیں اور خفیف سی آواز میں دہرانے لگا۔ ''زاہدہ! میں آ گیا ہوں۔ یروشلم فتح ہو گیا۔ میں نے فتح کا جھنڈا اپنے ہاتھوں سے نصب کیا ہے!'' اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ سلطان اور احمد کی طرف دیکھا لیکن ایک لمبی سانس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے پردے حائل ہو چکے تھے۔

سلطان نے کہا۔ ''احمد! تم فوراً بغداد جانے کی تیاری کرو! میں تمہیں کچھ رقم یوسف کی بیوہ کے لیے دیتا ہوں۔ اگر وہ خدانخواستہ زندہ نہ ہوتو میں اس کے بچے کی پرورش تمہیں سونپتا ہوں''۔

احمد بن حسن نے کہا۔ ''میں تیار ہوں اور اگر آپ کی اجازت ہوتو بغداد کے ایک سپاہی کو جو یوسف کا پڑوسی ہے، ساتھ لیتا جاؤں!!''

(۸)

تھوڑی دیر بعد سلطان کی قیام گاہ کے سامنے تین گھوڑے کھڑے تھے، جن میں سے ایک وہ تھا جس پر تھوڑی دیر قبل سلطان صلاح الدین ایوبیؒ خود سوار تھا۔ رخصت کے وقت سلطان نے احمد بن حسن کو اپنے خیمے میں بلایا اور چمڑے کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا ''اس میں پانچ ہزار طلائی سکے ہیں۔ ان میں ایک ہزار تمہارے لیے اور باقی یوسف کی بیوہ کے لیے۔ اگر خدانخواستہ وہ زندہ نہ ہوتو یہ رقم یوسف کے بیٹے کی پرورش پر خرچ کرنا اور اس کے مستقبل کے لیے میں تمہیں کچھ اور دیتا ہوں۔ یہ لو'' سلطان نے ایک ریشمی کپڑے کی تھیلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے کھول کر دیکھو!''

احمد بن حسن نے تھیلی لے کر کھولی۔ اس میں بیش قیمت جواہرات جگمگا رہے تھے۔ سلطان نے کہا۔ ''یہ جواہرات اسے اس وقت دینا جب وہ بالغ ہو جائے''۔

احمد بن حسن نے کہا۔ "یوسف کے بیٹے کے لیے آپ کا ہر انعام جائز ہے۔ لیکن میں یہاں دولت کی تلاش میں نہیں آیا تھا خدا نے مجھے ہر شے دے رکھی ہے۔"

سلطان نے کہا۔ "اگر تمہیں اس کی ضرورت نہیں تو یہ مدینے کے غریب بچوں کے لیے لے جاؤ!"

سلطان کا لب ولہجہ کچھ ایسا تھا کہ احمد انکار نہ کر سکا۔ سلطان نے پھر کہا "دو اور چیزیں جو میں تمہیں سونپنا چاہتا ہوں، ان میں سے ایک میرا گھوڑا۔ ایک سپاہی یہ گھوڑا چھوڑنے کے لیے بغداد جائے گا۔ بغداد میں اسے بیچ کر جو رقم حاصل ہوگی، وہ بھی یوسف کی بیوی کو دے دینا۔ مجھے امید ہے کہ بغداد کے لوگ میرے گھوڑے کو اچھی قیمت پر خریدیں گے، دوسری چیز میری تلوار ہے۔ وہ یوسف کے بیٹے کے بڑا ہونے تک تمہارے پاس محفوظ رہے گی!"

احمد نے کہا۔ "محسن میرے ساتھ جا رہا ہے"۔

سلطان نے کہا۔ "میں نے اسے فراموش نہیں کیا۔ اس کی واپسی تک مال غنیمت میں اس کا حصہ محفوظ رہے گا، تاہم زادِ راہ کے لیے میں اسے کچھ دیتا ہوں"۔

سلطان نے محسن کو اندر بلا کر پانچ سو طلائی سکے دیئے۔ پھر دونوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم جاؤ! میں چاہتا ہوں کہ بغداد میں یروشلم کی فتح کی خبر سننے والی یوسف کی بیوی ہو۔ خدا حافظ!"

چند ہفتوں کے بعد بغداد پہنچ کر احمد بن حسن کو معلوم ہوا کہ یوسف کی بیوی یروشلم کی فتح سے چار دن پہلے داعی اجل کو لبیک کہہ چکی تھی اور محسن کی بیوی اس کے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ احمد بن حسن نے گھر پہنچتے ہیں بچے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور جب محسن نے اڑھائی سال کا ایک خوب صورت بچہ لا کر اس کی گود میں

بٹھا دیا تو اس کا دل بھر آیا۔ احمد بن حسن اس کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ بچے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ناک پکڑ لی اور کہا ''غازی ...... ابا ...... غازی!''

احمد نے اسے سینے سے بھینچ کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا۔ ابا شہید کہو!''

''ابا ......؟'' بچہ غور سے احمد کی طرف دیکھنے لگا۔

''ابا شہید!'' احمد نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''ابا شہید''۔ بچہ یہ کہتے ہوئے اس کی گود میں اچھلنے لگا۔

شام تک بغداد میں صلاح الدین ایوبیؒ کے گھوڑے کا چرچا ہو چکا تھا۔ بغداد کے امراء میں سے ہر ایک اسے اپنے اصطبل کی زینت بنانے کے لیے بے قرار تھا اور ان میں سے اکثر تی ایسے لوگوں کی تھی جو گھوڑے پر چڑھنے سے زیادہ اسے سنوارنا جانتے تھے۔ خلیفہ کے متعلق مشہور تھا کہ جس قدر اس کا دل کوئی شے خریدنے کے لیے بے قرار ہوتا تھا اسی قدر اپنی جیب پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی تھی اور پھر اگر کسی سوداگر کے لیے خلیفہ کی پیش کش قابل قبول نہ ہو تو امراء اس کے خریدار بننے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن خلیفہ کو اس وقت خبر ہوئی جب کہ چین کا سفیر یہ گھوڑا دس ہزار کی مالیت کے جواہرات کے عوض خرید چکا تھا۔

اگلے دن احمد بن حسن، یوسف بن ظہیر کے بچے کو لے کر مدینے روانہ ہو گیا۔

(۹)

یوسف کے کم سن بچے کا نام طاہر تھا۔ احمد بن حسن نے گھر پہنچ کر اسے اپنی بیوی کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ ''سعیدہ! یہ ایک مجاہد کا بیٹا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم

اس ننھے مہمان کی تواضع میں مدینے کے انصار کی روایات پر عمل کرو گی!"

دوپہر کے وقت جب احمد بن حسن کا سات سالہ لڑکا طلحہ مکتب سے گھر آیا تو اس نے اپنی ماں کی گود میں ایک خوب صورت بچہ دیکھ کر کہا۔ "امی! یہ کون ہے؟"

سعیدہ نے جواب دیا "تمہارا چھوٹا بھائی ہے بیٹا!"

شام کے وقت طلحہ بستی کے تمام بچوں کو اپنا چھوٹا بھائی دکھا رہا تھا۔

پانچ سال کے بعد ایک دن احمد نے سعیدہ نے پوچھا۔ "سچ کہو تمہیں طلحہ زیادہ عزیز ہے یا طاہر؟"

سعیدہ نے غور سے دونوں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "مجھے معلوم نہیں"۔

احمد بن حسن کے گھر میں بارہ سال کی عمر تک طاہر کی زندگی ایک سہانا خواب تھی۔ احمد بن حسن نے اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مدینے کے علماء اور فنون حرب کے ماہرین کی اس ہونہار بچے کے متعلق متفقہ رائے تھی کہ وہ کسی بڑے کام کے لیے پیدا ہوا ہے۔ احمد بن حسن اور سعیدہ کو اپنے بیٹے طلحہ سے کم عزیز نہ تھا اور طلحہ بھی اس کے ساتھ اپنی زندگی کی بیشتر دلچسپیاں وابستہ کر چکا تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی برسوں میں ہلال و صلیب کی جنگیں از سر نو شروع ہو چکی تھیں۔ یورپ کی عیسائی طاقتیں گزشتہ برسوں میں فلسطین اور شام میں صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد قسطنطنیہ کو اپنا مرکز بنا کر بازنطینی سلطنت کو پھر ایک بار مشرق کی طرف پھیلانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ مصر کی افواج پھر ایک بار عالم اسلام کی طرف عیسائیت کے سیلاب کی

تازہ لہروں کے سامنے آخری چٹان کا کام دے رہی تھیں۔لیکن بغداد میں سلطنت عباسیہ پھر ایک بار اپنی بے تو جہی اور غفلت کا ثبوت دے رہی تھیں۔

شام کے تاجروں کا ایک قافلہ مدینے پہنچا اور ان کی زبانی نصرانیوں کے نئے ارادوں کا حال سن کر احمد بن حسن جہاد پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

رخصت ہونے سے ایک دن پہلے طلحہ نے کہا۔"ابا جان! میں بھی جاؤں گا"

احمد بن حسن نے اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔"میں تمہارے منہ سے یہ الفاظ سننے کے لیے بے قرار تھا۔تم نے اپنی ماں سے ذکر کیا ہے؟"

"ہاں! وہ مجھے اجازت دے چکی ہیں"

طاہر نے طلحہ کی جدائی کو بہت زیادہ محسوس کیا۔

دس ماہ کے بعد احمد بن حسن واپس آیا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا"سعیدہ! میں ایک الم ناک خبر لایا ہوں؟"

"طلحہ......؟"اس نے جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ہم دونوں ایک ہی مقصد لے کر گئے تھے اسے شہادت نصیب ہوئی اور میں خالی ہاتھ واپس آیا ہوں"۔

سعیدہ انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر خاموش ہو گئی۔

اگلے سال خدا نے احمد بن حسن کو ایک اور بیٹا عطا کیا جس کا نام امین رکھا گیا

۔

چند سال بعد جب عالم اسلام کے باقی شہروں کی طرح مدینے کے لوگ بھی عالم اسلام پر مغرب سے عیسائیت کے سیلاب کی بجائے شمال مشرقی افق پر ایک

تاریک آندھی کے ابتدائی آثار محسوس کر رہے تھے، احمد بن حسن نے طاہر سے کہا۔
"بیٹا! اب مدینے سے زیادہ بغداد کو تمہاری ضرورت ہے۔تمہاری جدائی میرے اور امین کے لیے ناقابل برداشت ہو گی لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم میرے بڑھاپے کی لاٹھی بننے کی بجائے عالم اسلام کا ایک ستون بن سکتے ہو۔تم بغداد جانے کی تیاری کرو"۔

مدینے میں احمد بن حسن کے سوا کسی کو طاہر کی دولت کا علم نہ تھا لیکن کوئی ایسا نہ تھا جسے اس کے ساتھ عقیدت نہ تھی ۔لوگوں کو اس کے بغداد جانے کا علم ہوا تو ان میں سے بعض یہاں تک کہتے تھے کہ سلطنت عباسیہ کو طاہر بن یوسف سے بہتر وزیر اعظم نہیں مل سکتا۔

طاہر کو بغداد بھیجنے سے پہلے احمد بن حسن کو اس کے لیے ایک قابل اعتماد ساتھی کی ضرورت محسوس ہوئی۔اس کی بستی سے کوئی تین کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں میں زید نامی ایک شخص رہتا تھا۔وہ چند سال قبل احمد بن حسن کے باغات کا محافظ رہ چکا تھا ۔زید ایک سادہ دل اور دیانت دار آدمی تھا۔احمد بن حسن نے طاہر سے کہا۔"بیٹا! میں تمہارے لیے ایک نہایت ہی مخلص اور دیانت دار خادم کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔سردست مجھے زید سے بہتر آدمی نظر نہیں آتا۔اگر مناسب سمجھو تو اسے ساتھ لیتے جاؤ"۔

طاہر نے جواب دیا۔"جب میں آٹھ برس کا تھا تو اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب میں بڑا ہو کر باہر جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اس کے بعد وہ جب بھی مجھے ملتا رہا ہے، اس وعدے کی تجدید کراتا رہا ہے"۔

احمد بن حسن نے کہا۔"تو پھر اسے بلاؤ! میں اسے چند باتیں سمجھانا چاہتا

ہوں"۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"وہ آج صبح سے مسجد میں بیٹھا ہوا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ میں اسے چھوڑ کر نہ چلا جاؤں"۔

"بلاؤ اسے!"

طاہر تھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ ایک میانے قد کے قوی ہیکل آدمی کو لے آیا۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی اور چہرے پر غایت درجے کی معصومیت تھی۔

احمد بن حسن نے کہا۔"زید! تم طاہر کے ساتھ جانا چاہتے تھے تو مجھ سے کیوں نہ کہا؟"

زید نے سادگی سے جواب دیا۔"سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی کے عمر کے تمام لوگ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتے ہوں گے اور میرا جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"تو تم تیار ہو؟"

"میں بیس سال سے بغداد جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں لیکن جب کبھی مدینے سے کوئی وہاں جاتا ہے، مجھ سے کہتا ہے کہ تم بھیڑیں چرانے کے لیے پیدا ہوئے ہو، بغداد میں کیا کرو گے؟"

احمد بن حسن نے جواب دیا"لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بغداد میں تمہاری ضرورت ہے"۔

"دیکھئے مجھ سے مذاق نہ کیجئے۔ میں غریب سہی لیکن اپنے سینے میں دل ضرور رکھتا ہوں، اگر آپ مجھے طاہر کے ساتھ نہیں بھیجنا چاہتے تو صاف کہہ دیجئے۔ میں

جانتا ہوں کہ میں ایک بے کار آدمی ہوں"۔

احمد بن حسن نے ہنستے ہوئے طاہر سے کہا۔"بیٹا! اسے کوئی تکلیف نہ ہو!" اور پھر زید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔"زید! طاہر پرسوں یہاں سے روانہ ہوگا۔تم تیار ہوکر پہنچ جاؤ۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ تمہیں ساتھ لے جائے گا"۔

طاہر نے کہا۔"اس کی بستی میرے راستے میں ہے۔میں اسے ساتھ لیتا جاؤں گا۔اسے یہاں آنے کی ضرورت نہیں"۔

زید نے کہا"میری بھی یہی خواہش تھی۔میری بستی کے لوگ انھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔میں نے انھیں بتایا ہے کہ ان کے والد کو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنی تلوار اور گھوڑا انعام دیا تھا...... ایک بات اور بھی ہے۔ان میں یہ کوئی نہیں مانتا کہ میں بغداد جا رہا ہوں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ میں چند ادھر اُدھر رہ کر واپس پہنچ جاؤں گا۔اگر یہ وہاں سے گزریں گے تو کم از کم میں ان کو شرمندہ ضرور کر سکوں گا"۔

احمد بن حسن نے کہا۔"اچھا جاؤ! طاہر پرسوں صبح تمہاری بستی میں پہنچ جائے گا۔اب تمہیں یہاں پہرہ دینے کی ضرورت نہیں۔میرے وعدے پر اعتبار کرو!"۔

"آپ کا وعدہ؟""میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے آسمان پر پہنچا دینے کا وعدہ کریں تو بھی یقین کر لوں گا"۔

احمد بن حسن نے زید کو گھوڑا اور سفر کی دیگر ضروریات خریدنے کے لیے ایک معقول رقم دے کر رخصت کیا۔

(۱۰)

احمد بن حسن سے رخصت ہوکر طاہر نے زید کی بستی کا رخ کیا۔زید کی بستی سے باہر درختوں کے سائے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔اس کے ارد گرد بستی کے

چند بچے جمع تھے۔ایک گھوڑا درخت سے بندھا ہوا تھا اور زید جنگ کے تمام ضروری اور غیر ضروری سامان سے لیس تھا۔اس کا فربہ جسم تنگ زرہ میں بہت بری طرح کسا ہوا تھا اور خون کے دباؤ کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔اس کے دونوں ہاتھوں کو مصروف رکھنے کے لیے نیزہ اور ڈھال کافی تھے۔ پیٹھ پر اس نے دو ترکش باندھ رکھے تھے۔کمر میں ایک تلوار اور دو خنجر لٹک رہے تھے۔کمان کمند اور خوراک کا تھیلا اس نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔

زید نے طاہر کو دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔"آپ نے بہت انتظار کروایا۔لوگ آپ کا انتظار کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔"

طاہر نے کہا۔"اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، دیر ہو رہی ہے!"

زید گھوڑے پر سوار ہو کر ایک لڑکے سے مخاطب ہوا۔"ابراہیم!تمہارا باپ میرا سب سے زیادہ مذاق اڑایا کرتا ہے، جاؤ! اسے کہو۔میں طاہر کے ساتھ بغداد جا رہا ہوں۔اگر یقین نہیں آتا تو آ کر دیکھ لے اور سلیمان!تم بھی اپنی دادی سے کہو، وہ بھی آج صبح کہہ رہی تھی کہ میں بے وقوف ہوں۔مجھے کون بغداد لے جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ طاہر کی طرف متوجہ ہوا۔"اصل میں ان لوگوں کا بھی قصور نہیں۔میں کئی مرتبہ بغداد جاتے جاتے رہ گیا ہوں۔"

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اب چلو دھوپ تیز ہو رہی ہے۔جب تم بغداد پہنچ کر بستی والوں کو خط لکھو گے تو انھیں یقین ہو جائے گا"۔

طاہر اور زید نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔بستی سے کچھ دور جا کر طاہر نے مڑ کر دیکھا زید کا چہرہ پہلے کی نسبت زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔اس نے گھوڑے کی کی باگ کھینچتے ہوئے کہا۔"زید تمہاری زرہ تنگ ہے؟"

زید نے جواب دیا ”زرہ تنگ نہیں، میں کچھ زیادہ موٹا ہو گیا ہوں۔ یہ زرہ میں نے دو سال قبل بغداد جانے کے ارادے سے تیس بکریوں کے عوض خریدی تھی“۔

طاہر نے کہا ”یہ تمہیں زیادہ تکلیف تو نہیں دیتی؟“

زید نے اپنا چہرہ شگفتہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”نہیں میرا جسم اتنا نازک نہیں“۔

لیکن دو تین کوس چلنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ”طاہر! میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی ہیں“۔

طاہر نے جواب دیا ”اتنی جلدی تھک گئے۔ چلو آگے جا کر تھوڑی دیر ستالیں گے۔“

”طاہر! زید نے تھوڑی دیر بعد کہا ”میرا جسم گھٹ رہا ہے!“

طاہر نے حد نگاہ پر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”چلو اس نخلستان میں اتریں گے، وہاں پانی بھی ہے دوپہر وہیں گزاریں گے“۔

زید کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے تیسری بار گھوڑا روکا اور چلا کر کہا ”طاہر ٹھہرو! میں قریب المرگ ہوں“ اور وہ طاہر کے جواب کا انتظار کیے بغیر گھوڑے سے کود کر تپتی ہوئی ریت پر بیٹھ گیا۔

طاہر نے ہنستے ہوئے کہا ”تم تو کہتے تھے کہ تمہارا جسم اتنا نازک نہیں“۔

زید نے دانت پیس پیس کر زرہ کو اتارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ یہ نہیں اترتی۔ خدا کے لیے میری مدد کرو! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں بچھو مجھے ڈنگ مار رہے ہیں۔“

طاہر نے گھوڑے سے اتر کر بڑی مشکل سے اس کی زرہ اتاری۔ زید نے کہا۔

''خدا تمہیں جزا دے۔ مجھے امید نہ تھی کہ یہ اترے گی۔ آج صبح تین آدمیوں نے اسے بڑی مشکل سے میرے جسم پر کسا تھا''۔

طاہر نے کہا۔ ''زرہ اچھی ہے لیکن تمہیں ذرا تنگ ہے''۔

زید نے کہا۔ ''ذرا تنگ ہے؟ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ایک بے وقوف ہاتھی نے چوہے کے پنجرے میں گھسنے کی سزا پائی ہے۔''

طاہر نے کہا۔ ''اچھا اسے اٹھا لو۔ میں بغداد پہنچ کر تمہیں بہت اچھی زرہ لے لوں گا۔ یہ کسی اور کو دے دیں گے۔''

زید نے دونوں ہاتھوں سے ریت کا گڑھا کھودتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے یہیں دفن کرتا ہوں، میں سمجھوں گا کہ میری تین بکریاں بیماری سے مر گئیں اور نئی زرہ کی مجھے قطعاً خواہش نہیں۔ میں اس آہنی شکنجے میں پھنس کر دم توڑنے کی بجائے ننگے سینے پر تیر کھا لوں گا''۔

زید زرہ کے لیے قبر کھود چکا تھا۔ لیکن طاہر کے سمجھانے پر وہ اسے اپنے گھوڑے کے توبرے میں ڈال کر ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گیا۔

حصہ اول ـ ـ ـ ـ بغداد

گزشتہ پانچ صدیوں میں خلفائے بنو عباس کی پرامن تعمیر نے بغداد کو ایک شاعر کا خواب بنا دیا تھا۔ دریائے دجلہ اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا اور دونوں کناروں کی آبادیوں میں سڑکوں اور نہروں کے جال بچھائے ہوئے تھے۔ بغداد کے محلات اور مکانات گزشتہ پانچ سو برس کے فن تعمیر کے ارتقا کی داستان بیان کرتے تھے۔ دنیا بھر کے بہترین باغبانوں نے اس کی مٹی میں جنت کے حسین ترین تصورات زندہ کر دیئے تھے۔ بیس لاکھ انسانوں کی یہ بستی خوبصورتی دلفریبی اور رعنائی کے لحاظ سے دنیا کا بہترین شہر تھی۔

لیکن بغداد کی تعمیر کے ساتھ ہی بغداد کے باشندوں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اسلام کا وہ تمدن جس نے صحرائے عرب کی تند و تیز لیکن صحت بخش ہواؤں میں پرورش پائی تھی، اب اس عجمی گہوارے میں سو رہا تھا۔ دربار خلافت میں عربوں کا وہ اثر و رسوخ جو خلیفہ مامون کے زمانے سے کم ہونا شروع ہو چکا تھا، اب قریباً ناپید ہو چکا تھا۔ تاہم حکومت کے ایوانوں سے باہر بغداد کے علمی مراکز میں عربوں کی اہمیت کسی طرح کم نہ ہو سکی۔ انھوں نے ہیئت۔ ریاضیات۔ تاریخ جغرافیہ۔ کیمیا۔ طب۔ جراحت۔ طبیعات کے علوم و فنون میں نام پیدا کیا۔ گرامر۔ ادب اور لسانیات پر کتابیں لکھی لیکن بغداد کے قانع اور آرام پسند باشندوں نے ان علوم کو اپنی تعمیر نو کا ذریعہ بنانے کی بجائے دماغی عیاشی کا بہانہ بنا لیا تھا۔ ایران، ترکستان، شام اور دور دراز ممالک سے فنون لطیفہ کے استاد بغداد پہنچ جاتے اور بغداد کے امراء ان کی سر پرستی کرتے۔

بغداد میں سینکڑوں لائبریریاں کتابوں سے بھری پڑی تھیں۔ ان کتابوں کو

پرکھنے کے لیے بہترین نقاد تھے لیکن پڑھ کر ان پر عمل کرنے والے بہت کم تھے۔ عجمی امراء کی محفلوں میں قرآن اور احادیث کی جگہ شاعری اور موسیقی نے لے لی تھی۔ خلیفہ کے دربار میں بعض اوقات ایک سیدھے سادے عالم دین کی بجائے ایک ہنسانے والے نقال کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی اور براہ راست خدا اور رسول کا حکم سنانے والوں کی بجائے خلیفہ کی ذات بابرکات کو اہم ترین فرائض کی بجا آوری سے مستثنیٰ قرار دینے کے لیے تاویلیں پیش کرنے والوں کو الطاف شاہانہ کا مستحق قرار دیا جاتا تھا۔

شہر کے عین وسط میں قصر خلد کے نام سے ایک شاندار عمارت تھی جس میں عباسی خلفاء رہتے تھے اور اس عمارت کے اردگرد امیروں اور وزیروں کے محلات تھے۔ اونچے طبقے کے علماء کے لیے بھی ان محلات تک پہنچنے کے دروازے کھلے تھے اور یہ اس وقت تک کھلے رہتے تھے جب تک کہ ان کے نظریات خلیفہ کے سیاسی مسلک سے ٹکر نہیں کھاتے تھے۔ قصر خلد سے دور شہر کے ایک سرے پر دریا کے کنارے ایک وسیع قید خانہ تھا اور اس قید خانے کی سب سے زیادہ تنگ و تاریک کوٹھڑیاں ان جلیل القدر علماء اور اکابرین سلطنت کے لیے وقف تھیں جو فتویٰ دیتے وقت عباسی خلفاء کے جذبات کا لحاظ نہ کرتے تھے، یا جو انھیں اسلام کی کسوٹی پر پرکھنے کی جرأت کرتے تھے۔

حکومت کی نظر میں صرف وہ مفتیان شرع قابل عزت تھے جو کسی مجرم کے خلاف فیصلہ سنانے سے پہلے اس کا حسب نسب اور دربار خلافت میں اس کا اثر و رسوخ جان لینا ضروری سمجھتے تھے۔ ایک عام آدمی کے لیے قتل کی سزا قتل تھی لیکن خلیفہ اور امراء اس سزا سے مستثنیٰ تھے۔ بعض اوقات سلطنت کے واجب الاحترام

بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے انھیں اپنے دستر خوان پر جمع کرتے اور خلیفہ کے ملازموں کو بعض اوقات کھانے کے برتن سنبھالنے سے پہلے معزز مہمانوں میں سے بعض کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا پڑتا۔ دورِ انحطاط کے عباسی خلفاء اپنے مخالفین کو زہر سے ہلاک کرنے کے فن میں کمال حاصل کر چکے تھے اور ایسے زہر بھی دریافت ہو چکے تھے جن کا اثر کھانے والا چند دن کے بعد محسوس کرتا۔ ہر مہمان دعوت میں شریک ہونے سے پہلے یہ سوچ لیتا کہ اس نے کسی موقع پر خلیفہ کو ناراض تو نہیں کیا۔ زیرِ عتاب لوگ دعوت نامہ موصول ہونے پر ہی سمجھ لیتے کہ ان کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن بعض اوقات چند ہوشیار امراء میں اتفاق ہو جاتا تو خلیفہ کے لیے اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتا۔ اقتدار کی جنگ میں اگر خلیفہ مات کھاتا تو اسے ایرانی اور ترک امراء کے ہاتھ کا کھلونا بننا پڑتا اور اگر امراء مغلوب ہوتے تو وہ اس کے آلہ کار بننے پر مجبور ہو جاتے۔

آخری دور میں عباسی خلفاء کو شعر و شاعری اور فنون لطیفہ سے جس قدر لگاؤ تھا، اسی قدر وہ مذہبی تعلیم سے بیگانہ تھے۔ مذہبی امور کی قیادت کے لیے ایک مرنجان مرنج عالم کو شیخ الاسلام بنا دیا جاتا تھا اور سیاسی امور خلیفہ اپنے ہاتھ میں رکھتا۔ سیاست اور مذہب کی یہ تقسیم اسلام کے لیے سب سے بڑا فتنہ تھی۔ شیخ الاسلام کا قلم خلیفہ کی تلوار کا مطیع بن چکا تھا۔

عزت اور معقول تنخواہ کے لالچ نے شیخ الاسلام کی مسند کو بیشتر علماء کی منزل مقصود بنا دیا تھا اور اس منزل کی راہ میں دوسروں سے متصادم ہو کر وہ ان کے نظریات باطل قرار دینے اور ان پر کیچڑ اچھالنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ گزشتہ صدیوں میں علمائے حق کے اجتہاد میں فقط خدمت دین کا جذبہ کارفرما رہا۔ انھوں

نے بغداد کے گمنام گوشوں میں بیٹھ کر اسلام کی شاندار خدمات سر انجام دیں لیکن وہ لوگ جن کی پرواز کی آخری منزل سرکاری علماء کی کرسیاں ہوا کرتی تھیں، بعض اوقات ان بزرگوں کی مخالفت کر کے اور بعض اوقات ان کے نام کا سہارا اور ان کے فتووں کی آڑ لے کر اپنی اہمیت بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر شیخ الاسلام کسی امام کے مسلک کا پابند ہوتا تو وہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو زیادہ صحیح قرار دے کر اس کے ساتھیوں کو مناظرے کی دعوت دیتا اور بغداد کے بے فکر لوگ جس دلچسپی کے ساتھ شہر کے چوکوں میں جمع ہو کر راگ سنتے اور نقالوں کے تماشے دیکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ ان علماء کے مناظروں میں دلچسپی لیتے تھے۔

مناظرے کی ابتدا ایک دوسرے کو سمجھنے کی نیک خواہش کے اعلان کے ساتھ ہوتی۔ ایک تقریر کرتا اور دوسرا اطمینان کے ساتھ سنتا۔ پھر وہ بیٹھ جاتا اور صاحب صدر کی اجازت سے مخالف جماعت کا لیڈر اٹھ کر جواب دیتا۔ پھر دونوں کی زبانیں آہستہ آہستہ تیز ہونے لگتیں۔ جب گالیوں تک نوبت پہنچ جاتی تو دونوں اٹھ کھڑے ہو جاتے۔ ایک اپنے مد مقابل کی سات پشتیں گنتا، دوسرا اس کی بیس پشتیں گن ڈالتا۔ ایک، دو تین زبانوں کی منتخب شدہ گالیاں پیش کرتا تو دوسرا چھ سات زبانوں کی چیدہ چیدہ گالیاں سنا دیتا اور پھر دونوں اپنے اپنے گروہ سے ہمدردی رکھنے والے عوام سے مخاطب ہو کر انھیں گالیوں کا مطلب سمجھاتے اور جب عوام کا جوش انتہا کو پہنچ جاتا تو دونوں طرف سے نعرۂ تکبیر بلند ہوتا اور دونوں گروہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے اور آن کی آن میں لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے، آخر پولیس اور فوج کی لاٹھیاں اس کھیل کو ختم کرتیں۔ حکومت نے مناظروں کو تو بند نہ کیا، یہ حکم جاری کر دیا کہ وہاں کوئی آدمی مسلح ہو کر نہ جائے۔ چنانچہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے مناظر

ایک دوسرے کو یقین دلاتے کہ ان کی پارٹی کا کوئی آدمی مسلح نہیں ہے۔ اس پابندی نے لڑائیوں کو کم خطرناک بنانے کے ساتھ مکہ بازی اور کشتی کے فن کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ گتھم گتھا ہو جانے کے بعد ایک دوسرے کی داڑھی نوچنا اور قبا پھاڑنا بغداد کے عوام کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ بن چکا تھا۔ علماء پر ہاتھ اٹھانا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی مناظرین اور صاحب صدر ہجوم میں پھنس کر پٹ جاتے تھے۔

ان مناظروں میں کئی نئے مسائل پیدا ہوئے اور پھر یہ مسائل بغداد کے لیے وقت کا اہم ترین موضوع بنتے گئے۔ ان مناظروں میں شہرت حاصل کرنے والے علماء کو امراء کی مخصوص محفلوں میں بلایا جاتا اور وہاں ان کے درمیان لگاتار کئی کئی دن تک بحث ہوتی رہتی۔ امراء شیخ الاسلام سے کوئی فتویٰ پوچھتے اور پھر اس کے بارے میں نامور مناظرین کی رائے لی جاتی۔ اختلاف کی صورت میں خلیفہ کے سامنے ان کا مناظرہ ہوتا اور خلیفہ کا فیصلہ عام طور پر اس کے حق میں ہوتا جس کی زبان زیادہ تیز ہوتی یا دوران بحث خلیفہ کے علم و فضل کی ثنا خوانی کر کے یہ ثابت کر دیتا کہ اس کے علم اور خلیفہ کے مقاصد میں ٹکر نہ ہو گی۔

ان تمام قباحتوں کے باوجود اگر خلیفہ اور بغداد کے عوام عربوں کا وہ سپاہیانہ شعار جس نے پہلی صدی میں انھیں آدھی دنیا کا حکمران بنا دیا تھا، ترک نہ کرتے تو بغداد اور اس کے ساتھ باقی عالم اسلام کو ایک عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں عربوں نے جس قدر افواج کے ساتھ سندھ، ترکستان اور چین کے ممالک فتح کیے تھے، عباسیوں کے پاس دور انحطاط میں بھی اس سے تین گنا فوج تھی اور وہ عالم اسلام پر کسی بڑی سے بڑی یلغار کو روک سکتے تھے

لیکن اموی اور عباسی خلفاء میں یہ فرق تھا کہ اول الذکر اپنی فوج کا آخری سپاہی تک دور دراز کے محاذوں پر بھیج دیتے تھے اور عباسی خلفاء بغداد کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنی جانوں کی حفاظت کے لیے دو تین لاکھ تلواروں کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ چونکہ اموی خلفا کی افواج دور دراز کی غیر اسلامی سلطنتوں سے برسر پیکار رہیں، اس لیے وہ کسی اندرونی خلفشار میں حصے دار نہ بنیں اور ان کی ہر نئی فتح کی خبر عوام میں مرکز کی اطاعت کا جذبہ بیدار کرتی رہی۔ وہ ایک لڑی میں منسلک ہوتے چلے گئے اور اگر کبھی کوئی بغاوت بھی اٹھی تو افواج نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کے علاوہ اموی خلفاء نے فوج میں مختلف قبائل کے سپاہیوں کی علیحدہ علیحدہ جتھہ بندی نہ ہونے دی۔ ہر قوم، ہر ملک اور ہر قبیلے کا سپاہی ان کی فوج میں مساوی درجہ رکھتا تھا اور اعلیٰ منصب پر فائز ہونے والے ہر آدمی کے لیے ترقی کے راستے کھلے تھے۔ ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا ایک معمولی سپاہی اور اس قبیلے کا ایک عام آدمی اپنی ذہانت اور قابلیت کی بدولت اس فوج کا سپہ سالار بن سکتا تھا۔

لیکن عباسیوں کے اقتدار کے ساتھ عالم اسلام میں جس انتشار و افتراق کی ابتدا ہوئی، وہ عباسی خلفاء کے انحطاط کے ساتھ ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ یہ عظیم الشان سلطنت جس کی بنیاد بنوامیہ کی سطوت کے کھنڈروں پر رکھی گئی تھی، پارہ پارہ ہو گئی۔ مختلف ممالک کے امراء خودمختار سلاطین بن چکے تھے۔ حد یہ تھی کہ اگر عباسی خلفاء بغداد کی مساجد میں اپنے نام کے ساتھ ان سلاطین کے نام کا خطبہ پڑھوانا منظور کرتے تو وہ بھی اپنے ممالک کی مساجد کے خطیبوں کو خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دیتے۔ سلجوقی سلاطین کے اقتدار کے زمانے میں عباسی خلفاء ان کے ہاتھوں کے کھلونے تھے۔

عباسی خلفا نے جن ترک اور ایرانی امیروں کو بغداد میں جمع کر رکھا تھا۔ ان کے قبائل کے سپاہیوں کی قیادت ان کے سپرد کر رکھی تھی ۔ خلیفہ، سپہ سالار یا وزیر اعظم سے سپاہیوں کی اطاعت، اپنے قبیلے کے امیر کی اطاعت کے ساتھ مشروط تھی اور خلفاء کے جاسوس ان امراء پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ اگر کسی سے سازش کا خطرہ ہوتا تو اسے اور اس کے قبیلے کے سپاہیوں کو یا تو کسی باغی سلطان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا یا کسی اور طریقے سے ختم کر دیا جاتا۔

اسی طرح امراء کے جاسوس بھی خلیفہ کے ارادوں سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتے چنانچہ ایک طرف تاریخ اگر ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ایک موقع پر خلیفہ کے دستر خوان سے برتنوں کے ساتھ چند لاشیں بھی اٹھائی گئیں تو دوسری طرف ہمیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ خلیفہ المسلمین ایک دل غسل کے ارادے سے حمام میں داخل ہوئے اور ایک ساعت کے بعد وہاں سے ان کی لاش نکالی گئی۔

ہمارے لیے یہ اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ بغداد کے لوگ عباسی خلفا کو کس حد تک چاہتے تھے لیکن تاریخ ایسے خلفا کے نام بتاتی ہے جنھوں نے یہ محسوس کر کے کہ وگ موت کے بعد ان کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کریں ۔ اپنی قبروں کے ساتھ ساتھ سو سو خالی قبریں بنانے کی وصیت کی تھی تا کہ لوگ آسانی سے ان کی قبر کی تلاش نہ کر سکیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عالم اسلام کی حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں سے واسطہ نہ پڑتا تو دولت عباسیہ کے تنزل کی رفتار شاید اس قدر تیز نہ ہوتی ۔ ملک شاہ سلجوقی کی وفات اور اس کے وزیر اعظم نظام الملک کے قتل کے بعد عالم اسلام میں اس خطرناک تحریک کا سد باب کوئی نہ کر سکا اور حسن بن صباح کے پیرو

گزشتہ صدی میں عالم اسلام کے درخشندہ ستاروں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ وہ باعمل علماء جن سے عالم اسلام کی صحیح راہ نمائی کی توقع ہو سکتی تھی، ایک ایک کر کے قتل کئے جا چکے تھے۔ چنانچہ جب خوارزم اور بغداد پر تاتاریوں کی افواج قہر الٰہی بن کر نازل ہونے والی تھیں، عالم اسلام ایک خطرناک قحط الرجال کا سامنا کر رہا تھا۔

(۲)

بغداد پہنچ کر طاہر بن یوسف نے چار دن قاضی فخر الدین کے ہاں قیام کیا۔ اس دوران وہ بغداد کے چند گلی کوچوں، درس گاہوں اور کتب خانوں سے واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ قاضی فخر الدین کے اپنے کتب خانے میں پانچ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ فقہ، منطق اور تاریخ پر وہ خود کئی کتابیں لکھ چکا تھا۔ یہ کتابیں قاضی فخر الدین کے لیے معقول آمدنی کا ذریعہ تھیں۔ طاہر نے اپنے باپ کے پرانے رفیق محسن کا پتہ معلوم کیا لیکن اسے معلوم ہوا کہ اس کا سارا خاندان مصر جا کر آباد ہو گیا ہے۔

فخر الدین کے مکان میں طاہر اور زید کے گھوڑوں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے اس نے یہ گھوڑے اپنے ایک پڑوسی کے اصطبل میں بھجوا دیئے تھے۔ طاہر نے آتے ہی اپنے لیے ایک علیحدہ مکان کی ضرورت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن فخر الدین چار دن تک ٹالتا رہا۔ پانچویں دن اس نے اپنے شاگردوں سے طاہر کے لیے ایک کرائے کا مکان تلاش کرنے کے لیے کہا۔ ایک یہودی دلال نے اسے دو مکانات دکھانے کے بعد بتایا کہ اگر وہ انھیں خریدنا چاہیں تو بہت سستے مل جائیں گے۔

بغداد کے بعض امراء نے تو ہندوستان، خوارزم، مصر اور اندلس کے سلاطین کی

ملازمتیں اختیار کر لی تھیں اور ان کے عالی شان مکان نہایت ارزاں قیمت پر بک رہے تھے۔ طاہر اور زید نے جتنے مکانات دیکھے، ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے خریدنے کے لیے زید نے بے تابی ظاہر نہ کی ہو لیکن طاہر نے قاضی فخر الدین کا مشورہ لینا ضروری سمجھا اور شام کو جب اس نے مکان خریدنے کے متعلق قاضی کی رائے دریافت کی تو اس نے جواب دیا ''خالی مکانوں کی قیمت بہت گر چکی ہے۔ تم اپنا مستقبل بغداد کے ساتھ وابستہ کر چکے ہو۔ یہاں اعلیٰ طبقے کے لوگ کرائے کے مکانات میں رہنے والے لوگوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ لوگ تمہارے علم و فضل اور سپاہیانہ خوبیوں کا اندازہ لگانے سے پہلے تمہارا مکان دیکھیں گے۔ اگر تمہارے پاس مکان خریدنے کے لیے معقول رقم ہے تو ضرور خرید لو لیکن یہ ضروری ہے کہ مکان خریدنے کے بعد تمہارے پاس دو چار سال کے اخراجات کے لیے کافی رقم ہو۔ صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار تمہیں بغداد کی بڑی سے بڑی شخصیت متعارف کرا دے گی لیکن یہ لوگ قلاش آدمی کے ساتھ زیادہ دیر دوستی نہیں رکھتے۔ بغداد میں جو منصب ذاتی قابلیت نہیں خرید سکتی وہ تحائف خرید سکتے ہیں''۔

طاہر نے اپنی جیب سے تھیلی نکالی اور اسے کھول کر فخر الدین کے سامنے جواہرات ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ان کی قیمت کا علم نہیں۔ کیا آپ انھیں ایک مکان خریدنے اور چند سال کی ضروریات کے لیے کافی سمجھتے ہیں؟''

قاضی ایک لمحہ کے لیے حیران ہو کر جواہرات کی طرف دیکھتا رہا اور بالآخر بولا۔ ''اگر یہ جواہرات نقلی نہیں تو تم قصرِ خلد کے سوا بغداد کی ہر عمارت خرید سکتے ہو لیکن علم و فضل اور دولت کبھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ تم نے یہ کہاں سے لیے؟

طاہر نے جواب دیا۔ یہ بھی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے دیے تھے۔

قاضی فخر الدین نے چند ہیرے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔

تم بغداد کے امیر ترین آدمیوں میں سے ہو۔ تم اپنے لیے ترقی کا کوئی دروازہ بند نہیں پاؤ گے لیکن سنو! تمہارے سوا کسی اور کو تو ان کا علم نہیں؟

صرف چچا احمد کو علم ہے۔

اور زید؟

اس کو میں نے نہیں بتایا لیکن اگر بتا دوں تو وہ قابل اعتماد ہے۔

فخر الدین نے جلدی سے اُٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور واپس آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بیٹا! تمہارے لیے ان جواہرات کو چھپا کر رکھنا بہتر ہوگا!

طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔ کیا بغداد میں چور بھی ہیں؟

قاضی نے جواب دیا۔ بغداد میں چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں لیکن تمہارے ایسے مہتمدن ڈاکوؤں سے خطرہ ہے جن کے ہاتھ چُومے جاتے ہیں۔

آپ کا مطلب۔۔۔۔۔۔؟

میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں لینا چاہتا۔ دربار کے امراء میں سے چند ایسے ہیں جو ایسے قیمتی جواہارت کی ہوس میں اخلاقی قیود کی پروا نہیں کرتے اور جب تک تم اجنبی ہو تمہیں ایسے لوگوں سے باخبر رہنا چاہیے!

کیا وہ مجھ سے زبردستی چھین لیں گے؟

قاضی نے جواب دیا۔ وہ اتنے بیوقوف نہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ زبردستی کرنے والے فوراً منظرِ عام پر آ جاتے ہیں۔

کیا خلیفہ ایسے لوگوں سے باز پرس نہیں کرتا؟

خلیفہ ایسے لوگوں سے باز پرس کرے تو دربار میں اسے بیش قیمت تحائف کون

پیش کرے! اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کی آواز خلیفہ تک پہنچ سکے۔عوام کو ان کا دیدار صرف عید کے موقع پر نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی کافی دور سے بغداد میں تمہارا کوئی اثر ورسوخ نہیں۔امرا تمہارے خلاف کئی سازشیں کر سکتے ہیں۔مثلا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم خوارزم شاہ کے جاسوس ہو اور تم پر مقدمہ چلائے بغیر خلیفہ سے تمہارے قتل کا حکم حاصل کر سکتے ہیں!

کیا ایسے موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار مجھے بے گناہ ثابت نہ کر سکے گی؟

وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حکومتِ مصر نے تمہیں سلطنتِ بغداد کا تختہ اُلٹنے کے لیے بھیجا ہے!

طاہر نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔مجھے دولت سے محبت نہیں، میں بغداد میں ایک بہت بڑا مقصد لے کر آیا ہوں۔ میں دربارِ خلافت میں رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ خلیفہ کا ایک نیک نیت مشیر بن کر حکومت کی خارجہ حکمتِ عملی میں تبدیلی پیدا کر سکوں۔عالمِ اسلام اس وقت مختلف اطراف سے خطرناک آندھیوں کا سامنا کر رہا ہے۔گزشتہ صلیبی جنگوں میں دربارِ خلافت کی بے تعلقی اور غیر جانب داری سے مغرب کے نصرانی حکمرانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے انہیں عبرت ناک شکستیں دے کر شام و فلسطین سے نکالا لیکن ہلال وصلیب کے ان فیصلہ کن معرکوں میں دربارِ خلافت کا طرزِ عمل بہت مایوس کُن تھا۔ شکست کے باوجود اہلِ یورپ پر ان معرکوں نے ثابت کر دیا ہے کہ خلیفہ کو بغداد کے سوا باقی عالمِ اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں اور وہ اہم ترین محاذ پر بھی چند رضا کاروں سے زیادہ نہیں بھیج سکتا۔اس لیے وہ از سر نو منظم ہو کر مصر کی سلطنت کو تاخت و

تاراج کرنا چاہتے ہیں اور یہ سلطنت عیسائیت کے سیلاب کے سامنے عالمِ اسلام کی آخری دیوار ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دیوار تنہا اس طوفان کا رُخ بدل دے لیکن شمال مشرق سے چنگیز خان کی صورت میں ایک نیا طوفان اُٹھ رہا ہے اور اس طوفان کو اگر سلطنتِ خوارزم کی حدود کے پار نہ روکا گیا تو کسی دن یہ بغداد کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ بغداد کی چھاؤنی میں ایک بڑی فوج موجود ہے لیکن بغداد فوج کے سرداروں کی سازشوں کا مرکز صرف اس لیے بنا ہوا ہے کہ ان کے سامنے کوئی مشترکہ محاذ اور بلند نصب العین نہیں۔ ان کی زندگی اس جہاز رانوں کی زندگی نہیں جو نئے ممالک اور نئے راستے تلاش کرنے لے لیے گھر سے نکلتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے حسد و بغض رکھنے کی بجائے انہیں اپنا دست و بازو سمجھ کر ان پر جان چھڑکتے ہیں۔ خطرناک طوفان اور مہیب بھنور ایسے ملاحوں میں انتشار پیدا کرنے کی بجائے ان کے اتحاد و اتفاق کے رشتے اور زیادہ مضبوط کرتے ہیں لیکن بغداد کے لوگ ان مچھیروں کی طرح ہیں جو چھوٹے سے جوہڑ میں مچھلیوں کی تقسیم پر لڑ رہے ہوں۔ جنہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں کہ یہ دنیا ناپید کنار سمندر ہے اور اگر وہ اس سمندر میں اُٹھتی ہوئی موج نہ بن سکے تو سمتِ مخالف سے اُٹھتے ہوئے طوفانوں کی موجیں ان پر چھا جائیں گی۔ انہیں یہ بتانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں، اسی فرض کے احساس نے مجھے بغداد آنے پر آمادہ کیا اور گھر سے رخصت ہونے سے چند دن قبل مجھے یہ علم نہ تھا کہ میری مشکلات کو آسان بنانے کے لیے میرے پاس اس قدر دولت بھی ہے۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے خون اور پسینے کا ہر قطرہ خدمتِ اسلام کے لیے وقف تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی عطا کردہ دولت سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام دوں۔ اس لیے مجھے یہ دولت اپنے لیے سنبھالنے کا اس قدر شوق نہیں جس

قدر اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی خواہش ہے۔ اگر مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس پر کسی امیر کی نگاہ ہے تو میں ان جواہرات کو بغداد کے مفلس اور نادار لوگوں میں لٹا دوں گا۔ کسی زبردست امیر کے خزانے میں جانے نہ دوں گا۔ جو مقاصد میں نے آپ پر ظاہر کیے ہیں، ان کے حصول کے لیے دربارِ خلافت تک میری رسائی ضروری ہے۔ گزشتہ چار دن میں میں نے بغداد کے متعلق جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ عوام اب بھی ایک صحیح نصب العین پر جمع ہو سکتے ہیں صرف امراء کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس مکان کا فرش اور دیواریں سلامت ہیں صرف چھت میں شگاف پڑے ہوئے ہیں اور چھت تک پہنچنے کے لیے آپ کی رہنمائی ضروری سمجھتا ہوں۔

قاضی فخر الدین نے کہا۔ خدا تمہارے نیک ارادے پورے کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں تمہاری پہلی ضرورت ایک عالی شان مکان ہے۔ تمہارے اصطبل میں بہترین گھوڑے ہونے چاہیں۔ اگر تم بغداد کے میدان میں چوگان اور نیزہ بازی میں مقام پیدا کر سکے تو بہت جلد امراء کی نظروں میں آجاؤ گے اور اس کے بعد ان میں سے ایک دو قیمتی ہیروں کا تحفہ تمہیں دربارِ خلافت تک پہنچا دے گا۔ اس کے بعد تم اپنے علم کا لوہا منوا سکو گے اور اگر خدا کو بغداد کا مستقبل بہتر بنانا مقصود ہوا تو خلیفہ کے معتمد بھی بن سکو گے لیکن سرِ دست اپنے ارادے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ خوارزم شاہ کو خلیفہ اپنا بدترین دشمن سمجھتا ہے اور اس دشمنی کی ذمہ داری اُس پر بھی عائد ہوتی ہے۔

طاہر نے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے بغداد پر چڑھائی کر کے سخت عاقبت نا اندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن خلیفہ نے اگر خوارزم کی سلطنت مٹانے میں چنگیز خان کی حمایت کی تو یہ غلطی ناقابلِ تلافی ہوگی۔

قاضی فخر الدین نے ایک ہیرا اُٹھاتے ہوئے کہا۔ مجھے جواہرات کے متعلق کوئی علم نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ صرف ایک ہیرا تمہارے لیے بغداد میں نہایت اچھا مکان خرید سکے گا۔ ایک آرمینی تاجر کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ چلو اس کے پاس چلیں!

باقی ہیرے اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لو۔ وہ تاجر قابلِ اعتماد ہے لیکن اسے یہ نہ بتانا کہ تمہارے پاس اس قسم کے اور ہیرے بھی ہیں

عصر کی نماز کے بعد طاہر اور قاضی فخر الدین تاجر کے پاس پہنچے۔ اُس نے ہیرا ہاتھ میں لے کر ایک لمحہ دیکھنے کے بعد سوال کیا۔ آپ نے یہ ہیرا کہاں سے لیا ہے؟

طاہر کی بجائے قاضی نے جواب دیا۔ یہ ایک بہت بڑے آدمی کا تحفہ ہے!

تاجر نے کہا۔ میں شاید فوراً اس کی قیمت ادا نہ کر سکوں لیکن اگر آپ منظور کریں تو میں اس کی آدھی قیمت اس وقت اور آدھی کل صبح تک ادا کر دوں گا۔

قاضی نے سوال کیا۔ کیا قیمت ہو گی اس کی؟

تاجر نے ہیرے کو دو تین بار غور سے دیکھا۔ میں اس کے ۵۰ ہزار دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔

پچاس ہزار؟ قاضی نے حیران ہو کر سوال کیا لیکن سوداگر نے اس کی حیرانی کا مطلب اُلٹ سمجھتے ہوئے ہیرے کو پھر غور سے دیکھا اور کہا۔ دیکھیے! آپ میرے دوست ہیں میں ساٹھ ہزار تک دینے کے لیے تیار ہوں۔ اس سے زیادہ اس کی قیمت بغداد میں اور کوئی نہیں دے گا۔

قاضی کو بغداد کے مشہور یہودی جوہری سے زیادہ کی امید تھی لیکن وہ اس ہیرے کو کسی ایسی دکان پر فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں امراء کے جاسوس ہر وقت

موجود رہتے تھے۔اس ایک ہیرے کی قیمت سُن کر اسے احساس ہو گیا تھا کہ طاہر اس کے اندازے سے کہیں زیادہ دولت مند ہے۔ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کہا۔آپ اسے غور سے دیکھیں ۔اس ہیرے کی قیمت ۷۰ ہزار سے کم نہیں ہونی چاہیے! سوداگر نے کچھ دیر جھگڑے کے بعد پہلے دو ہزار کی چھلانگ لگائی اور پھر پانچ پانچ سو کر کے چونسٹھ ہزار تک پہنچا۔بالآخر چونسٹھ ہزار پانچ سو دینار پر فیصلہ ہوا ۔

(۳)

رات کے وقت جب قاضی فخر الدین، طاہر اور اپنے چند مہمانوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھا تو زید موجود نہ تھا۔فخر الدین نے اپنے خادم سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ چوک مامونیہ میں ایک عظیم الشان مناظرہ ہے اور زید مغرب کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھا کر وہاں چلا گیا ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد طاہر اپنے کمرے میں بیٹھا شمع کی روشنی میں کتاب پڑھ رہا تھا۔جوں جوں رات جا رہی تھی، زید کے متعلق اس کی تشویش بڑھ رہی تھی ۔وہ کبھی کبھی اُٹھ کر دروازے سے باہر جھانکتا اور پھر کتاب پڑھنے میں مصروف ہو جاتا ۔ایک شمع ختم ہونے کے بعد اس نے دوسری شمع جلائی اور کُرسی سے اُٹھ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔چند بار اس کے دل میں خیال آیا کہ چوک مامونیہ میں جا کر زید کو تلاش کرے لیکن ہزاروں انسانوں کے انبوہ میں زید کو ڈھونڈ نکالنا ناممکن خیال کرتے ہوئے وہ ارادہ تبدیل کر دیتا۔

آدھی رات کے قریب کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔اس کے بعد طاہر کو قاضی کا ایک خادم دوسرے سرے سے یہ کہتا ہوا سُنائی دیا۔اُٹھو دروازہ کھول شاید زید

آیا ہے۔اور دوسرا خادم یہ کہتا ہوا سنائی دیا۔تم خود کیوں نہیں کھولتے!

ایک لمحے کے بعد طاہر کو دروازہ کھلنے کی آہٹ اور قاضی کے خادم کے قہقہے سنائی دیے۔وہ کہہ رہا تھا حمید اُٹھو ذرا زید کی صورت ملاحظہ کرو! پھر دونوں ہنس رہے تھے۔ایک خادم کہہ رہا تھا۔دیکھا۔ہم نے تمہیں منع کیا تھا۔شکر کرو آنکھ بچ گئی!

طاہر نے جلدی سے کروٹ بدلی اور اپنا چہرہ چادر میں ڈھانپنے کے بعد آنکھ کے لیے تھوڑا سا رستہ بنا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔زید بڑبڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔اس کی قمیض پھٹا ہوا تھا۔دیاں گال اور ناک سوجی ہوئی تھی اور بائیں آنکھ کے نیچے کسی طاقت ور ہاتھ کے مکے کا سیاہ نشان تھا۔زید تھوڑی دیر اپنے بستر پر بیٹھ کر اٹھا اور دیوار کے ساتھ لٹکتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اپنی صورت دیکھنے کے بعد بولا۔دوست! اب میں بھی تمہیں مشکل سے پہچان سکتا ہوں ۔اچھا تماشہ دیکھنے گئے تھے تم! یہ کہتے ہوئے وہ اپنا گال سہلاتا ہوا پھر بستر پر آبیٹھا۔

زید! تم آگئے! طاہر نے اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔زید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی اس نے اپنے چہرے سے چادر اٹھا کر اس کی صورت نہیں دیکھی، فوراً اٹھ کر شمع بجھا دی اور اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے جواب دیا۔ہاں میں آگیا ہوں۔

بہت دیر لگائی تم نے! کیا سیکھا وہاں!

گالیاں! زید نے مغموم آواز میں جواب دیا۔

تمہاری آواز بہت مغموم ہے۔خیر تو ہے؟

زید نے ایک اُداس ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔

طاہر نے کہا۔تمہاری آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ناک میں تکلیف ہے!

زید نے بستر سے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ناک سے زیادہ میری آنکھ میں تکلیف ہے!

طاہر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

زید نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔طاہر! ایک مسلمان پر بلاوجہ ہاتھ اُٹھانا گناہ ہے نا؟

طاہر نے جواب دیا۔کسی شخص پر بھی بلاوجہ ہاتھ اٹھانا گناہ ہے۔

لیکن اگر کوئی بلاوجہ گلے پڑے تو؟

تو ہمیں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کے قانون پر عمل کرنا چاہیے۔لیکن درگزر کرنا زیادہ اچھا ہے۔

میں نے بہت درگزر کی لیکن ناک پر چوٹ کھانے کے بعد انسان کی طبیعت میں سکون نہیں رہتا۔میں نے انہیں باقی مکے تو معاف کر دیے تھے لیکن ناک اور آنکھ کے بارے میں بے اِعتنائی نہ برت سکا۔پھر بھی مجھے شک ہے کہ کوشش کے باوجود میرا کوئی مُکا نشانے پر نہیں پڑا۔میں تمام عمر تیر اندازی اور تلوار چلانا سیکھتا رہا ہوں لیکن یہاں آکر محسوس ہوا ہے کہ بغداد میں رہنے کے لیے مُکہ بازی اور کُشتی لڑنے کا فن سیکھنا بھی ضروری ہے۔

طاہر نے کہا۔معلوم ہوتا ہے کہ تم مناظرے کے اختتامی کاروائی میں پورا حصہ لے کر آئے ہو۔

مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کا اِختتام اس طرح ہوگا لیکن یقین کیجئے کہ ہاتھا پائی کے وقت بالکل الگ تھلگ کھڑا تھا۔اگرچہ مجھے اس موٹے تازے اور بھاری آواز والے مناظر کے مقابلے میں ایک نحیف و لاغر اور نہایت باریک آواز والے عالم

سے ہمدردی ہو چکی تھی۔ پھر بھی میں فساد کے وقت ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن جب دو بزرگ صورت ایک دوسرے کی داڑھی میں ہاتھ ڈالے گالیاں دیتے ہوئے میرے قریب آ گئے تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں ان کے بیچ میں کود پڑا۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کیا لیکن وہ بدستور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے اور میں ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں تین اور نوجوان آ گئے اور وہ ان دو میں سے ایک بوڑھے پر ٹوٹ پڑے۔ میری مداخلت سے اُسے تو بھاگ کر نہر میں کودنے کا موقع مل گیا لیکن وہ تینوں مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں بہتر اچلایا کہ بھائی میں ایک اجنبی ہوں لیکن کسی نے میری نہ سُنی اور میں نے محسوس کیا کہ میں بُری طرح پٹ رہا ہوں اور اس بوڑھے نے جس کو شاید یہ رنج تھا کہ میں اس کے حریف کو بھاگنے کا موقع کیوں دیا ہے، اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میرا گریبان پھاڑ دیا۔ میں نے اپنی ناک اور آنکھ پر چوٹ کھانے سے پہلے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اس کے بعد میرے چند مُکے خالی گئے۔ تاہم ایک آدمی میری چپت کھا کر زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا مکہ کھا کر لیٹ گیا۔ تیسرے نے میرے مکے کو خطرناک سمجھتے ہوئے میرے ساتھ کشتی شروع کر دی۔ اس نے مجھے تین بار زمین پر پٹخ دیا۔ چوتھی بار ہم ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ مجھے ندی میں گرانے کی کوشش میں وہ خود بھی میرے ساتھ گر پڑا۔ خوش قسمتی سے پانی تھوڑا تھا ورنہ میں ڈوب جاتا۔ ندی میں لڑتے ہوئے میں نے اسے دو تین مکے رسید کیے اور اس نے ہار مان لی۔ اب خدا کرے میرے مکے اس کی ناک اور آنکھ پر لگے ہوں۔۔۔۔۔ طاہر! میرے خیال میں یہاں تیراکی سیکھنا بھی ضروری ہے۔ کیا آپ تیرنا جانتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ بہت معمولی۔ لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں ہر صبح دریا میں مشق کیا کروں۔ ایک سپاہی کے لیے ایک اچھا تیراک ہونا بھی ضروری ہے۔

میں بھی سیکھوں گا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد زید نے کہا۔ طاہر! آپ مجھ سے خفا تو نہیں!

کس بات پر؟

میں پوچھے بغیر مناظرہ سننے چلا گیا تھا۔

اگر یہ تجربہ مفید ہو تو میرے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

مُفید ۔۔۔۔۔؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ساری عمر مناظرہ سننے نہیں جاؤں گا۔

لیکن آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔۔

وہ کیا؟

وہ یہ کہ آج اس مناظرے کے چالیسویں رات تھی۔ چالیس دنوں میں ہر گروہ کے مناظر اپنے دعویٰ کو صحیح اور اپنے مد مقابل کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ اس کے باوجود ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ ایسے لوگ ہزار برس میں بھی ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکیں گے۔

لیکن کیوں؟

طاہر نے جواب دیا۔ اس لے کہ مناظر ایک دوسرے کو سمجھنے اور حق بات ماننے کی نیک خواہشات لے کر ایک دوسرے کے سامنے نہیں جاتے۔ ان کا مقصد اپنی قوتِ بیان کا اظہار ہے۔ آئمہ اسلام جن کے نام پر لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ کبھی

ایک دوسرے پر اس طرح کفر کے فتوے نہیں لگاتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام میں اجتہاد کے دروازے کھول کر اس ہر زمان و مکان کے لیے ایک زندہ تحریک بنا دیا جائے اور یہ لوگ انہی کے نام کی آڑ لے کر اسلام میں افتراق و انتشار کا بیج بوتے ہیں!

"لیکن اس کا علاج؟"

"اس کا علاج یہ ہے کہ ان پُرامن لوگوں کے لیے میدانِ عمل تلاش کیا جائے۔ اگر ہمارے سامنے میدانِ عمل ہو تو ان علماء سے جو امن کے زمانے میں مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منظم اور مستحکم کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس زمانے میں بھی مسلمان فتوحات کا شوق لے گھروں سے نکلے۔ ان میں اعتقادات کے بارے میں کبھی سر پھٹول نہ ہوئی۔ کُفر پر اسلام کی فتح کی خواہش ان میں ہمیشہ اتحاد و تنظیم کا جذبہ پیدا کرتی رہی۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب مسلمانوں کی افواج بیک وقت سندھ، ترکستان اور اُندلس میں لڑ رہی تھیں لیکن ہم نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ ان مجاہدین نے کبھی مناظرہ کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو اور آج جب کہ ہمیں افق پر تباہی کا طوفان دکھائی دے رہا ہے، ہمارے علماء گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے اپنے گھر میں پھوٹ ڈال رہے ہیں جس قوم کی تلوار نیام میں چلی جاتی ہے اس کا قلم بھی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

زید نے کہا۔ بازار میں افواہ گرم ہے کہ مغرب کے نصرانی بادشاہ مصر پر ایک زبردست حملے کی تیاری کر رہے ہیں اور شاید چنگیز خان بھی خوارزم پر حملہ کر دے۔ اگر خلیفہ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا تو میں سب سے پہلے ان دو

علماء کے پاس جاؤں گا اور یہ کہوں گا کہ آؤ میں تیغ و کفن باندھ کر میدان میں جا رہا ہوں۔ اسلام کی جس محبت کا مظاہرہ تم چوک مامونیہ میں کیا کرتے ہو۔ ایک دن میدانِ جنگ میں بھی اس کی نمائش ہو جائے! آپ نے مجھے زرہ خرید کر دینے کا وعدہ کیا تھا؟

مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ لیکن تم زرہ پہننے سے سخت نفرت کا اظہار کر چکے ہو۔ اس وقت میرا جسم دُکھ رہا تھا۔ آج میں نے فوج کے چند زرہ پوش سپاہیوں کو دیکھا۔ نئی زرہ جسم پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔

میں تمہیں کل نئی زرہ لے دوں گا۔

اور خود بھی؟

خود بھی لے لوں گا۔

آپ تیرنا بھی سکھائیں گے نا مجھے؟

وہ بھی سکھا دوں گا۔

زید نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ طاہر! میں نے آپ کو ایک بات نہیں بتائی۔

وہ کیا؟ طاہر نے جمائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

جب میں ندی سے باہر نکل کر اس طرف آ رہا تھا۔ مجھے راستے میں وہ بوڑھا دکھائی دیا جس نے میرا قمیض پھاڑ دیا تھا اور میں نے بغیر سوچے سمجھے اس کے منہ پر تھپٹر رسید کر دیا۔

بہت برا کیا تم نے، اگر وہ کبھی ملے تو اس سے معذرت کرنا!

معذرت قبول کرنے والوں سے تو وہ بھی نہیں۔ تاہم مجھے افسوس ضرور ہے۔

اچھا اب سو جاؤ۔

(۴)

تین ماہ کے بعد طاہر کے امراء کی محفلوں میں کافی شہرت اور عزت حاصل کر چکا تھا۔ دریائے دجلہ کے کنارے وہ ایک عالی شان مکان خرید چکا تھا۔ زید کے علاوہ اس کے پاس چار اور خادم اور تین سائیس تھے۔ اس کے اصطبل میں چوگان! اور نیزہ بازی کے لیے گھوڑے تھے۔ قاضی فخر الدین کے مہمان خانہ سے اس عالیشان مکان میں منتقل ہوتے ہی سب سے پہلے جن لوگوں نے اسے اپنی توجہ کا مستحق سمجھا، وہ بغداد کے علماء تھے۔ پہلے ہی دن اس کے پاس وفد کی صورت میں یکے بعد دیگرے علماء کی پانچ ٹولیاں آئیں اور قریباً ہر ٹولی کے لیڈر کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ہمارے فرقے میں شامل ہو جائیں اور طاہر نے ان سب کو یہی جواب دیا۔ اگر آپ مجھے اسلام کی دعوت دینے آئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور اسلام کا صحیح مفہوم سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے وہ مسائل بیان نہ کیجیے جن پر آپ پانچ صدیوں میں متفق نہیں ہو سکے۔ بعض علماء نے اُسے بحث میں گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن طاہر کی چند باتوں نے انہیں یقین دلا دیا کہ اس نوجوان کے پاس صرف چاندی اور سونا ہی نہیں علم کا خزانہ بھی ہے۔

بغداد میں چوگان یا پولو کا رواج اس زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ شاہ سواری کے فن میں کمال بھی ایک عرب نوجوان کی وراثت سمجھی جاتی تھی۔ مدینے میں احمد بن حسن نے طاہر کو فنونِ سپہ گری سکھانے کے لیے بہترین استادوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ چنانچہ سولہ سال کی عمر میں ہی مدینے کے نوجوان تیغ زنی اور نیزہ بازی میں

اس کے کمال کا اعتراف کرتے تھے لیکن بغداد پہنچ کر طاہر کو معلوم ہوا کہ یہاں چوگان کے کھیل کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

شاہی محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس میں فوجی پریڈ، گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی اور چوگان کا مقابلہ ہوتا تھا۔ اس میدن کے ایک طرف وزیر اعظم اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدیداروں کے محلات کی قطار تھی۔ شہر کے وہ معززین جنہیں امرائے سلطنت دعوت دیتے، ان محلات کی بالکونی میں بیٹھ کر پولو اور گھوڑ دوڑ دیکھتے ۔خواتین کے لیے بالائی منزلوں کے دریچوں پر چلمنیں ڈال دی جاتیں۔

اس میدان میں کھیلوں کا انتظام ایک علیحدہ ناظم کے سپرد تھا۔ طاہر نے اس ناظم سے واقفیت پیدا کرنے کی تدبیر سوچنے سے پہلے چوگان کے کھیل میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ شہر میں چوگان کے کھیل کے لیے چند اور میدان بھی تھے۔ طاہر نے ایک میدان میں چوگان کی مشق شروع کر دی اور چند ہفتوں کے بعد شہر میں چوگان کے شائقین کی محفلوں میں ایک ایسے نوجوان کا چرچا ہونے لگا جس کے باپ نے بہادری کے صلے میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کی تھی۔ عوام کی آواز امراء کے کانوں تک پہنچی۔ امراء نے وزیر اعظم کو باخبر کیا اور وزیر اعظم کوتوال کو بلا کر پوچھا کہ ہم ابھی تک اس نوجوان سے متعارف کیوں نہیں ہوئے؟ چنانہ ایک صبح طاہر دریا میں تیرنے کی مشق کر رہا تھا۔ زید بھاگتا ہوا آیا اور کنارے کھڑا ہو کر چلایا۔ آپ جلدی باہر نکلیے شہر کا کوتوال آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

طاہر نے باہر نکل کر کپڑے بدلتے ہوئے پوچھا۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ کوتوال ہے؟

وہ خود یہی کہتا ہے کہ میں کوتوال ہوں۔ اس کے ساتھ چھ مسلح سپاہی ہیں۔ میں

اسے دیوان خانے میں بٹھا آیا ہوں۔ خدا کرے وہ اچھی نیت سے آیا ہو!

طاہر نے کہا۔ کسی کی نیت پر بلاوجہ شک نہیں کیا کرتے۔

(۵)

مکان پر پہنچ کر طاہر کو معلوم ہوا کہ کوتوال وزیر اعظم کی طرف سے ملاقات کی دعوت لے کر آیا ہے۔

میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر طاہر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک قیمتی جبہ زیب تن کیے واپس آیا اور کوتوال کے ساتھ ہولیا۔

بغداد کے وزیر اعظم افتخار الدین سے طاہر کی پہلی ملاقات بہت مختصر تھی۔ افتخار الدین نے اس سے چند سوالات پوچھے۔ تم بغداد میں کب آئے؟ کہاں سے آئے اور کیا مقصد لے کر آئے ہو؟

طاہر نے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ مجھے آئے ہوئے تین مہینے دس دن ہوئے ہیں۔ میں مدینے سے آیا ہوں اور میرا مقصد خدمتِ اسلام ہے۔

بہت نیک مقصد ہے۔ وزیر اعظم نے بے اعتنائی کے ساتھ کہا۔ لیکن یہ مقصد آپ دولتِ عباسیہ کی خدمت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا کسی خُفیہ انجمن کے رُکن بن کر؟ میں نے سنا ہے کہ سُلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کی بدولت بغداد کے عوام آپ کا بہت احترام کرتے ہیں ۔۔۔!

یہ اس مردِ مجاہد کی تلوار کا احترام ہو سکتا ہے۔ میں ابھی اپنے آپ کو کسی عزت کا حق دار نہیں سمجھتا۔ رہا دولتِ عباسیہ کی خدمت کا سوال تو میں عرض کرتا ہوں کہ اگر میرے دل میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں اپنا مستقبل بغداد سے وابستہ نہ کرتا۔ میں دولتِ عباسیہ کی صحیح خدمت، اسلام کی خدمت سمجھتا ہوں۔

صحیح خدمت سے آپ کی مُراد کیا ہے؟

طاہر نے اس سوال پر اچانک محسوس کیا کہ اس جہاندیدہ آدمی سے گفتگو کرتے ہوئے اسے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ بیرونی خطرات کا اندازہ لگاتے ہوئے بغداد کی مدافعانہ قوت کو مضبوط کرنا دولت عباسیہ کی صحیح خدمت سمجھتا ہوں۔

افتخار الدین نے کہا۔ کیا تمہارے خیال میں محمد شاہِ خوارزم کے واپس لوٹ جانے سے بیرونی خطرات ٹل نہیں گئے۔

لیکن چنگیز خان کا خطرہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔

افتخار الدین نے اطمینان سے جواب دیا۔۔ ہمارے لیے نہیں۔ خوارزم کے لیے! کیا آپ تاتاریوں کے طوفان کے مقابلے کے لیے خوارزم کو تنہا چھوڑ دیں گے؟

یہ حالات پر منحصر ہے۔ ابھی تک خوارزم شاہ نے ہم سے معافی نہیں مانگی۔ نہ اعانت طلب کی ہے اور نہ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ چنگیز خان چند تاجروں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے خوارزم پر چڑھ دوڑے گا کیونکہ وہ تاجر زیادہ تر بخارا کے مسلمان تھے۔

لیکن میں نے سُنا ہے کہ سلطنت خوارزم کے ساتھ دولتِ عباسیہ کے سیاسی تعلقات پھر بحال ہوگئے ہیں اور ان کا سفیر یہاں آ پہنچا ہے؟

افتخار الدین نے جلدی سے سوال کیا۔ تم خوارزم کے سفیر سے ملے ہو؟

طاہر کو پھر ایک بار یہ احساس ہوا کہ اس نے تدبر کا ثبوت نہیں دیا۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں۔ مجھے اس سے کیا کام!

افتخار الدین نے کہا۔تمہاری دولت کی جو داستانیں مجھ تک پہنچی ہیں ۔ اگر وہ صحیح ہیں تو تمہیں بغداد میں بہت محتاط ہو کر رہنا چاہیے۔ ہماری حکومت اپنی حکمتِ عملی کے متعلق باہر سے ہر مشورے کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے اور امیر زادے عام طور پر غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کر بیٹھتے ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔آپ اطمینان رکھیے۔میرے پاس جو کچھ ہے، وہ دولتِ عباسیہ کی بہتری کے لیے صرف ہوگا۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو ایک تحفہ پیش کرنے کی جرات کروں؟

افتخار الدین نے جلدی سے سوال کیا۔صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار؟

نہیں ،تلوار شاید آپ کے اسلحہ خانے میں ایک فالتو شے ہو۔یہ کہہ کر طاہر نے اپنی جیب سے سونے کی ایک ڈبیہ نکالی اور کھول کر وزیر اعظم کو پیش کی ۔

افتخار الدین نے ڈبیہ لے کر ایک چمکتا ہوا ہیرا نکالا اور غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں تحائف حاصل کرنے کے شوق سے نہیں بُلایا تھا۔اسے اپنے پاس رکھو۔

طاہر نے کہا۔اگر آپ مجھے شرف باریابی نہ بھی بخشتے تو بھی میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ یہ ہیرا کسی دن آپ کو پیش کروں گا۔آپ اسے قبول فرمائیے!

وزیر اعظم نے ہیرے کی ڈبیا میز پر رکھ دی اور تالی بجائی۔ایک غلام کمرے میں داخل ہوا اور چند قدم جھک کر ادب سے سلام کرنے کے بعد حکم کا انتظار کرنے لگا۔

وزیر اعظم نے کہا۔انہیں ہمارے اصطبل میں لے جاؤ اور جو گھوڑا یہ پسند کریں، اس پر زین ڈال کر ان کے حوالے کر دو۔پھر اس نے طاہر کے ساتھ مصافحہ

کرتے ہوئے کہا۔کل شام تمہاری میرے ہاں دعوت ہے اور میں فیصلہ کروں گا کہ تم سے دولت عباسیہ کی کون سی خدمت لی جا سکتی ہے۔

طاہر وزیر اعظم کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت ہونے کو تھا کہ ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

وزیر اعظم نے کہا۔طاہر! یہ قاسم ہے میرا بیٹا!

طاہر نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

قاسم کوئی بیس بائیس سال کا موٹا تازہ نوجوان تھا۔اس کے چہرے سے امراء کے عام لڑکوں کی طرح آسودگی، بے حسی اور بے فکری مترشح تھی۔آنکھیں یہ ظاہر کرتی تھیں کہ اس میں اپنے عالی نسب ہونے کا احساس حماقت کی حد تک پایا جاتا ہے۔ہونٹوں پر ایک مُسکراہٹ تھی لیکن اس مسکراہٹ سے ملائمت اور سادگی کی بجائے درندگی اور عیاری برستی تھی۔قاسم کے ہاتھ میں ایک ہلکی سی تلوار تھی، جسے تیغ زنی سیکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔اس نے خود بغل میں دبا رکھا تھا اور جسم پر زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا۔

قاسم نے کہا۔میں ۔تیغ زنی کی مشق کے لیے جا رہا تھا کہ آپ کے یہاں آنے کا پتہ چلا۔میں آپ سے زیادہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار دیکھنے کا خواہشمند تھا۔

وزیر اعظم نے فوراً گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کی اور کہا۔قاسم! یہ ہمارے اصطبل سے اپنے لیے ایک گھوڑا پسند کریں گے۔مشہور ہے کہ ایک عرب گھوڑے کے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا۔تم ان کے ساتھ جا کر دیکھو یہ کون سا گھوڑا پسند کرتے ہیں۔

لیکن قاسم نے گھوڑے کے انتخاب کے مسئلہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور پھر طاہر سے مخاطب ہو کر کہا ۔اگر آپ بیچنا چاہیں تو میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار خریدنا چاہتا ہوں ۔ابا جان اس کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرے دیں گے ۔آپ لباس سے ایک عالم معلومہوتے ہیں ۔آپ اسے کیا کریں گے؟

وزیر اعظم نے جھنجھلا کر منہ پھیر لیا اور طاہر نے اپنی پریشانی پر قابو پوتے ہوئے کہا۔ایسی چیز کو بیچنا اس کی تضحیک ہوگی ۔میں کسی معاوضے کے بغیر اسے آپ کی نذر کر دوں گا ۔لیکن ایک شرط پر۔

وہ کیا؟

وہ یہ کہ آپ اپنے آپ کو اس امانت کا مجھ سے بہتر حق دار ثابت کریں!

قاسم نے پر اُمید ہو کر جواب دیا ۔آپ ایک عالم ہیں اور میں ایک سپاہی ہوں ۔تلوار پر آپ سے زیادہ میرا حق مسلم ہے ۔ورنہ آپ آزما کر دیکھ لیجیے!

طاہر نے کہا بہت اچھا ۔اگر آپ تیغ زنی میں مجھے مات دے گئے تو تلوار آپ کی ۔

شمشیر زنی کے فن میں قاسم کی خود اعتمادی غرور کی حد تک پہنچ چکی تھی اور اس کا یہ غرور بلا وجہ نہ تھا ۔وہ دور دراز کے بہترین اُستادانِ فن سے تربیت حاصل کر چکا تھا ۔اس کی زندگی کے دو ہی مشاغل تھے ۔پولو اور تیغ زنی ۔پولو میں چند اور نوجوانوں کو بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ تھا لیکن تیغ زنی میں سب اسکے کمال کے معترف تھے ۔اس لیے جب طاہر نے اسے مقابلے کی دعوت دی تو قاسم نے ایک قہقہ لگایا اور وزیر اعظم نے طاہر کی طرف تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا ۔یہ مقابلہ دلچسپ رہے تھا لیکن میں چاہتا ہوں دوسرے لوگ بھی اس سے لطف اُٹھائیں ۔شاید خلیفہ

المسلمین بھی اس میں دلچسپی لیں ۔ لیکن آج نہیں کل بہتر رہے گا۔ آپ کل صبح آ جائیں ۔ دوپہر اور شام دونوں وقت کا کھانا میرے ہاں کھائیں ۔ قاسم! اب تم انہیں گھوڑے دکھاؤ!

(۶)

وزیر اعظم سے دوبارہ مصافحہ کرنے کے بعد طاہر قاسم کے ساتھ محل سے نیچے اترا۔ محل کے وسیع صحن میں سنگ مرمر کی سڑک کے دونوں طرف صاف شفاف پانی کے تالابوں میں فوارے چھوٹ رہے تھے اور ان تالابوں کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں سبز گھاس کے پلاٹ تھے۔ ایک ڈیوڑھی سے گزرنے کے بعد چند سیڑھیاں اُتر کر یہ سنگِ مرمر کی سڑک ایک دلکش باغ سے گزرتی تھی اور تالابوں کا پانی دو آبشاریں بنانے کے بعد دو تنگ اور تیز رفتار نہروں میں تبدیل ہو جاتا تھا، پھر ان نہروں سے دائیں بائیں کئی اور شاخیں نکل کر باغ کو سیراب کرتی تھیں ۔ وہ میدان جس میں پولو اور گھوڑ دوڑ ہوتی تھی ۔ محل کے اس حصے کے عقب میں تھا اور طاہر اسی طرف محل میں داخل ہوا تھا۔

دوسری ڈیوڑھی پر باغ ختم ہو جاتا تھا اور اس سے باہر ایک وسیع چار دیواری کے اندر وزیر اعظم کے خادموں کے مکانات اور ایک بہت بڑا اصطبل تھا۔ اصطبل میں مختلف نسلوں کے ڈیڑھ سو گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور یہ تمام وزیر اعظم کی ذاتی ملکیت تھے۔ طاہر نے اصطبل کے تین چکر لگائے ۔ کسی گھوڑے کو سرسری طور پر اور کسی کو غور سے دیکھا اور بالآخر ایک گھوڑے کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ میں اسے پسند کرتا ہوں ۔

قاسم نے کہا۔ خُوب ۔ میں آپ کے انتخاب کی داد دیتا ہوں لیکن یہ کبھی کبھی

اُلٹے پاؤں چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اسے ہمارے اصطبل میں آئے ہوئے کل دو مہینے ہوئے ہیں۔ یہ اتنا سرکش ہے کہ میں بھی اسے تربیت نہیں دے سکا۔

ایک حبشی خادم گھوڑے پر زین ڈال کر اصطبل کے صحن میں لے آیا۔ قاسم نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ کل کا وعدہ نہ بھولیے!

طاہر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے میں تلوار اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔

قاسم نے ایک خادم کو اشارے سے بُلا کر کہا۔ یہ گھوڑا ان کے گھر چھوڑ آؤ۔

خادم گھوڑے کی باگ پکڑنے کے لیے آگے بڑھا لیکن اصطبل کے دروازے سے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سُنائی دی اور آن کی آن میں دو گھوڑے صحن میں داخل ہوئے طاہر نے ان گھوڑوں کے سواروں کو دیکھا اور ایک لمحے کے لیے مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ یہ دونوں جوان لڑکیاں تھیں۔ دونوں سفید ریشم کا چست لباس اور موتیوں سے جُڑی ہوئی سفید ٹوپیاں پہنے ہوئے تھیں۔ آنکھوں اور پیشانی کے سوا چہرے کے باقی نقوش پر سیاہ رنگ کے باریک نقاب تھے۔ گھوڑے بہت بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُتریں، خادم نے طاہر کے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر ان کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔ ایک لمحے کے بعد دوسرے خادم بھاگتے ہوئے پہنچ گئے اور اس نے گھوڑے ان کے حوالے کر کے پھر طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

لڑکیاں قاسم کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھیں اور قاسم جلدی سے طاہر کو خدا حافظ کہہ کر ان کے پیچھے چل دیا۔

جب طاہر خادم کے ساتھ اصطبل سے نکل کر محل کی ڈیوڑھی کے سامنے سے گزرا تو دونوں لڑکیاں سیڑھیوں پر کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور قاسم اس کی

طرف اشارہ کر کے انہیں کچھ بتا رہا تھا۔

آخری دروازے سے گزرنے کے بعد طاہر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی اور اسکے ایک ہاتھ دریائے دجلہ اور دوسرے ہاتھ حکام سلطنت کے مکانات کی قطار تھی کوئی پانچ سو قدم کے فاصلے پر دریا کا پل دکھائی دیتا تھا۔

ان لڑکیوں کا نام صفیہ اور سکینہ تھا۔سکینہ قاسم کی بہن تھی اور صفیہ اس کے مرحوم چچا کی لڑکی۔

اصطبل سے نکلنے کے بعد سکینہ نے صفیہ سے کہا۔صفیہ!تم نے اس نوجوان کو دیکھا کتنی سادگی تھی اس کے چہرے پر تمہیں دیکھ کر بدحواس سا ہو گیا تھا۔

میں نے تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔تمہیں دیکھ کر ہوا ہو گا بدحواس!

صفیہ وہ بغداد کے امراء سے بہت مختلف تھا۔ہمیں دیکھ کر فوراً آنکھیں جھکا لی تھیں۔

صفیہ نے جواب دیا۔میں قاسم کے تمام دوستوں کے متعلق ایک ہی رائے رکھتی ہوں۔

لیکن میں اسے قاسم کے ساتھ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

صفیہ نے کہا۔ہاں وہ شکل و صورت سے باعلم آدمی معلوم ہوتا تھا۔قاسم ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا۔

جب یہ لڑکیاں سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھیں قاسم نے انہیں پیچھے سے آواز دے کر ٹھہرالیا۔صفیہ!اس نے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ایک جانور دیکھو گی!

صفیہ نے جواب دیا۔تمہیں دن میں ایک بار دیکھنے کے بعد میرے دل میں کسی نئے جانور کو دیکھنے کی خواہش کیوں پیدا ہونے لگی؟

قاسم نے اپنی تلخی کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں صرف تمہاری نگاہوں میں جانور ہوں لیکن تمہیں ایسا شخص دکھاتا ہوں جسے کل تک بغداد کے تمام لوگ جانور کہیں گے۔ سکینہ! تم نے بھی دیکھا۔ وہ نوجوان جو اصطبل میں میرے قریب کھڑا تھا۔ اس کے باپ نے بہادری کے انعام میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کی تھی اور آج اس نے مجھے دعوت دی ہے کہ اگر تیغ زنی میں اس سے بازی لے جاؤں تو وہ تلوار میری ہوگی۔

اس وقت طاہر ڈیوڑھی کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ قاسم نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ان بدوؤں کی ذہنیت بھی عجیب ہے، چاہے انہوں نے اپنی زندگی میں تلوار کو چھو کر بھی نہ دیکھا ہو۔ اپنے آپ کو اس فن کا استاد ضرور سمجھتے ہیں۔ کل بڑا عجیب تماشا ہوگا۔ ابا جان کی خواہش ہے کہ یہ تماشہ خلیفتہ المسلمین کے سامنے ہو!

صفیہ نے کہا۔ اگر اس کے پاس صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار ہے اور وہ صحیح قسم کا بدو ہے تو مجھے ڈر ہے کہ تم دوسروں کے لیے سامانِ تضحیک نہ بن جاؤ۔ چلو سکینہ چلیں! کل دیکھیں گے اس کے کرتب۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلور حاصل کرلی تو پھر اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگیں گے۔

طاہر کے نئے دوست اور دشمن

اسی رات عشاء کی نماز سے تھوڑی دیر بعد طاہر اپنے دیوان خانے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے مکان کے سامنے چار گھوڑوں کی بگھی رکی۔ ایک خادم نے آ کر اطلاع دی کہ ایک فوجی افسر سپہ سالار کا پیغام لایا ہے۔ طاہر نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندر لے آؤ!

خادم چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک دراز قیامت، قوی ہیکل اور بارُعب آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اور چہرے سے خلوص ذہانت اور شجاعت مترشح تھی۔ طاہر نے اُٹھ کر اُس سے مصافحہ کیا اور اپنے قریب ایک کُرسی پر بٹھالیا۔

نووارد نے کہا۔ میرا نام عبدالعزیز ہے۔ میں آپ سے غائبانہ واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ اس وقت میں سپہ سالار کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں آپ سے ذاتی طور پر بھی ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ سردست میں آپ کو یہ بتادینا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں۔ اور میں آپ کیطرف دوستی کا ہاتھ اس لیے نہیں بڑھانا چاہتا کہ آپ بہت زیادہ امیر ہیں یا آپ کے پاس وہ تلوار ہے جو آپ کے والد نے صلاح الدین ایوبیؒ سے انعام میں حاصل کی تھی بلکہ اس لیے کہ آپ کے دل میں اپنے آپ کو یہاد رباپ کی نشانی کا حق دار ثابت کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ آپ نے قاسم کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ ہاں مجھے معلوم نہ تھا کہ بغداد میں یہ تلوار اس قدر اہمیت اختیار کرلے گی۔ میرے نزدیک اس کا صحیح مصرف یہ نہ تھا کہ ایک امیر زادے کے

اسلحہ خانے کی زینت بن جائے۔اس لیے مجھے مقابلے کی دعوت دیناپڑی۔

عبدالعزیز نے کہا۔جہاں تک تلوار سے کھیلنے کا تعلق ہے، قاسم کو آپ نے محض ایک امیر زادہ سمجھنے میں غلطی کی ہے۔مجھے ذاتی طور پر اس کی صلاحیت کا اعتراف کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن قصرِ خلد کے آس پاس رہنے والے امراء کیلڑکوں سے وہ اپنا لوہا منوا چکا ہے۔اس لیے آپ ذرا محتاط رہیں تو اچھا ہوگا۔اگر آپ ہار گئے تو آپ کو شاید تلوار چھن جانے کا افسوس نہ ہو لیکن بغداد کی فوج میں ایک نہایت غلط قسم کے عہدے دار کا اضافہ ہو جائے گا۔پچھلے دنوں جب علاؤالدین خوارزم شاہ کی افواج بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ہماری افواج نے اسے راستے میں روکنے کی لیے پیش قدمی کی۔وزیراعظم کی کوشش سے خلیفہ نے اس برخودار کو میمنہ کے بیس دستوں کے سالار کا عہدہ دے دیا لیکن تمام راستہ یہ حالت رہی کہ اگر سپہ سالار کے خیمے پر رات کے وقت بیس سپاہی پہرہ دیتے تو یہ دن کے وقت بھی چالیس پہرے داروں کا مطالبہ کرتا۔اپنے ہر افسر کے ساتھ گستاخی سے پیش آتا اور یہ کہتا کہ میرا باپ سلطنتِ عباسیہ کا وزیراعظم ہے۔ہم سب نے محسوس کیا کہ بغداد میں اس نوجوان کو جس قدر کند تلواروں سے مشق کرنے کا شوق تھا۔اسی قدر اب یہ اصلی تلواروں کا مقابلہ کرنے سے گھبرتا ہے۔چنانچہ چوتھی منزل پر اسے دردِ سر شروع ہوا اور پانچویں منزل پر یہ رُخصت لے کر گھر چلا آیا۔اس کی خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج راستے سے لوٹ گئیں اور اسے خلیفہ کے سامنے صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔اب سپہ سالار کو ڈر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار اسے خلیفہ کی نظروں میں کسی نہایت اہم عہدے کا حق دار ثابت نہ کر دے۔میں بھی یہ خدشہ محسوس کرتا ہوں لیکن سپہ سالار کی طرح پریشان نہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ بغداد کی

ترقی کے دن گنے جا چکے ہیں اور بیسیوں نا اہل عہدے داروں میں ایک اور کے اضافے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ میں بغداد میں بہت بڑی اُمیدیں لے کر آیا تھا لیکن ۔۔۔۔!

یہاں تک کہکر عبدالعزیز خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

لیکن کیا ۔۔۔۔۔۔؟ طاہر نے پوچھا۔

عبدالعزیز نے کہا۔ میں مایوس ہو چکا ہوں ۔ میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتا اور اگر آپ اپنے دل میں خدمتِ اسلام کا جذبہ لے کر آئے ہیں تو آپ بھی شاید یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکیں ۔ اس وقت مصر میں ہلال وصلیب کے معرکے پھر گرم ہو گئے ہیں ۔ میں وہاں جانا چاہتا ہوں ۔ وہاں میری ضرورت ہے، وہاں عالمِ اسلام کے ہر مجاہد کی ضرورت ہے، میرے چند اور دوست بھی وہان جانے کے لیے تیار ہیں اور میں آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں لیکن اگر آپ وہان نہ جانا چاہیں تو کم از کم ہمارے لیے تعارفی خط لکھ دیں ۔ مصر میں آپ کی کافی واقفیت ہوگی ۔ تعارفی خط اس لیے نہیں چاہتا کہ وہاں ہماری اہمیت محسوس کی جائے بلکہ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کرتا ہوں کہ بغداد کے ہر آدمی کو وہاں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ اگر میں سپہ سالار کا خط لے کر بھی جاؤں تو بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہمیں جاسوس سمجھا جائے گا۔

طاہر نے کہا ۔ نصرانیوں پر ملک العادل کے پے در پے فتوحات کی خبر آپ سُن چکے ہوں گے ۔ میرے نزدیک فتنہ تاتار، اسلام کے لیے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

عبدالعزیز نے مایوس ہو کر کہا ۔ میں بھی اسے کم خطرناک نہیں سمجھتا ۔ لیکن کاش! وہ شخص جو خوارزم میں ہمارے دفاع کا آخری مورچہ سنبھالے ہوئے ہے،

اس قدر احمق نہ ہوتا۔ اسے محض اپنی قوت کے غلط اندازے نے تمام دنیا سے لڑائی مول لینے پر آمادہ کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف اہلِ بغداد کو بلکہ ہر غیر مُلکی کو خلیفہ کا جاسوس سمجھتا ہے۔ اس نے چنگیز خان کو قوت آزمائی کی دعوت دی ہے لیکن اس قدر خوف ناک طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی اسلامی سلطنت کی اعانت کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خلیفہ ناصر کو بھی یقین ہے کہ چنگیز خان سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہو پھر بغدد پر اپنی طاقت آزمائے گا۔ اس لیے۔۔۔ لیکن یہ باتیں کہنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔۔۔ پھر سہی۔ اب چلیے، سپہ سالار آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے!

طاہر نے کہا۔ آپ خاموش کیوں ہو گئے۔ مجھ پر اعتماد کیجیے۔

عبدالعزیز نے متجسس نگاہوں سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں صرف ایک سپاہی ہوں اور سپاہی کو سیاسی معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

ٹھریے۔ طاہر یہ کہتے ہوئے جلدی سے اٹھا اور دوسرے کمرے سے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار نکال لایا اور عبدالعزیز کے سامنے اس کی دستے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ میرے والد نے خُون کا آخری قطرہ بہا کر یہ انعام حاصل کیا تھا۔ میں اس تلوار پر ہاتھ رکھ کر نیک مقصد میں آپ سے وفاداری کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کے عوض میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں لیتا۔ آپ کے چہرے پر پہلی نگاہ نے مجھے بتا دیا تھا کہ بغداد میں مجھے جس رفیق کی تلاش تھی، اسے قُدرت نے بھیج دیا ہے۔

عبدالعزیز نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور طاہر کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔ شاید میں بھی کسی کی تلاش میں تھا۔ بغداد میں بہت سے لوگ کسی کی تلاش میں ہیں۔ کیا قدرت نے بغداد کی پرسکون زندگی میں تموج پیدا کرنے کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے؟ اس جھیل کا کھڑا پانی ہوا کے کسی تیز جھونکے کا منتظر ہے۔

اس سوئی ہوئی محفل کے لیے صورِ اسرافیل کی ضرورت ہے۔ اگر ہو آپ ہیں تو میں آپ سے آخری دم تک دوستی اور وفا کا عہد کرتا ہوں۔ میں نے گزشتہ رات ایک خواب دیکھا تھا اور اب شاید اس کی تعبیر دیکھ رہا ہوں۔ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ سمندر میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔ کشتی ایک سوراخ کے راستے آہستہ آہستہ پانی جمع ہو رہا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ ڈوب جائے گی۔ ہم زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ اچانک پانی سے ایک چٹان نمودار ہوئی اور پھیلتی اور بلند ہوتی چلی گئی۔ سرکش موجیں بعض اوقات اس سے ٹکرا کر واپس چلی جائیں اور بعض اوقات اسے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آغوش میں چھپا لیتیں۔ ہم میں سے ایک نوجوان نے کشتی کی پتوار سنبھالتے ہوئے کہا۔ یہ چٹان ہمارا آخری سہارا ہے۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ چٹان زیادہ دیر ان زبردست موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بعض ملاحوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے ہاتھ سے پتوار چھین لی اور اس نے مایوس ہو کر پانی میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا چٹان پر جا چڑھا۔ میں اور میرے چند ساتھیوں نے اس کی تقلید کی لیکن دوسرے مسافر کشتی کے ساتھ چمٹے رہے۔ ہم چٹان پر پہنچ چکے تھے اور کشتی کو سمندر کی موجیں ایک تنکے کی طرح بہا کر ہم سے دور لے جا رہی تھیں۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ بعض لوگ اس چٹان سے کود کر کشتی کا رُخ کر رہے تھے۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں کشتی کا انجام نہ دیکھ سکا۔

طاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ کیا آپ سلطنتِ خوارزم کو تاتاریوں کے سیلاب کی راہ میں آخری چٹان نہیں سمجھتے؟

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ وہ ہمارے دفاع کی آخری چوکی ضرور بن سکتی تھی لیکن موجودہ حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ علاؤالدین محمد شاہ کی قیادت میں

خوارزم کی افواج تا تاری سیلاب کے سامنے آخری چٹان ثابت ہوں گی، وہ ایک خودغرض، جاہ پسند اور توہم پرست آدمی ہے۔ جب اس نے بغداد پر چڑھائی کی تھی ۔اہلِ بغداد پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اس کی فتح کے امکانات دیکھ کر خلیفہ کی فوج کے بہت سے ترک امراء کے ساتھ جا ملیں گے لیکن راستے میں برف پڑی اور وہ اسے عذابِ الٰہی سمجھ کر واپس چلا گیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ چنگیز خان سے پہلی شکست کے بعد وہ یہ سمجھ کر ہمت ہار دے گا کہ اس کے مقدر کا ستارہ ڈوب چکا ہے اور یہ چٹان ایک بار ڈوب کر دوبارہ اُبھرنے کا نام نہ لے گی۔

طاہر نے کہا۔ تو کیا اس صورت میں بغداد کے لوگوں میں یہ احساس پیدا کرنا ضروری نہیں کہ دفاع کا یہ آخری مورچہ ٹوٹ جانے کے بعد تا تاریوں کا سیلاب ہم سے قریب تر ہو جائے گا۔ کیا مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے خلفیہ اور خوارزم شاہ کے اختلافات مٹانے کی کوشش کرنا ہر دُور اندیش آدمی فرض نہیں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر دولت عباسیہ اور سلطنتِ خوارزم میں اتحاد ہو جائے تو ہم دنیا کے آخری کونے تک چنگیز خان کا تعاقب کر سکتے ہیں۔ میں یہی مقصد لے کر بغداد میں آیا ہوں اور یہی مقصد ہے جو مُجھے امرائے سلطنت اور خلیفہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نہایت بھونڈے اور شرم ناک طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ میں انہیں خواب سے جگانا چاہتا ہوں اور اگر خدانخواستہ مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میری دوسری منزل مصر یا خوازم ہو گی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ تو مجھے خواب میں کشتی سے چٹان کا راستہ دکھانے والا اور کوئی نہ تھا، آپ تھے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میرے چند دوست بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو میں کل رات انہیں اپنے ساتھ

لے آؤں گا۔

طاہر نے کہا۔کل رات میری وزیراعظم کے یہاں دعوت ہے۔پرسوں آپ انہیں یہاں لے آئیں۔

عبدالعزیز نے کہا۔اگر کل رات آپ کی وزیراعظم کے ہاں دعوت ہے تو پرسوں شام یقیناً سپہ سالار آپ کو اپنے ہاں بلائیں گے۔اس کے بعد دوسرے امراء کی باری ہوگی اور پھر شاید خلیفہ بھی آپ کو اپنی نظرِ عنایت کا مستحق سمجھیں لیکن سچ بتائیے آپ نے وزیراعظم پر کیا جادو کیا؟وہ کسی معمولی تحفہ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے ؟

طاہر کے تذبذب پر عبدالعزیز نے کہا۔میں نے یہ سوال صرف اس لیے پوچھتا تھا۔کہ آپ کو ذرا باخبر کردوں۔سپہ سالار براہ راست آپ سے یہ سوال نہ پوچھے لیکن وہ گول مول باتوں سے یہ راز معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا لیکن آپ اسے ٹالنے کی کوشش کریں اور اپنا سب سے قیمتی تحفہ خلیفہ کے لیے رکھ چھوڑیں۔

طاہر نے کہا۔میں وزیراعظم کو ایک ہیرا پیش کیا تھا اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو سپہ سالار کو بھی ایک ہیرا پیش کردوں۔

عبدالعزیز نے کہا۔اچھا ہوا آپ نے پوچھ لیا۔سپہ سالار تحائف سے عُہدے حاصل کرنے والے امیرزادوں سے بہت چڑتا ہے۔وہ تحائف پیش کرنے والوں سے ہمیشہ کے لیے بدظن ہوجاتا ہے۔اب چلیے وہ بہت پریشان ہورہا ہوگا۔

طاہر اور عبدالعزیز ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے مکان سے باہر نکلے اور بگھی پر سوار ہوگئے۔راستے میں عبدالعزیز نے کہا۔آپ کی دعوتوں کا سلسلہ شاید چند دنوں تک ختم نہ ہو۔س لیے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اپنے دوستوں کے

ساتھ پرسوں صبح آجاؤں گا۔ پرسوں جُمعہ ہے اور ہمیں چھٹی ہوگئی۔ نماز کے بعد ہم کشتی پر یا گھوڑوں پر سیر کے لیے جائیں گے۔

تھوڑی دور آگے جا کر طاہر نے سوال کیا۔ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ سپہ سالار نے مجھے شرفِ ملاقات کیوں بخشا ہے؟

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ جو نووارد وزیر اعظم سے ملتا ہے سپہ سالار اس سے ملاقات ضروری سمجھتے ہیں اور آپ سے ملنے کے لیے ان کی بے قراری کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے قاسم کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ قاسم کی شہرت میں ایک نیا اضافہ شاید اس کے لیے فوج میں بلند ترین عہدہ حاصل کرنے کا سبب بن جائے۔ اس لیے وہ آپ سے غالباً یہ کہیں گے کہ برخودار! اگر تم تلوار چلانا نہیں جانتے تو گھوڑوں کا انتظام میں کرتا ہوں۔ تم آج رات ہی بغداد سے روانہ ہو جاؤ، کسی سیاسی موضوع پر ان سے بات نہ کرنا۔ وہ ہر سیاست دان کو بغداد کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک سادہ دل سپاہی ثابت کر کے تم ان کی توجہ اور دلچسپی کے مستحق بن جاؤ گے۔ اگر علاؤالدین محمد شاہ کا ذکر آجائے تو یہ نہ کہہ دینا کہ وہ راستے کی برف باری کو بدشگونی سمجھ کر واپس چلا گیا تھا۔ وہ صرف یہ سن کر خوش ہوتے ہیں کہ خوارزم شاہ پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔ یہ سُننے کے بعد اگر وہ اُٹھ کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھرنے لگیں تو آپ یہ ضرور کہہ دیں کہ خوارزم کی لومڑی کو شیر بغداد کے سامنے آنے کی جرات کیونکر ہو سکتی تھی؟

سپہ سالار کے مکان کے سامنے بگھی رُکی اور طاہر اور عبدالعزیز اندر داخل ہوئے، ایک پہرے دار انہیں اُوپر کی منزل میں لے گیا۔ ملاقات کے کمرے سے

باہر سپہ سالار کا محافظ کھڑا تھا۔اس نے ان دونوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے عبد العزیز سے مخاطب ہو کر کہا۔آپ نے بہت دیر لگائی۔آپ یہیں ٹھہریں۔میں انہیں اندر چھوڑ آؤں۔

(۲)

محافظ طاہر کو اندر چھوڑے نے کے بعد واپس آ کر عبد العزیز کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا تھوڑی دیر بعد ایک حبشی غلام نے باہر آ کر عبد العزیز سے کہا۔سپہ سالار آپ کو بُلاتے ہیں۔

عبد العزیز کمرے میں داخل ہوا۔سپہ سالار نے کہا۔عبد العزیز انہیں ان کے گھر پہنچا آؤ اور دیکھو۔کل علی الصباح ان کے پاس جانا اور یہاں لانے سے پہلے ان کا اچھی طرح امتحان لے لینا۔قاسم کو آج شام میں نے اس کے یونانی اُستاد کے ساتھ مشق کرتے دیکھا ہے۔تمہیں معلوم ہے یہ یونانی کون ہے؟

عبد العزیز نے جواب دیا۔اس کے متعلق میں زیادہ معلومات فراہم نہیں کیں لیکن میں نے سُنا ہے کہ وہ گزشتہ ہفتے اپنے بادشاہ کی طرف سے خلیفہ اور وزیر اعظم کے پاس چند تحائف لایا تھا اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں بہادری دکھا کر شاہِ فرانس سے انعام حاصل کیا تھا اور قاسم نے ایک معقول معاوضے پر اس کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

عمر رسیدہ سپہ سالار نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔اور اب وہ واپس جا کر یہ کہے گا کہ بغداد کے امراء کے لڑکے تیغ زنی سیکھنے کے لیے مغرب کے عیسائی اُستادوں کے محتاج ہیں۔کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُسے یہ بتا سکے کہ مسلمان تلوار کا کھیل سیکھنے کے لیے کسی اُستاد کا محتاج نہیں۔یہ احساس کمتری ہمیں لے

ڈوبے گا!

عبدالعزیز نے کہا۔ اس بارے میں ہمارے جذبات آپ سے مختلف نہیں لیکن کاش وہ شخص محض ایک یونانی ہوتا۔ وہ وزیرِاعظم کے صاحب زادے کا اُستاد ہے۔ ایک عام سپاہی اسے مقابلے کی دعوت کیونکر دے سکتا ہے؟ اگر قاسم کو مقابلے کی دعوت دینے کے لیے بھی ایک امیر زادہ ہونا ضروری نہ ہوتا تو اب تک اپنے متعلق اس کی غلط فہمی دُور ہو چکی ہوتی۔ طاہر کو ایک امیر زادہ فرض کر لیا گیا ہے اور اگر اسے ایک امیر زادہ فرض نہ بھی کیا جاتا تو صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار قاسم کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

سپہ سالار نے کہا۔ لیکن یہ تماشا خلیفہ کے سامنے ہوگا۔ قاسم کے اُستاد کے پاس شاہِ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔ شاگرد نے اگر بازی جیت کر صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کر لی تو کون کہہ سکتا ہے کہ چند سال بعد بغداد کی افواج کی قیادت کیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ مجھے طاہر کے متعلق اطمینان ہے اس شاگرد کے بعد کسی طرح اُستاد بھی میدان میں آجائے تو ممکن ہے کہ یہ کھیل اور بھی دلچسپ بن جائے۔

اُستاد کے بعد شاگرد! نوجوان تم دُور کی سوچنے میں ہمارے وزیرِ خارجہ سے کسی طرح کم نہیں۔ آج سے تمھارا نام اپنے ذہین سالاروں کی فہرست میں درج کرتا ہوں۔ اُستاد کے بعد شاگرد!

عبدالعزیز نے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جی شاگرد کے بعد اُستاد!

ہاں ہاں شاگرد کے بعد اُستاد! سپہ سالار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اگر اس

نوجوان نے ہماری توقعات پوری کیں تو اُن دونوں کی صورت دیکھنے والی ہو گی۔ شاگرد کے بعد اُستاد! عزیز! تم نے بہت دُور کی سوچی۔ اب بہت دیر تک مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آج وزیر اعظم یہ خدشہ ظاہر کر رہے تھے کہ اگر کوئی قصیدہ گو شاعر آ گیا تو خلیفہ اس دلچسپ کھیل کو دیکھنے کے لیے آنے کا وعدہ بھول جائیں گے۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ کل کوئی شاعر اس طرف کو نہ جانے پائے لیکن۔۔۔۔۔ اُس نے اچانک سنجیدہ ہو کر کہا۔ کل صبح اس نوجوان کو اچھی طرح آزما کر دیکھ لینا۔ اب اسے گھر چھوڑ آؤ!

سپہ سالار کے محل سے نکل کر بگھی پر سوار ہوتے ہوئے عبدالعزیز نے طاہر کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے کہا۔ اُستاد کے بعد شاگرد!

طاہر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ تمہارا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ سپہ سالار نے میرے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد میرے بازوؤں کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ برخودار! تمہارے بازو تو کافی مضبوط معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر تم تیغ زنی میں اپنی مہارت کا غلط اندازہ لگانے کے عادی ہو تو میرے بہترین گھوڑے تمہیں گھر پہنچانے کے لیے موجود ہیں۔ قاسم کے یونانی اُستاد کا نام کیا ہے۔

لوکس۔ عبدالعزیز نے جواب دیا۔ لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اُستاد شاگرد سے بہتر ثابت نہیں ہو گا۔

طاہر نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ میں اس سے ذرا پریشان نہیں لیکن کاش! میرا اور اس کا مقابلہ اس قدر دوستانہ فضا میں کند تلواروں سے نہ ہوتا!

عبدالعزیز چاند کی روشنی میں غور سے طاہر کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دلفریب چہرہ جس پر اسے تھوڑی دیر پہلے ایک باعلم آدمی سنجیدگی نظر آتی تھی، اب

سپاہیانہ وقار و جبروت کا آئینہ دار تھا۔

طاہر کے مکان کے سامنے پہنچ کر عبدالعزیز نے کہا۔ اُتریے۔ آپ کا مکان آ گیا۔ لیکن وہ کسی گہرے خیال میں محو تھا۔ عبدالعزیز نے آہستہ سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ کیا سوچ رہے تھے آپ؟ کیا اُس یونانی کو تیغ زنی کا سبق دے رہے تھے؟

طاہر نے چونک کر کہا۔ نہیں نہیں۔ میرے لیے یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ چنگیز خان اس وقت کیا کر رہا ہوگا! ترکستان میں سلطان علاؤالدین کیا کر رہا ہے۔ مصر میں کیا ہو رہا ہے اور ہم بغداد میں کیا کر رہے ہیں۔ ہم زندگی سے کس قدر دُور ہیں؟

طاہر بگھی سے اُترا۔ دروازے کے باہر زید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ طاہر نے کہا ۔زید۔ تم ابھی تک سوئے نہیں؟

زید نے غصے، شکایت اور شفقت کے لہجے میں جواب دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔کہ آپ خالی ہاتھ شیروں کی کچھار میں جائیں اور مجھے نیند آ جائے۔

(۳)

شاہی محل کے سامنے ایک نصف دائرے میں سائبانوں کے نیچے دو قطاروں میں امرائے سلطنت کُرسیوں پر رونق افروز تھے۔ ان کے پیچھے تیسری قطار میں نچلے طبقے کے حکام کھڑے تھے۔ اور درمیان میں ذرا اُونچے پلیٹ فارم پر ولی عہد ظاہر اور اس کے نوجوان بیٹے مستنصر کی کُرسیاں تھیں۔ ظاہر اور مستنصر کے سامنے ایک میز پر سُنہری طشت میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار رکھی ہوئی تھی۔ سائبان اور شاہی محل کے برآمدے کے درمیان میں خالی جگہ پر ایک سُرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔

اور محل کے برآمدوں میں ریشمی پردوں کے پیچھے شاہی خاندان اور امیر گھرانوں کی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔محل کی دوسری منزل کی کشادہ گیلری کے درمیان ایک خوب صورت محراب کے نیچے ایک سُنہری کرسی دکھائی دیتی تھی اور شامیانے کے نیچے بیٹھنے والے تمام امراء کی نگاہیں اس کی کرسی پر لگی ہوئی تھیں۔ولی عہد کے دائیں ہاتھ وزیر اعظم اور شہزادہ مستنصر کے بائیں ہاتھ سپہ سالار کی کُرسیاں تھیں اور دوسرے وزرا فوجی عہدے داروں اور بیرونی ممالک کے سفیروں کو ان کے مراتب کے لحاظ سے بٹھایا گیا تھا۔چنگیز خان کے سفیر کی کرسی وزیر اعظم کے ساتھ تھی اور علاؤ الدین محمد شاہ کا سفیر عماد الملک سپہ سالار کے قریب بیٹھا تھا۔

پہلی قطار کے ایک سرے پر قاسم کی کرسی تھی اور اس کے پیچھے دوسری قطار میں طاہر بیٹھا ہوا تھا۔طاہر کے بائیں ہاتھ تین کُرسیاں چھوڑ کر قاسم کا فرانسیسی اُستاد بیٹھا ہوا تھا اور طاہر کے عین پیچھے تیسری قطار میں عبدالعزیز کھڑا تھا۔

طاہر نے عبدالعزیز کی طرف مڑ کر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔کیا ہمارا مقابلہ اس قالین پر ہوگا؟

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔یہ خالی قالین تو صرف اس لیے ہے کہ آپ کے مقابلہ وزیر اعظم کے صاحب زادے سے ہوگا۔اگر یہ مقابلہ شاہی خاندان کے کسی فرد کے ساتھ ہوتا تو اس پر پھولوں کی سیج بھی بچھائی جاتی۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔کیا چوگان کے لیے بھی میدان میں قالین بچھائے جاتے ہیں؟

عبدالعزیز نے آہستہ سے اس کے کان میں جواب دیا۔نہیں لیکن اگر ہمارے تنزل کی رفتار یہی رہی تو ممکن ہے کہ اس کا بھی رواج ہو جائے۔آپ نے لوکس کو

دیکھا؟ آپ کے بائیں ہاتھ چوتھی کرسی پر!

طاہر نے بائیں طرف دیکھا اور کہا۔ ارے! یہ تو پوری تیاری کر کے آیا ہے؟

عبدالعزیز نے کہا۔ آپ اسے ہر وقت اسی لباس میں دیکھیں گے۔ شاید یہ سوتا بھی اسی لباس میں ہے۔ آپ ہمت کریں۔ شاگرد کے بعد استاد کی باری ضرور آئے گی۔ شاید سپہ سالار شہزادہ مستنصر کے ساتھ اس وقت یہی بات کر رہا ہے۔

طاہر نے سپہ سالار کی طرف دیکھا۔ وہ مستنصر سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہہ رہا تھا۔ قاسم نے طاہر کی طرف مڑ کر دیکھا اور ذرا بلند آواز میں کہا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں یہ کھیل بہت جلد ختم کر دوں گا۔

اس کے جواب میں طاہر کی خاموشی پر لوکس نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا۔ لیکن اتنی جلدی نہ کرنا۔ اگر تم یہ تماشہ فوراً ختم کر دیا تو دیکھنے والوں کو مایوسی ہوگی۔

آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہیں طاہر کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس نے مڑ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔ طاہر کی پیشانی کیوہ رگ جسے عبدالعزیز کی طرف دیکھنے کے بعد طاہر لوکس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ آپ مطمئن رہیں۔ دیکھنے والوں کو مایوسی نہیں ہوگی۔ شاید آپ کو بھی مایوسی نہ ہو۔ جب تک آپ خود اس بات کی خواہش نہیں کریں گے۔ یہ کھیل ختم نہیں ہوگا۔

طاہر کے الفاظ میں ایک غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی اور اپنے استاد کی طرح قاسم بھی اپنے جسم میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

دوسری طرف برآمدے میں ریشمی پردوں کے پیچھے خواتین کے اجتماع میں صفیہ سکینہ سے کہہ رہی تھی۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ قاسم کی زبان اس کی تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

سکینہ نے کہا۔ وہ کوئی دوستانہ بات کر رہے ہوں گے۔

صفیہ نے کہا۔ اگر کوئی دوستانہ بات ہوتی تو سلسلہ ءکلام اس کے جواب پر ختم نہ ہو جاتا۔ قاسم کے منہ سے کوئی سخت بات نکل گئی ہوگئی۔ اس کے یونانی اُستاد نے تائید کی ہوگی اور اب اس کا جواب سُن کر دونوں بھیگی بلیوں کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئے ہیں۔

سکینہ نے کہا۔ میرا بھائی تو ایک شیر کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ تم ہر بات فرض کر لیتی ہو۔ بھلا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ قاسم نے اس سے کوئی سخت بات کی ہے؟ اتنی دور سے نہ کوئی بات تم سُن سکتی ہو اور نہ میں سن سکتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ قاسم کی تلوار تیز ہے یا زبان۔ قاسم اس کی ایسی گت بنائے گا کہ وہ دوبارہ تلوار کو ہاتھ لگانے کا نام نہ لے گا۔

صفیہ نے کہا۔ اور اگر قاسم کی گت بن گئی تو ۔۔۔۔۔۔۔؟

سکینہ نے کہا۔ صفیہ! خدا سے نیک دُعا مانگو۔ تمہیں اس اجنبی کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟

صفیہ نے چونک کر جواب دیا۔ مجھے ایک اجنبی کے ساتھ نہیں۔ اس مُجاہد کے بیٹے کے ساتھ ہمدردی ہے جس نے یروشلم پر مسلمانوں کی فتح کا جھنڈا نصب کر کے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کی تھی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا بھری محفل میں اپنے باپ کی اس مقدس امانت کا نا اہل ثابت ہو اور قاسم اس تلوار حاصل کر کے بھی کیا کرے گا؟

کیا وہ ایک سپاہی نہیں؟

سپاہی؟ سپہ سالار کی لڑکی سے پوچھو وہ کیا سپاہی ہے۔ زیادہ جاننا چاہو تو عبد

الملک کی بیوی سے پوچھو۔ وہ صرف قالین پر کشتی لڑنے والا پہلوان ہے۔ پتھریلی زمین پر چار منازل طے کرنے کے بعد سپہ سالار سے لڑ کر گھر لوٹ آیا تھا۔ خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج واپس چلی گئیں اور اسے باتیں بنانے کے لیے بہانہ مل گیا۔ ورنہ میں نے سُنا ہے کہ وہ رات کے وقت خواب کی حالت میں بھی چلا اُٹھتا تھا کہ ترک آ گئے بھاگو اپنی جانیں بچاؤ! میں سچ کہتی ہوں کہ اگر وہ تمہارا بھائی ہونے کی بجائے ایک عام آدمی کا لڑکا ہوتا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو میدان جنگ سے بھاگنے والے سپاہیوں سے کیا جاتا ہے۔

سکینہ نے کہا۔ یہ سب سپہ سالار کی شرارت ہے۔ اس نے قاسم کو خلیفہ کی نظروں سے گرانے کے لیے ایسی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ لیکن آج اسے بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ بغداد کی افواف کی قیادت سنبھالنے کا حق دار کون ہے؟

صفیہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بالائی منزل سے نقیب نے بلند آواز میں کوئی ایک درجن القاب بول کر خلیفۃ المسلمین کی آمد کی خبر دی۔ شامیانے کے اندر بیٹھنے والے امراء نے اُوپر کی بالکنی کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر تعظیم سے گردنیں جُھکا لیں لیکن طاہر گردن جھکانے کی بجائے دم بخود سا ہو کر سفید ریش خلیفہ کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کے صحیح خد و خال کو بڑھاپے کی جُھریوں نے چھپا رکھا تھا۔ دو حبشی غلاموں نے بوڑھے خلیفہ کو سہارا دے کر سُنہری کرسی پر بٹھا دیا۔ اچانک دریچوں کے پردے گرے اور نقیب نے حاضرین کو بیٹھنے کا حکم دیا۔

(۴)

ایک فوجی افسر ثالث کے فرائض سرانجام دینے کے لیے میدان میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک حبشی غلام سُنہری طشت میں چند تلواریں جو مشق کے لیے استعمال کی

جاتی تھیں اُٹھائے ہوئے آگے بڑھا۔ ثالث کے اشارے پر قاسم اور طاہر اپنی کرسیوں سے اُٹھے اور انہوں نے طشت سے ایک ایک تلوار اُٹھالی۔ قاسم نے اپنے خود کا نقاب چہرے پر سرکا لیا۔ طاہر نے اس کی تقلید کی۔ تماشائیوں پر ایک سکوت طاری تھا۔

تلواروں کی جھنکار آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی اور اس جھنکار کے ساتھ ساتھ تماشائیوں کی زبانیں کھلنے لگیں۔

امراء جو اپنی کرسیوں پر ٹیک لگائے ہوئے آرام سے بیٹھے تھے۔ آہستہ آہستہ آگے کی طرف جھکنے لگے۔ قاسم کے حملوں کی تیزی بڑھ رہی تھی اور طاہر صرف اس کے وار روکنے پر اکتفا کر رہا تھا۔ تماشائی ایک طرف قاسم کی تندہی اور تیزی کے معترف تھے تو دوسری طرف انہیں مدافعانہ جنگ میں طاہر کے کمال کا اعتراف تھا۔ وزیراعظم اپنی کرسی پر اکڑ اکڑ کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو سپہ سالار اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کرسی سے بالشت بھر اونچا ہو رہا تھا۔ قاسم کا استاد لوکس اپنے شاگرد کے پے در پے حملوں کی ناکامی برداشت نہ کر سکا اور فرانسیسی زبان میں کچھ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا لیکن پیچھے سے ایک قوی ہیکل فوجی افسر نے اس کی دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زبردستی دبا کر کرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پھر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ اس کی کرسی کے پیچھے عبدالعزیز پہنچ چکا تھا اور لوکس کو اپنے کندھوں پر نئے ہاتھ کا دباؤ کہیں زیادہ حوصلہ شکن محسوس ہوا۔

دوسری طرف خواتین کے اجتماع میں صفیہ، سکینہ سے کہہ رہی تھی، سکینہ! کیا تمہارے خیال میں بغداد کے مہذب نوجوان نے مدینے کے ایک بدو کو مقابلے کی دعوت دے کر غلطی نہیں کی؟ قاسم کہتا تھا کہ پچاس گننے سے پہلے یہ کھیل ختم ہو جائے

گا اور میں تین سو گن چکی ہوں۔

سکینہ نے صفیہ سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پگلی میں نے اسے کہا تھا کہ ذرا تھوڑا تماشہ ہونے دینا۔ وہ اسے ایک بچے کی طرح کِھلا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ جب بچہ اسے کِھلانا شروع کرے گا تو اس کی حالت قابلِ رحم ہو گی!

سکینہ نے کہا۔ تم دس دن تیغ زنی کی مشق کرنے کے بعد سمجھ بیٹھی ہو کہ تم اس فن کی اُستاد ہو گئی ہو۔ تم کیا جانو مردوں کا کھیل!

صفیہ نے کہا۔ میں اپنے مقابلے میں تمھارے بھائی کی برتری کا اعتراف کرتی ہوں لیکن یہاں اس کا مقابلہ ایک مرد کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ بھی بدو کے ساتھ، جو لڑے بغیر ہار نہیں مانے گا۔ دیکھو! قاسم اب اندھا دُھند وار کر رہا ہے اور وہ ابھی تک روکنے پر اکتفا کر رہا ہے۔

طاہر کے بچاؤ کے لیے پیچھے دیکھ کر سکینہ نے مسرت سے اُچھلتے ہوئے کہا جسے وار کرنا ہی نہ آتا ہو وہ روکنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے؟

صفیہ نے کہا۔ اگر کہو تو پچاس کی گنتی اب پھر شروع کروں؟

سکینہ نے جواب دیا۔ نہیں۔ اب تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لو۔ کہیں میرے بھائی کو تمہاری نظر نہ لگ جائے۔ جب تمہارا یہ بدو تلوار پھینک کر زمین پر لیٹ جائے گا۔ میں تمہیں آنکھیں کھولنے کے لیے کہوں گی۔

صفیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنی باتوں کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اُس نے ابھی تک دُعا نہ کی تھی اور آنکھیں بند کرنے کے بعد جب اس نے دُعا کا ارادہ کیا تو اسکے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا کہ وہ کس کی فتح کے لیے دُعا

کرے؟ قاسم اس کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کے خاندان کی تمام امیدیں اس کے ساتھ وابستہ تھیں اور اس کے علاوہ وہ اسے چاہتا بھی تھا۔ اپنی تمام کمزوریوں اور تمام کوتاہیوں کے باوجود قاسم اسے چاہتا تھا اور جب تک اس کے فوج سے واپس آنے کے بعد اس کی بزدلی کے افسانے مشہور ہوئے تھے، اسے خود بھی اس سے نفرت نہ تھی۔ جب وہ خوارزم شاہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہونے والی فوج کا ساتھ دینے کے لیے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تھا تو صفیہ نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنے دل میں کہا تھا۔ قاسم! خدا تمہیں سلامتی سے واپس لائے اور جب بغداد کے لوگ میدان میں تمہارے بہادرانہ کارناموں کے عوض تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالیں تو میں بھی اپنے باغ کے بہترین پھول تمہارے لیے منتخب کروں اور پھر اگر سکینہ یہ کہے کہ صفیہ تمہیں قاسم پسند ہے؟ تو میں بُرا نہیں مانوں گی۔ لیکن جب قاسم واپس آیا اور اس کی بُزدلی کے افسانوں کے ساتھ اس کی شراب نوشی کے قصے مشہور ہوئے تو اُس نے محسوس کیا کہ وہ اسے ہمیشہ نفرت سے دیکھتی تھی اور اظہارِ محبت کے لیے قاسم کو مجنونانہ حرکتوں نے اس نفرت کی خلیج کو اور وسیع کر دیا تھا لیکن اس وقت قاسم اس کے چچا زاد بھائی کا مقابلہ ایک اجنبی کے ساتھ تھا۔ وہ اجنبی جس کے متعلق وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے اور اس کے پاس صلاح الدین ایوبیؒ کی نشانی ہے۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانے میں اس کے باپ نے بھی ہلال وصلیب کے معرکے میں ایک گمنام سپاہی کی حیثیت میں حصہ لیا تھا، اس لیے اسے اسلام کے اس عظیم الشان مجاہد کے نام سے عقیدت تھی اور اسی عقیدت نے اس کے دل میں اس اجنبی کے لیے مروت کے جذبات پیدا کر دیے تھے لیکن کیا ظاہر سے ہمدردی کے لیے صرف یہی وجہ کافی تھی کہ اس کے پاس صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار

تھی؟ صفیہ بار بار اپنے دل سے یہ سوال پوچھ رہی تھی اور ہر بار اس کا دل یہ گواہی دیتا تھا، نہیں اگر کسی اور نوجوان کے پاس یہ تلوار ہوتی تو شاید تجھے قطعاً متاثر نہ کرسکتا ۔صفیہ! صفیہ!! تو بھی ان نوجوان لڑکیوں میں سے ایک ہے جنھوں نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے اس کی حسین صورت کو اپنے دھڑکتے ہوئے دلوں کی نیک دُعاؤں کا مستحق سمجھ لیا تھا۔

اچانک تماشائیوں کی دبی ہوئی آواز بلند نعروں میں تبدیل ہونے لگیں لیکن صفیہ آنکھیں کھولنے کی بجائے تصور میں یکے بعد دو صورتیں دیکھ رہی تھی ۔ ایک ثانیے کے لیے اس کے سامنے فاتح قاسم کی مغرور صورت اور شکست خوردہ طاہر کی بیکس شکل تھی اور دوسرے لمحے میں وہ طاہر کے سامنے اپنے چچا زاد بھائی کو گردن جھکائے دیکھ رہی تھی۔خون کے رشتے نے جوش مارا اور اس نے جلدی سے دُعا کی ۔یا اللہ! قاسم کی فتح ۔۔لیکن اس کی زبان رُک گئی ۔وہ اجنبی جس نے اس کی زندگی کے سمندر میں پہلی بار ہلکی ہلکی موجیں پیدا کی تھیں۔انتہائی بے بسی کی حالت میں یہ پوچھ رہا تھا۔کیا میرے لیے تمہارا چچا زاد بھائی نہ ہونا ایک گناہ ہے؟

تماشائیوں کی بڑھتی ہوئی لے دے سُن کر صفیہ نے آنکھیں کھولیں۔طاہر کی مدافعت اب جارحانہ حملوں میں تبدیل ہو چکی تھی اور قاسم بدحواس ہو کر اُلٹے پاؤں میدان میں چکر لگا رہا تھا۔قاسم تین بار اُلٹے پاؤں بھاگتے ہوئے گرا لیکن طاہر نے اس کے سینے پر تلوار رکھ کر ہار منوانے کی بجائے ہر بار اسے اٹھنے کا موقع دیا۔ چوتھی بار گر کر قاسم نے اُٹھنے کی بجائے اپنی تلوار پھینک دی۔طاہر نے آگے بڑھ کر اسے اُٹھانے کے لیے ہاتھ کا سہارا دینا چاہا لیکن اس نے طاہر کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹا دیا اور اُٹھ کر ڈگمگاتا ہوا اپنی کُرسی پر جا بیٹھا۔اس نے خود اُتار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

وہ تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے چہرے سے پسینے کی دھاریں چھوٹ رہی تھیں۔ لوکس نے اٹھ کر اسے پسینہ پونچھنے کے لیے اپنا رومال پیش کیا لیکن قاسم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ جب لوکس پریشان ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ عبدالعزیز نے جھک کر اس کے کان میں کہا یہ رومال اپنے لیے رکھیے۔ ابھی لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ آپ کے کرتب بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

لوکس کے لیے ہونٹ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

(۵)

بغداد کے امراء دبی زبان سے طاہر کو داد دے رہے تھے لیکن خوارزم کا سفیر اپنی کرسی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر مصافحے کے لیے طاہر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ نوجوان میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے بہادر سپاہی کے بیٹے سے ہمیں یہی توقع تھی!

طاہر نے خود اتار کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ عمادالملک نے اس کا خود پکڑتے ہوئے اسے اپنا رومال پیش کیا۔ طاہر اس کے ہاتھ سے رومال لے کر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا کہ اوپر سے نقیب نے اعلان کیا کہ خلیفۃ المسلمین جا رہے ہیں۔ حاضرین اُٹھ کر احترام کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ نقیب نے تھوڑی دیر بعد خلیفہ کے تشریف لے جانے کا اعلان کیا اور سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

طاہر، عمادالملک کے ہاتھ سے اپنا خود لے کر پسینہ پونچھتا ہوا اپنی جگہ آ بیٹھا، امرائے سلطنت کی نگاہیں وزیراعظم پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ذہنی کرب کو ایک سیاسی مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا:

"میں خلیفۃ المسلمین، ولی عہد سلطنت شہزادہ مستنصر اور

امرائے بغداد کی طرف سے طاہر بن یوسف کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ تلوار جس کا اس نوجوان نے اپنے آپ کو بہترین حقدار ثابت کیا ہے، دولتِ عباسیہ کی بہترین خدمات سرانجام دے گی۔"

اس تقریر نے حاضرین کی جھجک دور کر دی اور وہ یکے بعد دیگرے اُٹھ کر طاہر سے مصافحہ کرنے لگے۔

سپہ سالار پھر ایک بار مستنصر سے سرگوشی کرنے کے بعد اٹھا اور بلند آواز میں بولا:

"شہزادہ مستنصر باللہ کی خواہش ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کمر میں باندھنے سے پہلے اس کا ایک اور امتحان لیں۔ ہمارے معزز مہمانوں میں سے ایک کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں اس سے بہترین تیغ زن کوئی نہیں۔ اگر طاہر بہت زیادہ تھک نہ گیا ہو تو میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے معزز مہمان کی دعوت قبول کرے، کیونکہ طاہر کے پاس اگر صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار ہے تو ہمارے معزز مہمان لوئس کے پاس شاہِ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔"

لوئس نے یہ سُن کر آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ اپنی کرسی سے اُٹھا اور سر پر خود رکھ کر میدان میں آ کھڑا ہوا۔ طاہر پانی کا پیالہ پی کر مسکراتا ہوا اُٹھا۔ عبدالعزیز نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ مقابلہ جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔ طاہر نے اطمینان سے اپنے سر پر خود رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ میرا

کھیل بہت مختصر ہوگا۔تم فکر نہ کرو۔

حبشی غلام نے آگے بڑھ کر تلواریں پیش کیں۔لوکس نے اپنے لیے ایک تلوار اُٹھانے کی بجائے دو تلواریں اُٹھائیں اور ایک تلوار طاہر کی طرف پھینک دی۔طاہر نے تلوار دبوچ لی اور اس کے وار کا انتظار کرنے لگا۔لوکس طاہر کا طریقِ جنگ دیکھ چکا تھا۔اس نے اس کی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً حملہ کر دیا لیکن بجائے اس کے کہ طاہر اس کا وار اپنی تلوار پر روکتا، اس نے جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کا وار خالی جانے دیا اور جب لوکس کی تلوار کی نوک زمین کے ساتھ لگ چکی تھی، طاہر نے اپنی تلوار پوری طاقت کے ساتھ گھما کر اس کی تلوار کے ساتھ دے ماری۔لوکس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ خالی ہاتھ میدان میں کھڑا لوگوں کے قہقہے سن رہا تھا۔

شہزادہ مستنصر نے ولی عہد ظاہر شاہ کا اشارہ پا کر میز پر سے تلوار اٹھائی اور آگے بڑھ کر طاہر کی کمر کے ساتھ باندھ دی اور طاہر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ہمارے اسلحہ خانے میں اس سے زیادہ خوب صورت، اس سے زیادہ چمک دار اور تیز تلواریں ہیں۔لیکن کاش آپ جیسے چند اور سپاہی بھی ہوتے۔آپ یہاں سے نہ جائیں۔ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔جب تک آپ کو میری ضرورت ہے۔میں یہیں ہوں۔

چلیے ابا جان سے ملیے!

طاہر ولی عہد کی کرسی کے قریب پہنچا۔ولی عہد نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔نوجوان! میرے اصطبل کا بہترین گھوڑا جس پر میں سوار ہونے کی حسرت اب تک پوری نہ کر سکا اور میرے اسلحہ خانے کی بہترین تلوار، جس کے

استعمال سے میرے ہاتھ ناواقف ہیں۔ تمہیں انعام میں دیتا ہوں آج یہ چیزیں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔

یہ کہہ کر وہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوا۔ مُستنصر! مہمانوں کو رُخصت کرنا اب تمہارا کام ہے۔ میں جاتا ہوں میری طبعیت خراب ہے۔

ولی عہد کے چلے جانے کے بعد اہلِ محفل اور زیادہ بے تکلف ہو گئے۔ وہ آگے بڑھ بڑھ کر طاہر سے مصافحہ کر رہے تھے۔ دوسروں کو دیکھا دیکھی چنگیز خان کے سفیر نے بھی طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا لیکن اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے طاہر نے اپنے جسم میں ایک کپکپاہٹ محسوس کی۔

مجلس آہستہ آہستہ برخاست ہونے لگی۔ وزیر اعظم نے رُخصت ہوتے ہوئے طاہر سے کہا۔ بیٹا! میرے ہاں رات دعوت نہ بھولنا!

قاسم ابھی تک کُرسی پر بیٹھا ہوا تھا، وزیر اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کُرسی سے اُٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر محل کی طرف چل دیا۔

سب سے آخر میں طاہر کے گرد سپہ سالار اور دوسرے فوجی افسر رہ گئے۔ سپہ سالار نے عبدالعزیز کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اُستاد کے بعد شاگرد!

عبدالعزیز نے کہا۔ شاگرد کے بعد اُستاد۔

سپہ سالار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ عزیز! تمہیں شکار کا بہت شوق ہے۔ میں کل سے تمہیں اور تمہارے دوستوں کو لیکن آٹھ سے زیادہ نہ ہوں۔ تین دن کی چھٹی دیتا ہوں۔ طاہر کو ساتھ لے جاؤ!

پردے کے پیچھے صفیہ سکینہ سے کہہ رہی تھی۔ سکینہ! دیکھا بدو کو؟ سکینہ خاموش تھی اور جب صفیہ اس کے ساتھ اپنے محل کی طرف جا رہی تھی، وہ تمام راستہ اپنے

دل میں بدّو کا لفظ دہراتی رہی ۔اس کے لیے اس لفظ کے معنی بدل چکے تھے۔

صفیہ

رات کے وقت وزیر اعظم کے دستر خوان کے چند منظورِ امراء موجود تھے۔

قاسم کی عدم موجودگی میں وزیر اعظم نے طاہر سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ قاسم اپنے کسی دوست کے ہاں گیا ہوا ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل پر بہت نادم ہے۔ مجھے توقع ہے کہ کل یا پرسوں وہ خود تمہارے پاس آئے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے بہترین دوست ثابت ہو گے۔

طاہر نے کہا۔ وہ مجھے اپنی دوستی کے قابل پائے گا۔

کھانے کے دوران باقی مہمانوں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وزیر اعظم نے طاہر سے سوال کیا۔ کیا تمہیں سپہ سالار فوج میں کسی اعلیٰ عہدے کی پیش کش نہیں کی؟ میں نے سُنا ہے کہ ولی عہد اور شہزادہ مستنصر نے تمہاری سفارش کی ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ سپہ سالار نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ مجھے ولی عہد اور شہزادہ مستنصر کی سفارش کا علم ہے۔

وزیر اعظم نے غور سے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر تم فوج میں جانا چاہو تو میں خود سپہ سالار سے کہہ سکتا ہوں لیکن فوج کے اعلیٰ عہدوں پر ترک فائز ہیں اور ان کے بعد ایرانیوں کا اقتدار ہے۔ اس لیے عرب افسر کے لیے ترقی کی کوئی گنجائش نہیں ۔

طاہر نے کہا مجھے کسی عہدے کا لالچ نہیں ۔ میں صرف مسلمانوں کی خدمت کے لیے کسی موقع کا متلاشی ہوں۔

وزیر اعظم نے کہا ایک معمولی عہدے دار کے لیے عام طور پر اپنے افسروں کو

خوش رکھنے کا مسئلہ اس قدر اہم ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی خدمت کر ہی نہیں سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری صلاحیتوں سے پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔ تم اس نازک دور میں سلطنتِ عباسہ کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دے سکتے ہو۔

طاہر نے محسوس کیا کہ وزیرِ اعظم قاسم کا باپ ہونے کے باوجود ایک قابلِ قدر انسان ہے اور اس کے متعلق بغداد کے لوگوں نے جو رائے قائم کی تھی وہ رقابت اور حسد کی پیداوار تھی۔ اس نے کہا۔ مجھے آپ سلطنتِ بغداد کے لیے بڑی سے بڑی قُربانی کے لیے آمادہ پائیں گے۔

وزیرِ اعظم نے کہا موجودہ وقت میں بغداد کے خارجی معاملات بہت اُلجھے ہوئے ہیں اور ہمیں دفترِ خارجہ کے لیے نہایت ہوش مند، ذہین اور قابلِ اعتماد آدمیوں کی ضرورت ہے۔

طاہر کو اچانک اپنی منزل کا زینہ دکھائی دیا۔ اس نے کہا۔ اپنی ذہانت اور ہوشمندی کے متعلق مجھے کوئی دعویٰ نہیں لیکن آپ مجھے قابلِ اعتماد ضرور پائیں گے۔

وزیرِ اعظم نے کہا۔ میں کل وزیرِ خارجہ سے بات کروں گا۔ ممکن ہے کہ چند دن تک ایک نہایت اہم مہم تمہارے سُپرد کر دی جائے۔ شاید قاسم بھی تمہارا رفیقِ کار ہو۔ تم خوارزم کے سفیر سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اگر ہو سکے تو اسے یقین دلاؤ کہ تمام ان لوگوں میں سے ہو جو خوارزم پر تاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کریں گے۔

طاہر نے کہا۔ کیا اسے یقین دلانے کی بھی ضرورت ہوگی؟ عالمِ اسلام کا ایک ذلیل ترین فرد بھی خوارزم پر تاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کرے گا لیکن کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ چنگیز خان ضرور ترکستان پر حملہ کرے گا؟

وزیرِاعظم نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ جب تک چنگیز خان کو بغداد کی غیر جانبداری کا یقین نہ ہوگا وہ جرات نہیں کرے گا اور ممکن ہے کہ اگر اس کی افواج نے ترکستان کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تو ہمیں یہ بتانا پڑے کہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود ایک اسلامی سلطنت پر تاتاریوں کی یلغار برداشت نہیں کریں گے۔ تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ چنگیز خان کی افواج خوارزم کی شمال مشرقی سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے ہمیں اسے یہ پیغام بھیجنا پڑے کہ اگر تم نے خوارزم پر حملہ کیا تو بغداد کی افواج خوارزم شاہ کی حمایت کے لیے میدان میں آ جائیں گی لیکن خوارزم شاہ کے عمال کی یہ حالت ہے کہ وہ بغداد سے مملکتِ تاتار میں جانے والے تاجر کو بھی جاسوس سمجھ لیتے ہیں۔ اور ہمارے سفیروں تک کی تلاشی لینے سے باز نہیں آتے اور اب چند دن سے تو وہ بغداد کے کسی ایلچی کو بھی سرحد عبور کر کے چنگیز خان کی مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو خوارزم کے ساتھ ہمارے تعلقات پہلے کی طرح کشیدہ ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ ہم ضرورت کے وقت چنگیز خان کو تنبیہ بھی نہ کر سکیں۔ اس لیے اگر ہم اس نازک وقت پر خوارزم کے سفیر کے ساتھ تمہارے جیسے نوجوان کی دوستی کا فائدہ اُٹھا سکے تو اس میں خوارزم اور بغداد دونوں کی بھلائی ہوگی۔ اسے صلاح الدین ایوبیؒ کی بدولت تمہارے ساتھ بے حد عقیدت ہو چکی ہے۔ اس لیے تم موقع سے فائدہ اُٹھاؤ۔ آج تم نے اسے بہت متاثر کیا تھا اور اس نے سب سے پہلے اُٹھ کر تمہیں داد دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم سلطنت خوارزم کے متعلق اپنے نیک ارادے ظاہر کر کے اسے دوست بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

طاہر نے جواب دیا۔ خوارزم کے متعلق نیک ارادوں کا اظہار میرے دل کی

آواز ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ میں اسے اپنے خلوص سے متاثر کرسکوں گا اور اگر آپ نے چنگیز خان کو تنبیہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے تو میں اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔

وزیر اعظم نے کہا۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ یہ مہم کس کے سپرد کی جائے گی لیکن اگر تم نے خوارزم کے سفیر کا اعتماد حاصل کرلیا تو تمہاری کامیابی کے امکانات بہت روشن ہو جائیں گے کیونکہ خوارزم کی گزرگاہیں ہمارے لیے بند ہونے کی صورت میں ہمارے ایلچی کو مشرق کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہاں جانا پڑے گا اور یہ راستہ وحشی اور لٹیرے قبائل کی موجودگی میں اور بھی خطرناک ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد وزیر اعظم نے طاہر کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔ مجھے امید ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں وہ دوسروں تک نہیں پہنچیں گی۔

طاہر نے کہا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ نہ بھی لیتے تو بھی میں کسی کے ساتھ یہ باتیں نہ کرتا۔ بہر حال آپ کی تسلی کے لیے میں وعدہ کرتا ہوں اور میرا وعدہ ایک سیاستدان کا وعدہ نہیں، ایک سپاہی کا وعدہ سمجھے!

وزیر اعظم کے اشارے سے اس کے محافظ طاہر کو محل سے باہر چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ ہولیا۔ پہلا دروازہ گزرنے کے بعد باغ میں پاؤں رکھتے ہوئے طاہر نے کہا۔ اب آپ جائیے۔ مجھے راستہ معلوم ہے۔

محافظ نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ کو گھر تک پہنچانے کے لیے محل کے دروازے پر بگھی موجود ہے۔

(۲)

طاہر پھولوں کی کیاریوں میں گزرتی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ پھولوں کی مہک سے لبریز ہوا کے جھونکے اس کے دل و دماغ میں ایک تازگی اور سرور پیدا کر رہے تھے۔ یہ دن اس کی زندگی کا مبارک ترین دن تھا۔ وہ صبح سے اب تک اپنے کئی سپنوں کی تعبیر دیکھ چکا تھا۔ تیغ زنی کے مقابلے میں اس کی کامیابی نے اسکے لیے منزل مقصود کی کئی راہیں کھول دی تھیں، ولی عہد کا بہترین گھوڑا اور اس کی تلوار اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ شہزادہ مستنصر کو اس نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ بغداد کے امراء اس کے متعرف ہو چکے تھے۔ تاہم اسے یہ خدشہ تھا کہ اس نے وزیر اعظم کو ناراض کر لیا ہے۔ اس کے متعلق وہ یہ سُن چکا تھا کہ وہ نہایت منتقم المزاج آدمی ہے اور اسکی ایک تدبیر اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر سکتی ہے لیکن دستر خوان پر وزیر اعظم کی خندہ پیشانی اور حسنِ سلوک نے ان خیالات کی تردید کر دی تھی اور اس کی باتوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کا سب سے بڑا دوست اور خیر خواہ ہے۔ بغداد کا یہ جہاں دیدہ سیاست دان جس کی وہ اب تک ہزاروں بُرائیں سُن چکا تھا۔ اب اسے انسانیت کے بہترین وصاف کا پیکرِ مجسم نظر آ رہا تھا۔ طاہر کو قاسم کا خیال آیا اور اس نے اپنے دل میں کہا۔ کاش میں اسے میدان میں اس قدر ذلیل نہ کرتا۔ وزیر اعظم وسیع النظری کے باوجود اس کا باپ ہے اور اسے یقیناً اس بات کا دُکھ ہوگا۔ دستر خوان پر قاسم کو موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے دل میں ابھی تک پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ طاہر کو وزیر اعظم کے یہ الفاظ یاد آئے کہ قاسم کل یا پرسوں تک تمہارے پاس آئے گا۔ طاہر نے پہلی دفعہ قاسم کے لیے اپنے دل میں برادرانہ شفقت محسوس کی۔ اس نے سوچا کہ وہ شاید اپنے باپ کے مجبور کرنے پر اس کے

پاس آئے تاہم اس کے دل میں ایک تکلیف دہ احساس ضرور رہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ میں خود پہل کروں۔ خود اس کے پاس جاؤں اور یہ کہوں۔ قاسم میں تمہارا دوست ہوں۔ بغداد کی بھلائی کے لیے دولتِ عباسیہ کی بھلائی کے لیے ہمیں ایک دوسرے کا دوست بننا چاہیے۔ کاش! میں ابھی گھر جانے سے پہلے قاسم سے مل سکتا۔ اتنی جلدی نہیں۔ مجھے قاسم کا غصہ ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔ کل میں عبدالعزیز کے ساتھ شکار پر جانے سے پہلے اسے ضرور ملوں گا اور لوکس اس کا اُستاد ہے، اس شہر میں اجنبی بھی۔ میں اس کو دلجوئی بھی کروں گا۔

اچانک طاہر نے اپنے ہاتھ پر کسی کی گرفت محسوس کی اور اسے پیچھے سے کوئی یہ کہتا ہوا سنائی دیا۔ ٹھہریے!

طاہر چونک کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے مُڑا۔ اس کے سامنے ایک خواجہ سرا کھڑا تھا۔ خواجہ سرا نے اپنے منہ پر اُنگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور کہا۔ میرے ساتھ آیئے۔

طاہر ایک لمحے کے لیے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا۔ خواجہ سرا نے کہا۔ ڈریے نہیں، میرا پیغام سلامتی کا پیغام ہے۔

سڑک کے دونوں جانب بہنے والی نہروں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سنگِ مرمر کی سلیں پلوں کا کام دے رہی تھیں۔ خواجہ سرا جلدی سے نہر عبور کر کے پھولوں کی کیاری میں کھڑا ہو گیا اور طاہر ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس کے پیچھے ہولیا۔ کسی غیر متوقع خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا۔ پھولوں کی کیاری میں سے گزرنے کے بعد وہ سرا کے پیچھے گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں داخل ہوا۔ یہاں ٹھہریے۔ یہ کہہ کر خواجہ سرا ایک درخت کے پیچھے غائب ہو گیا۔

خواجہ سرا کے غائب ہو جانے کے بعد طاہر نے اچانک یہ محسوس کیا کہ اس نے اپنی راہ سے بھٹکنے میں غلطی کی ہے، اس نے احتیاطاً تلوار نیام سے نکالی اور درختوں کے درمیاں ذرا کھلی جگہ چھوڑ کر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

(۳)

تھوڑی دیر بعد درختوں کے پتوں میں ہلکی ہلکی سرسراہٹ پیدا ہوئی اور ایک نوجوان لڑکی درختوں کے تاریک سائے سے نمودار ہو کر اس جگہ آ کھڑی ہوئی جہاں کچھ دیر پہلے طاہر کھڑا تھا۔ چاند کی روشنی پتوں میں سے چھن چھن کر اسے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ طاہر نے چاند کی کرنوں کو کسی پھول کی سفید پنکھڑیوں میں اس قدر تازگی اور دلفریبی پیدا کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ کون تھی؟ طاہر ایک لمحے کے لیے تصویر حیرت بن کر اس حسین، سادہ اور معصوم چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

نوجوان لڑکی پریشان ہو کر ادھر اُدھر جھانک رہی تھی، بالآخر اس نے ہچکچاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ آپ کہاں ہیں؟

طاہر تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے درخت کی آڑ سے باہر نکلا۔ لڑکی نے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لی اور ایک ثانیہ توقف کے بعد کہا۔ آپ میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ میں آپ کی بھلائی کے لیے آپ سے کچھ کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔

طاہر لڑکی کے الفاظ کے معانی سے زیادہ ان کے ترنم سے متاثر ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پھر تھوڑی دیر رُک کر کہا۔ آپ بغداد میں ایک اجنبی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں آپ کے مخلص دوست بھی ہوں لیکن آپ دوست نما دشمنوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ

پائیں گے اور ممکن ہے کہ جس شخص سے آپ پھولوں کی توقع رکھتے ہوں اس کے ہاتھ میں آپ کے لیے ایک زہر آلود نشتر ہو۔قاسم سے باخبر رہیے۔آپ کے متعلق اس کے ارادے خطرناک ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔کل میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادتی کی تھی ۔وہ یقیناً مجھ سے خفا ہو گا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اپنے متعلق اس کا دل صاف کر لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں، مجھے قاسم سے کوئی خطرہ نہیں۔

لڑکی نے کہا۔بغداد میں آپ جیسے خوش فہم آدمی لے لیے کوئی جگہ نہیں۔آپ اپنے لیے کوئی ایسا گوشہ تلاش کیجیے جہاں حسد، بغض اور عناد کو دلفریب مسکراہٹوں میں نہیں چھپایا جاتا۔ جہاں دل اور زبان کے درمیان ریا کے پردے نہیں۔قاسم کو میں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔آپ کے لیے اس کی دوستی شاید کھلی دُشمنی سے زیادہ خطرناک ثابت ہو گی۔

طاہر نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔نیک دل خاتون!اس محل میں رہنے والوں کو میری بجائے قاسم سے زیادہ دلچسپی ہونی چاہیے۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

لڑکی نے جواب دیا۔آپ کو یہ جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔میں قاسم سے یقیناً قریب تر ہوں لیکن مجھے اُس کا آپ کے ساتھ اُلجھنا پسند نہیں۔

میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟

اس کی وجہ؟ لڑکی نے پریشان ہو کر جواب دیا۔اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں لیکن آپ مجھ پر اعتبار کیجیے۔آپ کی جان خطرے میں ہے۔آپ اپنے لیے بغداد کا کوئی گوشہ محفوظ نہ سمجھے!

آپ میرے متعلق اس قدر پریشان نہ ہوں۔ میرے بازو میری حفاظت کر سکیں گے اور اس کے علاوہ موت سے کبھی نہیں ڈرا۔

لڑکی نے مغموم لہجے میں کہا۔ شاید میرے یہاں آنے کی یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے نہیں ڈرتے اور اپ کو ڈرانا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کو اپنے بازوؤں پر اس قدر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ بہادر کی تلوار پیچھے سے حملہ کرنے والے کا خنجر نہیں روک سکتی۔

طاہر نے کہا۔ میں قاسم کو اس قدر بُزدل نہیں سمجھتا۔

لڑکی نے کہا۔ قاسم بزدل نہیں لیکن انتقام کے جوش میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے

۔

میں اس کا جوش ٹھنڈا کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں آپ کی کامیابی کے لیے دُعا کروں گا۔

میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا لیکن اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

اس سوال کا جواب میں دے چکی ہوں۔ آپ مجھے ایک ایسی مسلمان لڑکی سمجھیے جس کے دل میں اپنی قوم کے بہادر فرزندوں کے لیے عزت ہے۔ آپ کے متعلق میں اتنا جانتی ہوں کہ آپ ایک بہادر باپ کے بیٹے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی، نہ جاننا چاہتی ہوں۔ آپ بھی میرے متعلق زیادہ جاننے کی کوشش نہ کریں۔ زندگی میں ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کی کشتی بھنور کے قریب آ چکی ہے۔ میں نے آپ کی آنکھیں کھولنا ضروری سمجھا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکی ہوں۔ میں جاتی ہوں۔ آپ ذرا ٹھہریے۔ میں خواجہ سرا کو بھیجتی ہوں وہ آپ کو راستے پر چھوڑ آئے گا۔

لڑکی طاہر کو حیران و ششدر چھوڑ کر درختوں میں غائب ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا نمودار ہوا اور طاہر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے آگے چل دیا۔

پھولوں کی کیاری کے قریب پہنچ کر خواجہ سرا نے کہا۔ اب آگے آپ راستہ جانتے ہیں۔ مجھے اجازت دیجیے!

طاہر کے دل میں خواجہ سرا سے اُس لڑکی کے متعلق کچھ پوچھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن زبان نے دل کی تائید نہ کی۔

(۴)

طاہر مختلف خیالات کی کش مکش میں محل سے باہر نکلا۔ دروازے کے سامنے بگھی کھڑی تھی۔ کوچوان نے اسے جھک کر سلام کیا اور وہ کچھ کہے بغیر بگھی پر سوار ہو گیا۔

وہ کون تھی؟ طاہر نے اپنے دل سے بار بار اس سوال کا جواب پوچھ رہا تھا۔ کل اس نے اصطبل کے سامنے دو لڑکیوں کو دیکھا تھا اور وہ غالباً ان میں سے ایک تھی۔ لیکن اس نیاس کے متعلق اس قدر پریشانی کا اظہار کیوں کیا؟ وہ قاسم سے اس قدر بدظن کیوں تھی؟ اچانک طاہر کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس کی پریشانی دُور ہونے لگی۔ وہ لڑکی اسے یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ بغداد میں رہنا اس کے لیے خطرناک ہے اور اپنے اسے دعوے کے ثبوت میں اس نے بغداد کے لوگوں کی نہایت گھناؤنی تصویر پیش کی تھی۔ قاسم کی شرارت نہیں۔ اور یہ شرارت اس لیے تو نہیں کی گئی کہ وہ مرعوب ہو کر بغداد سے چلا جائے؟ آخر وزیر اعظم کے محل میں رہنے والی ایک لڑکی کو جو یقیناً وزیر اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔ اس کے الفاظ میں خلوص تھا۔ اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ وہ تصنع اور فریب سے ناواقف معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک

شہزادہ نظر آتی تھی۔ طاہر کی آنکھوں میں اس کی حسین و جمیل تصویر پھرنے لگی۔ وہ یقیناً وزیر اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتی ہو گی۔ اس کے الفاظ میں خلوص تھا۔ اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ وہ تصنع اور فریب سے ناواقف معلوم ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے قاسم سے کوئی رنجش ہو لیکن وہ بہر حال ایک اجنبی تھا اور اونچے طبقے کے لوگ گھر کے معاملات ایک اجنبی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، پھر اسے کیونکر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے؟ اس نے وہ تمام معلومات کسی مرد سے حاصل کی ہوں گی اور وہ مرد قاسم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ قاسم کسی پردے کی آڑ میں کھڑا ہو کر وزیر اعظم سے اس کی باتیں سن رہا ہو گا اور وزیر اعظم کو اس کی طرف بہت زیادہ مائل دیکھ کر اپنے حریف کو راستے سے ہٹانے کے لیے اس نے یہ سازش کی ہو گی۔ اس لڑکی کو یقیناً اس نے سکھا پڑھا کر اسے بے وقوف بنانے کے لیے بھیجا ہو گا اور اب وہ لڑکی قاسم سے جا کر یہ کہے گی کہ میں نے اسے بہت ڈرایا۔ وہ تمہارے پاس آ کر معذرت کرے گا اور تمہارے سامنے دوزانو ہو کر دوستی کے لیے ہاتھ پھیلائے گا۔

ان خیالات سے طاہر نے دو نتائج اخذ کیے۔ ایک یہ کہ قاسم اپنے باپ کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اپنے گزشتہ طرزِ عمل کی تلافی کے لیے تیار ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ دوستی کی تجدید کے لیے پہل کروں اور اس مقصد کے لیے وہ اس کے دل میں ایک احساسِ مرعوبیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر اس واقعے کے بعد اس نے پہل کی تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس لڑکی کی دھمکیوں کا اثر ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ قاسم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اس کا انتظار کرے۔

اس لڑکی نے قاسم کو جس قدر خطرناک ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اس قدر وہ

اسے سادہ اور بے ضرر نظر آتا تھا۔ اپنے گھر پہنچ کر دل میں قاسم کے لیے وہی جذبات تھے جو ایک بڑا بھائی چھوٹے اور ضدی بھائی کے لیے محسوس کرتا ہے۔ نوجوان لڑکی کے متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ان امیر زادوں میں سے ایک ہی جن کی عمر تصنع اور بناوٹ میں گزر جاتی ہے۔ جو جھوٹ کو سچ بنانا ایک کمال سمجھتی ہیں لیکن رات کو سونے سے پہلے جب وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا ان تمام واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ کیا وہ سادہ اور معصوم لڑکی اس قدر جھوٹ بول سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب سوچتے ہوئے وہ اس ذہنی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا۔ جس میں دل اور دماغ کی مختلف آوازیں انسان کو کسی فیصلے پر نہیں پہنچنے دیتیں۔

(۵)

اگلے دن صبح سے لے کر دوپہر تک قاسم گھر سے غائب رہا اور صفیہ پریشانی کی حالت میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد محل کے خادموں سے اس کے متعلق پوچھتی رہی۔ دوپہر کے وقت اسے معلوم ہوا کہ قاسم آگیا ہے اور اپنے پندرہ بیس دوستوں کے ساتھ محل کے مشرقی کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔

محل کے اس کونے کے برآمدے کا رُخ دریا کی طرف تھا اور سنگِ مرمر کی سیڑھیاں برآمدے کی کُرسی سے شروع ہو کر دریا تک جا پہنچتی تھیں۔ پانی کی سطح سے ذرا اُوپر آخری سیڑھی پر کہیں کہیں لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں۔ اور ان میخوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خوب صورت کشتیاں بندھی ہوئی تھے۔ اس سیڑھی پر کھڑے ہو کر اوپر کی طرف قصرِ خلافت اور سپہ سالار اور دوسرے عہدے داروں کے محلات کے وہ حصے جو دریا کے کنارے تعمیر کئے گئے تھے، دکھائی دیتے تھے اور ہر محل کے سامنے

کشتیوں کی ایک بڑی تعداد نظر آتی تھی۔

صفیہ قاسم کے ارادوں سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ اب جب اس نے یہ سنا کہ وہ اپنے پندرہ بیس دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی تشویش بڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد وہ ایک مضبوط ارادہ لے کر محل کے مشرقی کونے کی طرف چل دی۔ اس کونے پر اوپر کی منزل کے کمروں میں کبھی کبھی صبح یا شام کے وقت خواتین آ کر بیٹھتیں اور دریائے دجلہ کے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔ تیسری منزل پر ایک وسیع بارہ دری تھی۔ دوسری اور تیسری منزل سے دریا کی طرف اُترنے کے لیے پیچ در پیچ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں اور ان کا دروازہ دریا کی طرف کھلنے والے برآمدے کے کونے میں تھا۔

صفیہ تیسری منزل کی گیلری سے گزرتی ہوئی بارہ دری میں پہنچی اور وہاں سے اسے تنگ سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ نچلے کمرے کی چھت سے ذرا نیچے اس سیڑھی کا دروازہ ایک گیلری کا رُخ پائین باغ کی طرف تھا اور قاسم کبھی کبھی خوش گوار موسم میں اس گیلری میں بیٹھ کر اپنے کسی دوست کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتا تھا۔

نیچے اور اوپر سے ان سیڑھیوں کے سوا اس گیلری میں آمد و رفت کو کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ کمرہ جس میں قاسم بیٹھا تھا، اس کے دریچے اس گیلری میں کھلتے تھے۔ صفیہ ایک دریچے کے قریب بیٹھ گئی اور پردے کو تھوڑا سا ایک طرف سرکا کر نیچے جھانکنے لگی

۔

قاسم پندرہ بیس ایسے نوجوانوں میں بیٹھا ہوا تھا جن کے متعلق بغداد کے شریف آدمیوں میں سے کسی کی رائے اچھی نہ تھی۔ صفیہ انہیں اکثر قاسم کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔ ان میں لوکس بھی تھا لیکن آج وہ خلاف عادت بہت سنجیدہ نظر آتا تھا۔

قاسم نے کہا۔ بدنامی کے داغ خون سے دھوئے جاتے ہیں۔ اُس نے مجھے دھوکہ دیا۔ شروع میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ وار کرنا جانتا ہی نہیں اور میں صرف اس خیال سے کہ یہ کھیل جلد ختم نہ ہو جائے۔ نہایت بے پروائی سے اس پر حملے کرتا رہا۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میرے بازو شل ہو جانے کے بعد وہ اس تیزی سے حملہ کرے گا تو میں شروع میں ہی یہ کھیل ختم کر ڈالتا اور لوکس کے ساتھ بھی اس نے دھوکہ کیا۔ لوکس پر اس نے خلاف توقع دھاوا بول دیا۔ خیر اب دیکھا جائے گا!

لوکس نے کہا۔ کم از کم میں اپنے متعلق یہ نہیں کہوں گا کہ اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس کی فتح برتری کا نتیجہ تھی۔ مجھے اگر کسی بات کا افسوس ہے تو وہ یہ کہ ہم نے بہادروں کی طرح ہار مان کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔

لوکس کی زبان سے یہ بات سب کے لیے غیر متوقع تھی اور وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

کمرے میں ایک شخص داخل ہوا اور سب کی نگاہیں لوکس سے ہٹ کر اس کی طرف مبذول ہو گئیں۔

قاسم نے پوچھا۔ کیوں کیا خبر لائے؟

نو وارد نے جواب دیا۔ انہوں نے دریا کے اسی کنارے پر نیچے کی طرف یہاں سے پانچ کوس دور خیمہ لگایا ہے۔ اس وقت وہ شکار کھیل رہے ہیں اور رات کے وقت ۔۔۔۔۔! قاسم نے اس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ رات کے وقت گدھے کی نیند سو رہے ہوں گے۔ اسی کنارے پر اوپر کی طرف یا نیچے؟

نیچے جنگل کے قریب۔

وہ کتنے ہیں؟

کُل آٹھ!

اور کون کون ہیں؟

عبدالعزیز، عبدالملک، مبارک اور افضل، باقی فوجی افسر ہیں۔ان کے نام میں نہیں جانتا۔ہاں شاید ایک طاہر کا نوکر ہے۔

قاسم نے پوچھا۔تمہارے خیال میں ہم گھوڑوں پر جائیں یا کشتیوں میں جانا بہتر رہے گا؟

اس نے جواب دیا۔گھوڑوں پر جانے سے یہ بات راز نہیں رہ سکے گی۔ہم کشتیوں پر راتوں رات واپس آ سکتے ہیں۔

قاسم لوکس کی طرف متوجہ ہوا۔اگر آپ کو ہمارا ساتھ دینا پسند نہ ہو تو آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔میرے خیال میں ایک آدمی سے کوئی خاص کمی نہ ہوگی۔

لوکس نے جواب دیا۔میں ان لوگوں میں سے نہیں جو غلط اور خطرناک راستوں پر دوستوں کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بہادروں کی روایات کی خلاف ہے۔کم از کم سوئے ہوئے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے میری تلوار بے نیام نہ ہوگی۔

قاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔تمہارا خیال ہے کہ ہم اٹھارہ ان آٹھ سوئے ہوئے آدمیوں کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔نہیں۔ہم انہیں جگا کر منہ ہاتھ دھونے اور اچھے طرح مسلح ہو کر سامنے آنے کا موقع دیں گے۔اس کے بعد اگر وہ بھاگ جائیں تو میری خواہش نہیں کہ ہم خواہ مخواہ ان کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ میں انہیں مارنا نہیں چاہتا۔بھگانا چاہتا ہوں۔اپنے ساتھ زیادہ آدمی لے جانے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مرعوب ہو کر بھاگ جائیں۔

لوکس نے کہا۔ اگر وہ مقابلہ کرنے پر اُتر آئے تو؟

قاسم نے جواب دیا۔ تو ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو اپنا مرتبہ نہ پہچاننے والے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آپ مجھ سے شکایت کر رہے تھے کہ عبدالعزیز آپ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کرسی پر بٹھا رہا تھا۔ اگر آپ کو اپنی عزتِ کا پاس نہیں تو مجھے اس کا پاس ضرور ہے۔ طاہر کے ایک دوست کی طرف یہ یہ فقط تمہید تھی۔ اگر ہم نے اس کی آنکھیں کھولنے کے لیے کچھ نہ کیا تو بغداد کا ہر فاقہ مست ہمارے سر پر چڑھ جائے گا۔

لیکن آپ کے ابا جان؟

ابا جان کو اگر ہمارے ارادے معلوم ہو جائیں تو شاید وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر منع کریں لیکن مجھے یقین ہے کہ جب میں ان کے سامنے اپنی مہم کی کامیابی کا ذکر کروں گا تو وہ آپ سب کو اپنے دسترخوان پر بلائیں گے۔

لوکس نے قدرے مغموم لہجے میں کہا۔ تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔

قاسم نے اپنے تمام دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یاد رکھیے طاہر کا ہر صورت میں بغداد سے کوچ کرنا ہمارے لیے بہتر ہے۔ وہ سپہ سالار کے محل اور قصرِ خلافت تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور اگر وہ کسی بڑے منصب پر پہنچ گیا تو ہر میدان مین اپنے دوستوں کو آگے کرے گا اور ہم سب کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گے۔

(۶)

صفیہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی، وہ اسے معلوم ہو چکا تھا۔ وہ اُٹھی اور دبے پاؤں گیلری سے گزر کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ الفاظ گھوم

رہے تھے۔ دریا کے اسی کنارے پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں سے کوئی پانچ کوس دُور۔ نیچے کی طرف۔ اس کے دل کی دھڑکن کبھی سُست اور کبھی تیز ہو رہی تھی، خیالات کے ایک ہیجان کے ماتحت وہ کبھی چلتے چلتے رُک جاتی اور کبھی تیزی سے قدم اٹھانے لگتی۔ وہ طاہر کو ایک بار پھر باخبر کرنا چاہتی تھی۔ اس کی جان بچانا چاہتی تھی۔ لیکن کیوں؟ کیا اس لیے کہ وہ محض ایک بہادر نوجوان تھا! کیا صرف اس لیے کہ وہ بغداد میں ایک اجنبی تھا۔ ایک اجنبی بدو ۔ ۔ ۔ بدو! بدو!! اس نے چند بار یہ لفظ دہرایا۔ اور اس میں ایک مٹھاس، ایک لذت اور ایک کشش محسوس کرنے لگی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ کاش! میں بھی ایک بدو ہوتی اور کسی صحرا کی تند ہواؤں میں اس کے دامن کا سہارا لے سکتی۔ اسے سنگِ مرمر کا یہ عالی شان محل ایک بدو کے خیمے کے مقابلے میں غیر مکمل نظر آ رہا تھا۔ وہ ان دلکش فضاؤں میں سانس لینا چاہتی تھی جہاں آزادی کے نخلستانوں میں محبت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ جہاں مکر و ریا نے انسانیت کا چہرہ ابھی تک مسخ نہیں کیا تھا۔ اس نے پھر اپنے دل میں کہا۔ صفیہ! صفیہ!! اپنے دل کو فریب نہ دو۔ اس کی دنیا اور تمہاری دنیا میں ایک ناقابلِ عبور سمندر حائل ہے۔ وہ ایک عام آدمی ہے اور تم وزیرِاعظم کی بھتیجی ہو۔ تم اس کی جان بچا سکو تو یہ ایک کارِ خیر ہے۔ اس سے زیادہ ایسے خواب نہ دیکھو جن کی کوئی تعبیر نہیں۔

وہ سکینہ کو تلاش کرتی ہوئی ایک کمرے میں پہنچی۔ سکینہ تکیے کے سہارے قالین پر بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے صفیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ صفیہ! تم کہاں گئی تھیں؟ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا۔ آؤ مجھے ان اشعار کا مطلب سمجھاؤ!

صفیہ! سکینہ! آج گھوڑے پر سیر کے لیے نہ چلو گی؟

سکینہ نے حیران ہو کر جواب دیا۔ اس وقت؟

صفیہ نے کہا۔میرا مطلب ہے تھوڑی دیر کے بعد۔

سکینہ نے کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔شام کے وقت چلیں گے۔

صفیہ نے سکینہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔آج ہم میدان کی بجائے دریا کے کنارے چلیں گے۔

سکینہ نے جواب دیا۔تمہارا مقصد ہے کہ بغداد کے لوگ ہم سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور ابا جان ہمارا گھوڑوں پر سوار ہونا بند کر دیں۔یاد ہے پچھلی دفعہ ہم دریائے دجلہ کے کنارے گئی تھیں تو کس قدر ناراض ہوئے تھے!

صفیہ نے کہا۔نقاب میں ہمیں کون پہچانے گا؟

لیکن ہمارے گھوڑے تو پہچانے جا سکیں گے۔یہ سن کر صفیہ سوچ میں پڑ گئی اور اس نے اس موضوع پر زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام ہونے تک سکینہ نے اس سے چند بار پوچھا۔صفیہ!تم مغموم ہو۔آخر بتاؤ تو سہی تمہیں کس بات کی پریشانی ہے؟اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا۔سکینہ آج میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔گھوڑے پر ایک لمبی دوڑ لگانے کے بعد میری طبعیت ٹھیک ہو جائے گی۔

صفیہ کے اصرار پر سکینہ معمول سے کچھ دیر پہلے سیر کو جانے کے لیے تیار ہو گئی ۔جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلیں تو صفیہ نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچے اور چند بار ایڑ لگانے کے بعد اسے شوخ کرتے ہوئے کہا۔آؤ سکینہ!دریا کے کنارے ایک دوڑ لگائیں۔ہم جلد واپس آجائیں گی۔اس کنارے پر شہر کے لوگوں کی آمد و رفت ویسے ہی کم ہے اور اگر بالفرض کوئی ہمارے گھوڑوں سے ہمیں پہچان

بھی لے تو اُسے شکایت لے کر آنے کی جُرات نہیں ہو گی اور پھر اس میں بُرائی ہی کیا ہے؟ بالآخر ہماری وہ مائیں اور بہنیں بھی تو تھیں جو مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں۔

سکینہ نے کہا لیکن دریا کے کنارے کون سا میدان جنگ ہے؟

صفیہ نے لاجواب سی ہو کر کہا۔ میں سمجھی۔ تم ڈرتی ہو۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہون کہ میرا خنجر تمہاری حفاظت کرے گا۔

سکینہ نے کہا۔ میں کسی سے کیوں ڈرنے لگی۔ کیا میرے پاس خنجر نہیں؟ چلو!

سکینہ کا ارادہ بدل جانے کے خوف سے صفیہ نے جلدی سے گھوڑا دریا کی طرف موڑ دیا اور آن کی آن میں یہ دونوں شہر کی آبادی سے نکل گئیں۔ تھوڑی دُور آگے جا کر سکینہ نے شور مچانا شروع کیا۔ صفیہ! ٹھہرو! آگے جانا خطرناک ہے۔ صفیہ!

صفیہ!! کیا تم حسن بن صباح کی جنت میں پہنچنے کا ارادہ کر چکی ہو؟

صیہ کی تدبیر کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ سکینہ تھوڑی دور تک اس کا ساتھ دے۔ اس نے گھوڑ رو کے بغیر مُڑ کر سکینہ کی طرف دیکھا اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ گھوڑے کی باگ کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہے، بلند آواز میں کہا سکینہ! یہ گھوڑا آج ذرا سرکشی دکھا رہا ہے۔ میں اس کا مزاج درست کرنا چاہتی ہوں تم اگر آگے جانے سے ڈرتی ہو تو ٹھہرو میں ابھی آتی ہیوں۔

اور سکینہ کہہ رہی تھی۔ کیسی بے وقوف ہو تم۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اس گھوڑے پر صرف قاسم سوار ہو سکتا ہے۔ تم اس پر مت چڑھو!

صفیہ نے مُڑ کر جواب دیا۔ اس کا جوش ابھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ دو کوس اور بھاگے گا۔

سکینہ نے کچھ دور اس کا ساتھ دیا اور بالآخر وہ گھوڑے کو روک کر انتہائی پریشانی کی حالت میں صفیہ کے صبا رفتار گھوڑے کی طرف دیکھنے لگی۔ گھوڑا گرد کے اُڑتے ہوئے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور سکینہ دیر تک وہاں کھڑی رہی۔

سُورج غروب ہونے میں کافی دیر تھی۔ کنارے کے آس پاس کسانوں اور چرواہوں کی چند بستیاں دیکھ کر سکینہ نے اپنے متعلق کوئی زیادہ خطرہ محسوس نہ کیا۔

چند بار سکینہ کو غصہ آیا اور اس نے چاہا کہ وہ واپس جائے لیکن جب یہ خیال آتا کہ گھر جا کر کیا بتائے گی۔ تو اس کا ارادہ بدل جاتا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس کا ایک جگہ کھڑا رہنا درست نہیں۔ اس نے معمولی رفتار سے گھوڑا چھوڑ دیا۔ کوئی آدھ میل نیچے جا کرا سے موڑ لیا اور پھر کوئی ایک میل آہستہ آہستہ شہر کی طرف چل کر رُک گئی۔

مغرب کی طرف شفق کی سُرخی چھا رہی تھی۔ درختوں کے سائے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ پرندے کھیتوں سے آشیانوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ سکینہ کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ تاہم وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے یہ کہہ رہی تھی۔ وہ ایسی نادان نہیں۔ وہ یقیناً بہت دور نہیں گئی ہوگی۔ وہ مجھے ستانے کے لیے دریا کے کنارے کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ اگر میں چل پڑوں تو وہ گھوڑا دوڑا کر مجھ سے آملے گی اور پھر میرے قریب پہنچ کر زور سے قہقہ لگائے گی۔ سکینہ کے دل میں دوسرا خیال آیا لیکن خدانخواستہ اگر اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو تو! پھر بھی مجھے چلنا چاہیے۔ میں ابا جان سے کہہ دوں گی کہ اس کا گھوڑا سرکش ہو کر اس طرف نکل آیا تھا۔

بہت دیر سوچنے کے بعد سکینہ نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم اس اُمید پر کہ

صفیہ آ رہی ہوگی، وہ کبھی کبھی گھوڑے کو روک کر اس کا انتظار کرنے لگتی۔

قاسم کا انتقام

طاہر، عبدالعزیز کے دوستوں میں سے عبدالملک اور مبارک کے ساتھ بہت جلد مانوس ہو گیا۔ مبارک ایک قوی ہیکل اور سادہ دل سپاہی تھا۔ تعلیم میں بھی وہ باقی سب سے پیچھے تھا۔ احباب کی محفل میں بات کرتے ہوئے وہ بہت جھجکتا لیکن دریا میں تیرنے، گھنے جنگل میں گھوڑے پر ہرن کا پیچھا کرنے اور اُڑتے ہوئے پرندوں کو تیر کا نشانہ بنانے میں اس نے اپنے آپ کو طاہر کی توجہ کا مستحق بنا لیا۔ طاہر کو زید اور مبارک میں بہت سی باتیں مشترک نظر آئیں۔ زید جس قدر دوسروں سے بات کرتا ہوا گھبراتا تھا، اسی قدر مبارک کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تھا۔

افضل ایک خوش وضع نوجوان تھا۔ باتیں کرنے میں وہ کافی ہوشیار تھا لیکن دوسروں کے مقابلے میں اس کی نفاست اور تن آسانی دیکھ کر طاہر نے اس کے متعلق کوئی بلند رائے قائم نہ کی۔ شکار میں افضل نے تھوڑی دیر اپنے دوستوں کا ساتھ دیا اور پھر ایک درخت کے نیچے گھوڑا باندھ کر آرام سے سو گیا۔ دوپہر کے وقت جب وہ دریا میں تیر رہے تھے۔ زید کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ گہرے پانی سے دُور رہنے کے لیے اسے ایک ساتھی مل گیا ہے۔

طاہر جس نوجوان سے متاثر ہوا۔ وہ عبدالملک تھا۔ قد میں وہ عبدالعزیز سے ذرا کم تھا۔ جسمانی طور پر وہ کافی تنومند تھا لیکن اس کا چہرہ نسبتاً لمبوترہ اور پتلا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی، تیکھے نقوش اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں غایت درجہ کی جاذبیت تھی۔ اس نے بغداد کی بہترین درسگاہوں میں تربیت حاصل کی تھی اور بغداد کے مروجہ علوم پر اسے کافی عبور تھا اور جس قدر طاہر اس کے خیالات کی پختگی سے متاثر ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ طاہر کی ذہانت اور تبحر علمی کا معترف تھا۔ تھوڑی دیر باتیں

کرنے کے بعد طاہر اور عبدالمالک یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ مدت سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

موسیٰ اور نصیر خالص سپاہی تھے۔ انھیں علم وادب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔فقط عبدالعزیز کی شخصیت اور محبت نے انھیں اس ٹولی میں شامل کر دیا تھا اور جس وقت باقی دوست درختوں کے سائے میں بیٹھ کر نہایت اہم مسائل پر گفتگو کر رہے تھے یہ دونوں ذرا دور بیٹھ کر آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

موسیٰ کہہ رہا تھا۔میں نے جو ہرن شکار کیا ہے وہ وزن میں تمہارے ہرن سے بھاری ہے اور اس کے سینگ تمہارے ہرن سے زیادہ خوب صورت ہیں۔

نصیر اسے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔تم نے خواب میں بھی ایسا ہرن شکار نہیں کیا ہوگا۔

زید کو ان کا جھگڑا علمی مباحث سے زیادہ دل چسپ محسوس ہوا اور وہ اُٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھا۔انھوں نے ایک دوسرے کو اپنی بات منوانے سے مایوس ہو کر زید اپنا ثالث بنا لیا۔زید ہرن کی خوبیوں سے زیادہ اس کی وکالت میں نصیر کے جوش و خروش سے متاثر ہوا اور اس نے نصیر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

موسیٰ اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ کر رہا تھا لیکن نصیر نے کہا ۔بس اب ثالث کے فیصلے کے بعد تمھیں بولنے کا کوئی حق نہیں۔

موسیٰ نے زید پر اپنا غصہ یوں اُتارا کہ جب یہ تینوں دریا میں نہا رہے تھے۔ موسیٰ نے مذاق میں زید کی گردن دبا کر اسے دو تین غوطے دے دیے۔زید نے باہر نکل کر اُسے کشتی کے لیے للکارا اور جب موسیٰ مقابلے کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا باہر نکلا۔مبارک، افضل اور عبدالعزیز، طاہر اور عبدالمالک کو چھوڑ کر ان کے گرد آ جمع

ہوئے۔زید موسیٰ کو پچھاڑ کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بولا۔اب ان سب کے سامنے اعلان کرو کہ میرا فیصلہ صحیح تھا۔موسیٰ نے تھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد ہنستے ہوئے کہا۔میں اعلان کرتا ہوں کہ تمہارا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔

زید نے کہا۔وعدہ کرو کہ آئندہ پانی میں مجھے غوطہ نہیں دو گے!

موسیٰ نے وعدہ کیا اور زید نے اسے چھوڑ دیا۔

(۲)

عصر کی نماز کے بعد ان لوگوں نے تیر اندازی کی مشق شروع کر دی لیکن طاہر، عبدالعزیز اور عبدالمالک دریا کے کنارے سیر کے لیے چل دیے۔سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور وہ خیمے کی طرف لوٹنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دور سے ایک سوار سرپٹ آتا ہوا دکھائی دیا اور وہ اس طرف دیکھنے لگے۔

سوار کو قریب آتا دیکھ کر عبدالعزیز نے کہا۔یہ کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔اور طاہر نے اپنے دل میں ایک خلش سی محسوس کی۔گھوڑا قریب آنے پر یہ خلش پریشانی اور اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔

یہ صفیہ تھی۔پیشانی اور آنکھوں کے سوا اُس کا باقی چہرہ نقاب میں چُھپا ہوا تھا۔اس نے کچھ فاصلے پر گھوڑا روک لیا اور تذبذب کی حالت میں یکے بعد دیگرے ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔ایک لمحہ توقف کے بعد اس نے گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا اور طاہر پر نظریں گاڑ دیں۔اس کی آنکھیں کسی تکلیف دہ احساس کی ترجمانی کر رہی تھیں۔لڑکی کی ہچکچاہٹ سے متاثر ہو کر عبدالمالک نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔وہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔جاؤ!

طاہر نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں؟۔

لڑکی نے اپنے تیز تیز سانس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ہاں میں آپ کو یہ بتانے کے لیے آئی تھی کہ قاسم ۔۔۔۔۔۔۔آج رات ۔۔۔۔۔۔۔۔؟۔

طاہر نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں اُس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ہمیں قتل کر ڈالے گا۔لہذا ہمیں بغداد سے سوکوس دور نکل جانا چاہیے۔میرے خیال میں مجھے پہلے بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

صفیہ کے دل کو ایک گہرا چرکا لگا اور اس نے کانپتی ہوئی مجروح آواز میں کہا۔

میں آپ کو بغداد کے بذلہ سنج اور حاضر جواب نوجوانوں سے مختلف سمجھتی تھی۔ بہر حال میں اپنا فرض پورا کرتی ہوں۔قاسم رات کے وقت پندرہ بیس آدمیوں کے ساتھ کشتی پر یہاں پہنچ کر اچانک آپ پر حملہ کردے گا۔آپ یہاں سے چلے جائیں یا اپنی تفریح کے لیے کوئی اور جگہ منتخب کرلیں تو اس میں آپ کی بھلائی ہے ورنہ شاید بغداد میں کوئی یہ نہ پوچھے کہ کون قتل ہوا ہے اور کس نے قتل کیا؟

طاہر کے شکوک یقین کی حد تک پہنچ چکے تھے۔اس نے کہا۔آپ کی تکلیف کا شکریہ! آپ قاسم سے کہہ دیجیے کہ ایک عقل مند آدمی دوبارہ ایک غلط حربہ استعمال نہیں کرتا۔میں آپ کو پہلے بھی یقین دلا چکا ہوں کہ میں اس کا دشمن بننے کی بجائے اس کا دوست بننے کو ترجیح دوں گا لیکن مجھے مرعوب کرنے کے لیے جو طریقے وہ اختیار کر رہا ہے اسے ہر سلیم الفطرت انسان بُرا سمجھے گا۔میں اسے گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔اس کے پاؤں میں رینگنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گا۔

صفیہ کے لیے طاہر کا زہر میں بجھا ہو نشتر تھا۔اپنے خلوص و ایثار کی۔تضحیک اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔اس نے غصے سے کانپتی ہوئی بلند آواز میں کہا۔تم ۔۔تم ایک وحشی جاہل اور مغرور بدو ہو تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے قاسم نے بھیجا ہے اور میں

اس کے کہنے پر یہاں آئی ہوں اور کل بھی تم میرے متعلق یہ رائے لے کر گئے تھے کہ میں اس کی آلہ کار ہوں اور میں تمھیں مرعوب کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی تھی۔ میں نے تمھیں سمجھنے میں غلطی کی۔ تم قاسم سے مختلف نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ میں بے وقوف تھی ۔۔۔۔۔ اور اب میں تمھیں یہ کہتی ہوں کہ تم رات کے وقت اپنے خیمے میں چراغ جلا کر آرام سے سو جاؤ تا کہ قاسم کو تمھیں تلاش کرنے میں دیر نہ لگے۔

صفیہ یہاں تک کہہ کر ہچکیاں لینے لگی اور طاہر اس کے الفاظ تلخ سے زیادہ اس کی خوب صورت آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسوؤں سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے کسی پھول کی پنکھڑی پر شبنم کے قطروں میں وہ جاذبیت نہ دیکھی تھی جو اُسے اس کی پلکوں میں اٹکے ہوئے موتیوں میں نظر آ رہی تھی۔ اس نے سوچا۔ اگر میں نے اس لڑکی کے متعلق غلط رائے قائم کی ہو تو۔

صفیہ نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں آستین میں چھپالیں اور اس کے بعد طاہر پر ایک ایسی نظر ڈالنے کے بعد جس میں غصہ بھی تھا اور رحم بھی، گھوڑے کی باگ موڑ لی لیکن عبدالمالک جو چند قدم پر کھڑا یہ گفتگو سننے کے بعد ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ تیزی سے آگے بڑھا اور گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔ معزز خاتون! مجھے آپ سے ہم کلام ہونے کا حق نہیں لیکن ایسے موقع پر کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ اور طاہر ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہیں بہر حال آپ کے آنسو آپ کے خلوص کی شہادت دیتے ہیں۔ طاہر نے شاید آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ لیکن آپ اس غلطی کو نا قابلِ معافی نہ سمجھیے۔ وہ بغداد میں ایک اجنبی ہے۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں۔ آپ کے متعلق اگر اس نے غلط رائے قائم کی ہے تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ طاہر، قاسم کو ایک بہادر نوجوان سمجھتے ہوئے اس کے

متعلق فوراً بُری رائے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ بغداد کے امراء کی ذہنیت کس قدر گھناؤنی ہے۔ میں قاسم کو جانتا ہوں اور طاہر کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں ۔آپ کو طاہر کے الفاظ سے یقیناً رنج ہوا ہوگا۔لیکن آج رات اگر قاسم کے متعلق اس کی خوش فہمی دور ہوگئی تو اس کے بعد آپ سے اس طرح پیش آنے پر اسے جو ندامت اور افسوس ہوگا۔شاید آپ اس کا اندازہ نہ لگا سکیں ۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کن مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے یہاں پہنچی ہوں گی ۔ آپ نے ہم پر بہت احسان کیا اور میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ہم اس خطرے سے بچ نکلنے کی کوشش کریں گے ۔اور آپ کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ طاہر کو بھی آپ احسان فراموش نہیں پائیں گی ۔اگر گستاخی نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ آپ صفیہ ہیں؟

صفیہ نے جواب دیا۔ہاں !لیکن آپ کو میرے آنے سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو تو آپ اپنی بیوی سے پوچھ لیں ۔اگر آپ عبدالمالک ہیں تو آپ کی بیوی مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔

عبدالمالک نے کہا۔آپ اطمینان رکھیے۔ مجھے آپ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔

صفیہ کے غصے کی آگ سرد ہو چکی تھی ۔طاہر کو ندامت اور افسوس کی حالت میں سر جھکائے ہوئے دیکھ کر اس نے کہا۔جب یہ اپنے طرزِ عمل پر نادم ہوں گے تو مجھے بھی اپنی سخت کلامی پر افسوس ہوگا۔میں پھر ایک بار کہتی ہوں کہ قاسم رات کے وقت آئے گا۔آپ باخبر رہیں اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ قاسم کو کوئی نقصان نہ پہنچے ۔ آپ وعدہ کیجیے!

عبدالمالک نے کہا۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ قاسم کے سر کے بال تک بیکا نہیں

ہو گا۔

طاہر نے گردن اوپر اٹھائی اور کہا۔ اگر میں ابھی اپنی ندامت کا اظہار کر دوں تو آپ مجھے قابل معافی سمجھیں گی؟

نہیں ابھی نہیں۔ صفیہ نے یہ کہتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

طاہر خفیف سا ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوئے گھوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبدالمالک نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟

نہیں۔ طاہر نے جواب دیا

میں پوچھ سکتا ہوں کہ اسے پہلی بار تم نے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

کل رات وزیر اعظم کے محل میں۔ لیکن یہ ہے کون؟

قاسم کی چچا زاد بہن صفیہ!

اور اس کے باوجود تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا اندازہ غلط تھا؟

تمھارا اندازہ اگر میں غلط سمجھتا ہوں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ قاسم کی چچا زاد بہن ہے اور اس کا باپ بغداد کے تمام امراء سے مختلف تھا لیکن چلو نماز کا وقت ہو رہا ہے!

طاہر ان کے ساتھ چل دیا۔ عبدالعزیز جواب تک خاموش تھا، طاہر سے مخاطب ہو کر بولا۔ آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے آپ کی معذرت کو ٹھکرایا نہیں۔ پھر وہ عبدالمالک سے مخاطب ہوا۔ تمھارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ لڑائی کی صورت میں ہم صرف آٹھ ہونے کے باوجود انھیں بہت اچھا سبق دے سکتے تھے۔ لیکن تم وعدہ کر چکے ہو کہ قاسم کے سر کا بال تک بیکا نہ ہو گا

اور جب تلواریں ٹکرانے لگیں تو مدمقابل کے بالوں کا لحاظ رکھنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے

۔

عبدالمالک نے کہا۔ میں نے اس کے ساتھ قاسم کی جان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ وعدہ نہیں کیا کہ اُس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جائے گا۔

عبدالعزیز نے کہا۔ تو ہم اسے آج ایسا سبق دیں گے جو شاید اسے تمام عمر نہ بھولے لیکن تمھیں یقین ہے کہ قاسم رات کے وقت ہم پر حملہ کرے گا؟

عبدالمالک نے جواب دیا۔ اس لڑکی کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے میں اس کے پیش نظر اس پر یقین نہ کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ قاضی عبدالرحمان اسے قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ میری بیوی بھی ان کی شاگرد تھی۔ اس لیے یہ دونوں ایک دوسری کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ میری بیوی اس کے متعلق بہت بلند رائے رکھتی

ہے۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ لیکن تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟

تم نے غور نہیں کیا۔ اس کے نیچے قاسم کا گھوڑا تھا۔

(۳)

صفیہ تھکے ہوئے گھوڑے کو کبھی آہستہ اور کبھی تیز رفتار سے بھگاتی ہوئی جارہی تھی۔ اپنے محل سے کوئی نصف کوس کے فاصلے پر اس نے سکینہ کو جالیا۔ سکینہ راستے میں رُک رُک کر کئی بار اسے غصے کی حالت میں گالیاں دے چکی تھی اور محبت سے مجبور ہو کر اس کی سلامتی کی دعائیں کر چکی تھی۔ کبھی وہ کہتی۔ صفیہ! تم زندہ سلامت لوٹ آؤ تو میں اتنے دینار خیرات کروں گی۔ اور کبھی وہ اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے یہ کہتی۔ صفیہ! تم ایک بار آجاؤ۔ میں تمھارے ساتھ وہ سلوک کروں گی جو تمھیں عمر بھر

یاد رہے۔ تمھارے ساتھ سیر کے لیے نکلنا تو در کنار میں کبھی بات تک نہ کروں گی۔

صفیہ! پگلی نادان، بے وقوف، اب شام ہو رہی ہے۔ تم کہاں جا بیٹھی ہو! میں گھر جا کر کیا جواب دوں گی۔ کل تک سارے شہر میں مشہور ہو جائے گا کہ صفیہ غائب ہو گئی۔

اور جب صفیہ اس کے قریب پہنچ کر کہہ رہی تھی۔ آپا سکینہ! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم مجھ پر خفا ہو جاؤ۔ ذرا میری طرف دیکھو تو میں صفیہ ہوں۔ تمہاری ننھی صفیہ۔ تو سکینہ کے لیے یہ فیصلہ ناممکن تھا کہ اسے کیا کہنا چاہے۔

صفیہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ آپا! میری آپا!! تمھیں اس قدر خفا دیکھنے سے تو بہتر تھا کہ میں گھوڑے سے گر کر مر جاتی۔!

بہت بے وقوف ہو تم! سکینہ نے یہ کہتے ہوئے صفیہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ تھوڑی دور آگے چل کر سکینہ نے کہا۔ اگر تمھیں حسن بن صباح کی جماعت کا کوئی آدمی مل جاتا تو؟

صفیہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ تو میں اسے یہ کہتی۔ تمہاری جنت میں حور بن کر رہنے کی مستحق میں نہیں سکینہ ہے۔

سکینہ نے کہا۔ اور گھر والوں نے ہماری تلاش شروع کر دی تو کیا بہانہ بناؤ گی؟

صفیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ابھی تو شام ہوئی ہے۔ چاندنی راتوں میں تو ہم کئی دفعہ عشا کے وقت گھر لوٹا کرتی ہیں۔

دریا کے پل کے قریب پہنچ کر صفیہ کو دو کشتیاں دکھائی دیں۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ کشتی پر سوار ہونے والوں کو اچھی طرح نہ دیکھ سکی لیکن کشتیوں کی

رفتار دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ وہ قاسم اور اس کے ساتھی ہیں۔

(۴)

اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد قاسم نے طاہر اور اس کے ساتھیوں کے خیمے سے کوئی دو سو گز اوپر کشتیاں کنارے پر لگانے کا حکم دیا۔

کنارے پر اتر کر ان سب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیے اور چاند کی روشنی سے بچنے کے لیے سامنے درختوں کے سائے میں پہنچ کر دبے پاؤں خیمے کی طرف بڑھنے لگے۔ خیمے کے قریب وہ ایک گھنے درخت کے سائے میں کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر کانا پھوسی کے بعد ایک شخص آگے بڑھا۔ اس نے دبے پاؤں خیمے کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد اندر جھانک کر دیکھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آکر آہستہ سے کہنے لگا۔ اندر ایک کونے میں آگ جل رہی ہے اور وہ اپنے اوپر چادریں ڈال کر خرگوش نیند سو رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ بہترین موقع ہے؟

قاسم نے کہا۔ لیکن ان کے گھوڑے دکھائی نہیں دیتے؟

ایک شخص نے جواب دیا۔ گھوڑے اگر انھوں نے جنگل میں چرنے کے لیے کھلے نہیں چھوڑ دیے تو ان کی بے خبری میں کوئی چرا کر لے گیا ہوگا۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے!

قاسم کے اشارے پر سب نے تلواریں نکال لیں۔ لوکس نے آگے بڑھ کر قاسم کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ انھیں جگا کر بھاگنے یا مقابلے کے لیے مسلح ہونے کا موقع دیں گے!۔

قاسم نے جواب دیا۔ اگر آپ ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو علیحدہ رہ سکتے ہیں

۔آپ کی ضرورت پڑی تو آپ کو بلا لیا جائے گا لیکن یاد رکھیے ۔۔۔آپ ہماری اس کارگزاری میں حصہ دار ہیں ۔اگر آپ کے پاس یہ راز محفوظ نہ رہ سکا تو جو جرم ہم پر بہت مشکل سے ثابت ہو گا وہ آپ پر شاید آسانی سے ثابت ہو جائے ۔اگر آپ بغداد میں رہتے تو شاید آپ اس جرم سے بے تعلقی ثابت کر سکتے لیکن میں آپ کو اسی لیے اپنے ساتھ لے آیا ہوں ۔اب واپس پہنچ کر یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ ہمارے ساتھ اتنا راستہ چلنے کے بعد آپ کی حیثیت محض ایک تماشائی کی تھی ۔اگر آپ تلوار نیام سے نہیں نکالنا چاہتے تو آپ کو یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ کی زبان بھی محتاط رہے گی!

لوئس نے کچھ سوچ کر جواب دیا ۔میں نے ایک دوست کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا لیکن آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کے ساتھ ہوں ۔

قاسم نے کہا ۔مجھے آپ سے یہی توقع تھی ۔اب میں چاہتا ہوں کہ اس کھیل کو ذرا دلچسپ بنایا جائے اور آپ کو یہ اعتراض بھی نہ ہو کہ ہم نے انھیں جاگنے کا موقع نہیں دیا ۔ممکن ہے کہ وہ لڑے بغیر بھاگنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور ہمیں خواہ مخواہ اپنی تلواروں کو ان کے خون سے رنگنا پڑے ۔اگر انھوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ بغداد میں داخل نہیں ہوں گے تو شاید انھیں خراش تک نہ آئے ۔میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کا خیمہ گرا دیا جائے ۔اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے!

قاسم کی اس تجویز پر اس کے بعض ساتھیوں نے اسے کھلے دل سے داد دی ۔وہ درخت کے سائے سے نکل کر زمین پر رینگتے ہوئے خیمے کے گرد جمع ہو گئے ۔

قاسم کا اشارہ پا کر انھوں نے بیک وقت خیمے کی تمام رسیاں کاٹ ڈالیں اور اسے ایک طرف کھینچ کر چوبیں گرا دیں ۔ایک لمحے کے لیے ان سب نے اپنے

دلوں میں زبردست دھڑکنیں محسوس کیں۔ایک ثانیے کے لیے ان کے کان زمین پر بچھے ہوئے کپڑے کے نیچے سے طرح طرح کی آوازوں کے منتظر تھے اور پھر تھوڑی دیر کے لیے ان کی آنکھیں سونے والوں کی کروٹوں کی منتظر رہیں۔

قاسم اور اس کے ساتھیوں کی تشویش اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔سب انے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔کئی جگہ سے کپڑے کی اُبھری ہوئی سطح یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھی کہ خیمہ خالی نہیں۔

لوکس نے دبی زبان میں قاسم سے کہا۔ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ہمیں دیکھ لیا ہو اور ہماری تعداد سے سہم گئے ہوں۔آپ انھیں آواز دے کر جان بخشی کا وعدہ کریں۔مجھے یقین ہے کہ وہ بغداد چھوڑنے پر آمادی ہو جائیں گے۔

خیمے میں ایک طرف آگ سلگ رہی تھی۔قاسم کے ایک ساتھی نے اٹھتے ہوئے دھوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔اگر وہ گدھے کی نیند سوتے ہیں تو بھی انہیں اب تھوڑی بہت حرارت محسوس کر لینا چاہیے تھی۔

قاسم نے بلند آواز میں کہا۔اب دھوکے سے کام نہیں چلے گا۔اگر بچنا چاہتے ہو تو بغداد جانے کی بجائے یہاں سے سیدھا کسی اور ملک کا رخ کرو۔تمھارے سر پر اٹھارہ تلواریں موجود ہیں،خیمے میں آگ لگ چکی ہے۔جواب دو بغداد چھوڑنے کا وعدہ کرتے ہو یا نہیں؟

جب کوئی جواب نہ ملا تو قاسم نے آگے بڑھ کر تلوار کی نوک سے ایک اُبھری ہوئی جگہ کو ٹٹولنا شروع کیا۔اس پر بھی جب سونے والے نے حرکت نہ کی تو اس تلوار کو ذرا زور سے دبایا لیکن اس نے محسوس کیا کہ نیچے انسان کی بجائے کوئی سخت چیز ہے۔اس کی دیکھا دیکھی اس کے دوسرے ساتھی بھی خیمے پر چڑھ گئے۔اور ایک نے

دوسری جگہ ابھری ہوئی سطح پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے چلا کر کہا۔ نیچے پتھر ہیں انسان نہیں۔ انھوں نے پتھروں پر چادریں ڈال کر ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ چلو یہاں سے نکلیں۔

قاسم نے غصے کی حالت میں ایک اور اُبھری ہوئی جگہوں پر تلوار مارتے ہوئے کہا۔ وہ ہماری آمد سے باخبر ہو کر بھاگ گئے ہیں۔

چند قدم کے فاصلے سے ایک گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ہم یہیں ہیں۔ آپ بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔

قاسم کے ساتھی کسی غیر متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن آس پاس کوئی نظر نہ آیا۔

کسی نے پھر کہا۔ تم سب اس وقت ہمارے تیروں کی زد میں ہو اور یقین کرو کہ ہم میں سے غلط نشانہ لگانے والا کوئی نہیں۔

قاسم نے محسوس کیا کہ بولنے والا سامنے درخت پر چھپا ہوا ہے اور اس نے اپنے ساتھیوں کو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ دائیں طرف ہٹنے کا مشورہ دیا۔

درخت سے آواز آئی۔ بھاگنے کی کوشش بے سود ہو گی۔ تمہارے پیچھے دریا ہے اور دائیں بائیں اور درختوں پر میرے ساتھی تیر و کمان لیے بیٹھے ہیں۔ اگر تم کو یقین نہیں آتا تو کسی طرف بھی چار قدم اٹھا کر دیکھ لو۔ تم ہمیں دیکھ سکتے ہو نہ تمہارا کوئی ہتھیار ہم تک پہنچ سکتا ہے۔

قاسم انتہائی بدحواسی کی حالت میں چلایا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ ہم صرف دل لگی کے لیے آئے تھے۔

ہم بھی صرف دل لگی کے لیے درختوں پر چڑھے ہیں۔

میری بات پر یقین کرو۔ میں تمھیں صرف ڈرانا چاہتا تھا!

تم بھی میری بات کا یقین کرو میں بھی صرف تمھیں ڈرانا چاہتا ہوں

قاسم نے کہا۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم درخت سے نیچے اتر کر میرے ساتھ بات کرو!

درخت سے آواز آئی نیچے اُترنے کی دعوت کا شکریہ! میں بھی یہاں بہت تنگ بیٹھا ہوں لیکن پیشتر اس کے کہ میں نیچے اُتروں تمھیں ایک تکلیف ضرور اُٹھانی پڑے گی۔

وہ کیا؟

تم اپنے ساتھیوں کو تلواریں پھینکنے کا حکم دو۔

قاسم نے کہا کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ تم بات کرتے وقت اپنے اور میرے منصب کا لحاظ کرو!

درخت سے آواز آئی۔ گستاخی معاف! تمھارے چہرے پر نقاب ہے اور میں آواز سے تمھیں نہیں پہچان سکا۔

قاسم نے کہا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ہماری آمد کے علم کے بغیر ہی اس قدر محتاط تھے۔

قدرے توقف کے بعد آواز آئی۔ ہم دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے چاندنی رات کا لطف اٹھا رہے تھے۔ شاید تمھاری بد قسمتی تھی کہ ہم نے تمھاری کشتیاں دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے میں غلطی نہیں کی۔

خیمے میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ قاسم نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ دیکھتے نہیں خیمہ جل رہا ہے؟ اب اسے گھسیٹ کر پانی کے

قریب لے جاؤ۔

درخت سے گرجتی ہوئی آواز آئی۔ ٹھہرو! اگر تم میں سے کسی نے ادھر اُدھر ملنے کی کوشش کی تو تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔ ہمیں خیمے کی پرواہ نہیں۔ اگر تم نے ہمیں یہ بوجھ اٹھا کر واپس لے جانے کی تکلیف سے بچایا ہے تو ہم نے بھی تمھاری ایک مشکل حل کردی ہے۔ تم کو کشتیاں واپس لے جانے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ ہمارے خیمے کی راکھ کسی کے کام نہیں آئے گی لیکن تمھاری کشتیوں سے کوئی مچھیرا فائدہ اٹھا سکے گا۔ اب تم کوئی اور قصہ شروع کرنے سے پہلے تلواریں پھینک دو!

قاسم نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر تلوار پھینک دی لیکن درخت سے پھر آواز آئی۔ ہم سے اتنی دور نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص باری باری آگے آئے اور اس درخت کے نیچے اپنی تلوار پھینک کر واپس اسی جگہ جا کھڑا ہو۔

قاسم نے کہا۔ ہم ایسی ہار ماننے کی بجائے لڑنے کو ترجیح دیں گے۔ اگر تم میں جرات ہے تو نیچے اُتر کر مقابلہ کرو!

درخت سے آواز آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں آپ نے اس قابل سمجھا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے پاس کند تلواریں نہیں۔ آپ نے ہماری تلواروں کی تیزی اور اپنی جان کی قیمت کا بہت غلط اندازہ لگایا ہے لیکن اس کے باوجود اگر آپ مقابلے کی دعوت دیتے ہیں تو ہم تیار ہیں۔ آپ میں جس شخص کو اپنے متعلق زیادہ غلط فہمی ہے وہ ذرا آگے آجائے۔ ہم میں سے بھی ایک نیچے اُتر آئے گا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ میں سے ہر ایک کو زور آزمائی کا موقع مل جائے گا لیکن اگر آپ اس میں اپنا فائدہ نہیں دیکھتے تو میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے وعدہ

کرتا ہوں کہ ہتھیار ڈال دینے کے بعد تمھیں جانے کی اجازت ہوگی!

قاسم نے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا اور درخت کے نیچے تلوار پھینک کر واپس چلتے ہوئے خیمے کے قریب جا کھڑے ہوئے تو ایک شخص نیچے اُترا یہ عبدالعزیز تھا۔ وہ تلوار نیام سے نکال کر آگے بڑھا اور قاسم اور اس کے ساتھیوں کے قریب جا کھڑا ہوا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ میں عام طور پر آواز پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا۔ میرے خیال میں مجھے وزیر اعظم کے صاحبزادے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے؟

قاسم نے اپنے چہرے سے نقاب اُتار کر پھینک دیا۔

عبدالعزیز نے آواز دی۔ طاہر! عبدالمالک! اب اُتر آؤ یہ قاسم ہے۔ ہم نے سمجھا تھا کہ ہم پر کسی دشمن نے چڑھائی کر دی ہے۔

عبدالعزیز کے ساتھی یکے بعد دیگرے ننگی تلواریں لیے اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

قاسم نے کہا۔ تم بہت ہوشیار ہو۔ ہم تو صرف دل لگی کے لیے آئے تھے۔

عبدالعزیز نے کہا۔ بہت نوازش کی آپ نے! ہم آپ کی باتیں سن چکے ہیں

۔

قاسم نے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم سے تلواریں رکھوا کر آپ ہمارا راستہ نہیں روکیں گے؟

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں لیکن میں نے آپ کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا۔ آپ انھیں نقاب اتارنے کا مشورہ دیجیے۔

قاسم کے اشارے پر انھوں کچھ دیر پس و پیش کے بعد نقاب اُتار دیے۔

عبدالمالک نے ذرا آگے بڑھ کر ان میں سے چار فوجی افسروں کو پہچانتے ہوئے کہا

۔

عزیز! قاسم کا اثر فوج تک بھی پہنچ چکا ہے۔ انھیں پہچانتے ہو؟ میرے خیال میں ان چار کو اپنے پاس مہمان رکھنا ضروری ہے۔

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ میں ان سب کی جان بخشی کا وعدہ کر چکا ہو۔ قاسم تم جا سکتے ہو لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ اگر تم نے اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو تمہارے لیے بہت بُرا ہو گا۔ اگر طاہر کے جسم پر ایک خراش بھی آئی تو میں وزیر اعظم کے محل کے نیچے ۵۰ ہزار سپاہی لے کر پہنچ جاؤں گا اور ہمارے پاس تلواریں اس بات کا ثبوت دے سکیں گی کہ ہمارا دشمن کون تھا؟ اگر وزیر اعظم کے لیے تمہارے دل میں عزت نہ ہوتی تو آج ہمارا طرز عمل اس سے مختلف ہوتا۔ اگر دجلہ کا پانی ہماری لاشوں کو چھپا سکتا ہے تو تمہاری لاشیں بھی اس کے سپرد کی جا سکتی تھیں۔ بہر حال اب تم جاؤ اور آئندہ جب کبھی تمہارے دل میں انتقام کی آگ دوبارہ سُلگنے لگے تو یہ یاد رکھو کہ کل تک بغداد میں مجھے پندرہ بیس اور ایسے نوجوان مل جائیں گے جو ہمارے بعد بڑی سے بڑی طاقت سے ہمارا انتقام لینے کا حلف اٹھائیں گے۔

یہ کہہ کر عبدالعزیز اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ زید! نصیر! تم وہ تلواریں اٹھا لو!

زید اور نصیر نے درختوں کے نیچے جا کر تلواریں اٹھا لیں۔ عبدالعزیز نے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ ایک طرف چل دیے۔ قاسم اور اس کے ساتھی انتہائی ندامت اور پریشانی کی حالت میں انھیں درختوں کی آڑ میں روپوش

ہوتے دیکھ رہے تھے۔

جنگل میں قریباً آدھ میل چلنے کے بعد عبدالعزیز اور اس کے ساتھی اس جگہ پر پہنچے جہاں درختوں کے ساتھ ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بحث کے بعد سب اس فیصلے پر متفق ہو گئے کہ انھیں فوراً بغداد پہنچنا چاہیے۔ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

(۵)

قاسم کو کافی دن چڑھے ایک لونڈی نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر گہری نیند سے جگایا۔ قاسم نے انگڑائی لے کر آنکھیں کھولیں اور لونڈی کو ڈانٹنے کے بعد پھر بند کر لیں۔

لونڈی نے کہا۔ اُٹھیے! اب دوپہر ہونے والی ہے! آقا آپ کو بلاتے ہیں انہوں نے آپ کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

قاسم بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور آنکھیں ملتا ہوا وزیر اعظم کے کمرے میں داخل ہوا۔ وزیر اعظم ایک دریچے کے سامنے کھڑا باہر کی طرف جھانک رہا تھا۔ اس نے مڑ کر قاسم کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ قاسم! رات تم کہاں تھے؟

ایک لمحے کے لیے قاسم اس غیر متوقع سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اس نے اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ رات کو ایک دوست کے ہاں دعوت تھی مجھے وہاں باتوں میں دیر ہو گئی۔

وزیر اعظم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ قاسم نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر آنکھیں جُھکا لیں۔ وزیر اعظم نے قاسم کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔ بیٹا! تم ابھی تک جھوٹ بولنے کے فن میں اتنے ہوشیار نہیں ہوئے کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔ یہ پڑھ لو!

قاسم نے خط پڑھنے کے بعد اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں یہ پُوچھ رہی تھیں کہ اب آپ کا حکم کیا ہے؟

وزیراعظم نے کمرے کے ایک کونے میں چھوٹی سی میز پر پڑی ہوئی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ طاہر نے اس خط کے ساتھ تمہاری تلوار میرے پاس بھیج دی ہے۔ یہ اس کی شرافت ہے ورنہ اس کے لیے ولی عہد یا خلیفہ تک پہنچنا مشکل نہیں۔ قاسم تم نے بہت برا کیا۔ تمھیں اس قدر ہوشیار آدمی پر اس قدر اوچھا وار نہیں کرنا چاہیے تھا۔

قاسم نے جواب دیا۔ ابا جان! یہ صرف ایک مذاق تھا، طاہر اس قدر ہوشیار نہ تھا۔ مجھے صرف عبدالعزیز کی وجہ سے یہ خفت اٹھانا پڑی۔

وزیراعظم نے سوال کیا۔ وہ کون ہے؟

وہ فوج کا معمولی عہدے دار ہے۔

لیکن باقی سترہ تلواریں سپہ سالار کو پیش کرنے کے بعد وہ کافی اہمیت حاصل کرلے گا۔ فوج میں پہلے بھی تمہارے متعلق کسی کی اچھی رائے نہیں۔ اور اب تم نے اپنی راہ میں نئے کانٹے بو دیے ہیں۔ قاسم! تم نے بہت برا کیا۔ میں طاہر کو تمھارے لیے ایک زینہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنا نائب بنا کر تم چنگیز خاں کے دربار میں سفیر بن کر جاسکتے تھے لیکن اب۔۔۔۔۔۔!

لیکن اب؟ قاسم نے قدرے فکر مند ہو کر سوال کیا۔

اب میں اس کے سوا کچھ نہیں کرسکتا کہ اس کو کہیں باہر بھیج کر تمھارے لیے بغداد میں راستہ صاف کروں۔ تمھیں شاید معلوم نہیں کہ ولی عہد نے سپہ سالار سے سفارش کی ہے کہ اسے فوج میں کوئی ذمہ دار عہدہ دیا جائے۔ قاضی فخر الدین نے

خلیفہ کے نام خط لکھ کر اس نوجوان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بغداد میں ترقی کے ہر میدان کی راہ میں وہ اور اس کے دوست کسی دن تمھارا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔

قاسم نے کہا۔ تو پھر آپ اسے کسی مہم پر کیوں نہیں بھیج دیتے؟۔

میں یہ کر سکتا ہوں لیکن اس سے قبل میرے متعلق تمہاری اس حرکت سے جو شکوک اس کے دل میں پیدا ہو چکے ہیں میں انھیں دور کرنا چاہتا ہوں، ورنہ وہ ہمیشہ مجھے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا رہے گا۔ ابھی تک اسے میرے متعلق حسنِ ظن ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے تمہاری شکایت کسی اور کی بجائے مجھ سے کی ہے۔

قاسم نے کہا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس سے معذرت کروں؟

نہیں۔ اس طرح وہ تم سے اور بدظن ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ میں اسے اپنے پاس بلاؤں اور اس کے سامنے تم سے باز پُرس کروں لیکن اس سے پہلے میں تمہاری طرف سے اس بات کا اطمینان چاہتا ہوں کہ تم کوئی اور حماقت نہیں کرو گے۔ فوج سے جو نوجوان تمھارے ساتھ گئے تھے ان کے متعلق میں سپہ سالار کو لکھ رہا ہوں کہ انھیں فوراً معزول کر دیا جائے۔

لیکن ابا جان وہ میرے دوست ہیں۔ وہ میری مدد کرنا چاہتے تھے اس میں ان کا کیا قصور؟

سر دست میرے سامنے یہ مسئلہ نہیں کہ ان کا قصور تھا یا نہیں۔ طاہر کے دوستوں پر ظاہر کرنا ضروری ہے کہ مجھے اس کے ساتھ کوئی عداوت نہیں۔ طاہر ولی عہد، شہزادہ مستنصر اور سپہ سالار تک رسائی حاصل کر چکا ہے۔ خلیفہ نے اگر اسے سلطنتِ مصر کا جاسوس نہ سمجھ لیا تو عین ممکن ہے کہ وہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر اسے کسی

عہدے پر فائز کردیں۔ اس صورت میں اپنے مخالفین کے خلاف اس کا سب سے بڑا حربہ اس کی دولت ہوگی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ایسے شخص کو اپنا دشمن بنالو جس کے بازوؤں کو قدرت نے پہاڑوں کا کلیجہ چیرنے اور آسمان کے تارے نوچنے کی قوت عطا کی ہے۔ وہ ایک قابل قدر اور مخلص نوجوان ہے۔ ایسے شخص کی دوستی فائدہ مند اور دشمنی خطرناک ہوتی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت ہے اور میں اس کے خلاف تمھاری کوئی سفارش برداشت نہیں کروں گا۔ ممکن ہے میرے بعد یہی نوجوان کسی دن بغداد کا وزیر اعظم بن جائے اور تمھیں اپنی حماقتوں پر پچھتانا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور امیر کا طرف دار بن جائے اور تمھیں اپنی حماقتوں پر پچھتانا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور امیر کا طرف دار بن کر میرے عہدِ وزارت کے اختتام کا باعث ہو۔

طاہر بن یوسف

چنگیز خان قراقرم کو اپنا مرکز بنا چکا تھا۔ اس کی مملکت وسیع تھی اور اس کی افواج بے شمار تھیں لیکن عالم اسلام پر حملہ کرتے ہوئے اسے اپنی راہ میں ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ دکھائی دیتا تھا۔ یہ چٹان جس کی عظمت اہل تاتار کے سیلاب کی لہروں کے لیے حوصلہ شکن تھی۔ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی عظیم الشان سلطنت تھی جس کی سرحدیں ایک طرف ہندوستان اور بغداد اور دوسری طرف بحیرہ ارال اور خلیج فارس سے ملتی تھیں۔

جب سلطنت بغداد امن کے گہوارے میں سو رہی تھی، مشرق اور مغرب کے حملہ آوروں کے لیے خوارزم اور مصر کی سلطنتیں اسلام کا بازوئے شمشیر زن تھیں۔

چنگیز خاں کو سلطنت کی طاقت خوارزم کی طاقت کا صحیح علم نہ تھا، اس لیے اس نے حملہ کرنے سے پہلے خوارزم شاہ کے ساتھ دوستانہ تعلق پیدا کر کے خوارزم کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ان دو سلطنتوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہو جس کی بدولت ان کے درمیان تجارتی راستہ کھل گیا۔

خوارزم شاہ کے ساتھ اہل تاتار کے تجارتی تعلقات قائم ہونے کے بعد چنگیز خان کے جاسوسوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خوارزم کی سرحد کے ایک گورنر نے بخارا کے چند تاجروں کا مال چھین لیا اور انھیں اس الزام میں قتل کر ڈالا کہ وہ چنگیز خاں کے جاسوسوں کو خوارزم کے حالات سے باخبر کر رہے ہیں۔ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کے پاس اپنا ایلچی بھیج کر گورنر کی اس حرکت پر احتجاج کیا لیکن بخارا کے تاجر خوارزم شاہ کی رعیت تھے اور ان کے ساتھ چنگیز خاں کی ہمدردی سے خوارزم شاہ کے یہ شکوک اور زیادہ بڑھ گئے کہ چنگیز خاں

خوارزم میں جو کام تاتاریوں سے نہیں لے سکتا۔ اُس کے لیے اس نے بخارا کے تاجروں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ چنانچہ اُس نے برافروختہ ہو کر چنگیز خان کے ایلچی کو قتل کا حکم دے دیا۔

بعض امرا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ کچھ بھی ہو ایلچی کا قتل جائز نہیں لیکن سلطان علاؤالدین محمد شاہ ایک خود سر حکمران تھا، اس نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ ایلچی کو قتل کر کے اس کے باقی ساتھیوں کی داڑھیاں جلانے کے بعد انھیں واپس بھیج دیا

۔

چنگیز خان کے لیے یہ توہین ناقابل برداشت تھی۔ وہ یہ واقعہ سن کر اٹھا اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر دیر تک سورج کے سامنے سربسجود رہا اور پھر بلند آواز میں پکارا۔ فلک لازوال پر دو سورج نہیں اور اس زمین پر دو خاقان نہیں ہوں گے!

چنگیز خان اور خوارزم شاہ میں جنگ ناگزیر ہو چکی تھی لیکن چنگیز خان کو خوارزم کی افواج سے زیادہ اس بات کا خدشہ تھا کہ سورج پرستوں کے خلاف اگر خدا پرست متحد ہو گئے تو اسے صحرائے گوبی کے ویرانوں میں بھی پناہ نہ ملے گی۔

(۲)

ان واقعات سے قبل خوارزم شاہ اور خلیفہ ناصر میں ناچاقی ہو چکی تھی۔ خوارزم شاہ نے خلیفہ سے مطالبہ کیا تھا کہ سلطنت بغداد کی مساجد میں خلیفہ کے ساتھ اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جائے لیکن جب یہ مطالبہ نہ مانا گیا تو اس نے اپنی سلطنت سے خلیفہ کے نام کا خطبہ منسوخ کر کے بغداد پر چڑھائی کر دی۔ راستے میں غیر متوقع برف باری کو وہ بُرا شگون سمجھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اگرچہ دونوں سلطنتوں کے اختلافات رفع ہو چکے تھے لیکن خلیفہ بغداد کی سرحد پر ایک طاقتور سلطان کا وجود

اپنے لیے ایک مستقل خطرہ سمجھتا تھا۔

چنگیز خان کو ان اختلافات کا علم تھا لیکن اسے یہ یقین نہ تھا کہ خوارزم پر حملے کی صورت میں بغداد کی رائے عامہ خلیفہ کو غیر جانبدار رہنے دے گی۔ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر خلیفہ نے اپنے اختلافات بھلا کر خوارزم کی حمایت میں اعلان جہاد کر دیا تو افریقہ سے لے کر ہندوستان تک تمام اسلامی ممالک کی افواج اسے کچلنے کے لیے موجود ہوں گی۔ ان تمام خدشات کے پیش نظر چنگیز خان قراقرم میں وسیع پیانے پر جنگی تیاریاں کر رہا تھا۔

خوارزم شاہ کے ساتھ ان بن ہو جانے سے پہلے چنگیز خان کو یہ احساس تھا کہ وہ سلطنت خوارزم کو تہ و بالا کیے بغیر تسخیر عالم کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ اگر خوارزم شاہ اسے شکایت کا موقع نہ بھی دیتا تو بھی زیادہ سے زیادہ نہ ہوتا کہ تاتاریوں کے ہاتھوں خوارزم کی تباہی چند برسوں کے لیے ٹل جاتی۔ طاقت ور ہمسائے کو نظر انداز کرنا یا کمزور ہمسائے پر رحم کرنا چنگیز خان کے مسلک کے خلاف تھا۔

وزیر اعظم کے ساتھ طاہر کی پہلی ملاقات سے چند ہفتے پیشتر خلیفہ ناصر کو خوارزم شاہ کے ہاتھوں چنگیز خان کے ایلچی کے قتل ہونے کی خبر مل چکی تھی اور چند دن سے یہ خبر بغداد میں مشہور تھی۔ شکار سے واپس آ کر طاہر نے خوارزم کے سفارت خانے کا رخ کیا۔

خوارزم کا سفیر عماد الملک جس قدر طاہر کی تیغ زنی سے متاثر ہوا تھا، اس سے کہیں زیادہ اس کی باتوں سے متاثر ہوا۔ طاہر کے بلند ارادوں سے واقف ہونے کے بعد اس نے کہا۔ کاش! بغداد میں آپ جیسے نوجوان اور ہوتے!

طاہر نے جواب دیا۔ بغداد میں میرے جیسے کئی نوجوان ہیں لیکن مجھے افسوس

ہے کہ آپ حکومت جس طرح خلیفہ سے بدظن ہے، اسی طرح بغداد کے عوام سے بھی بدظن ہے اور خلیفہ کے متعلق بھی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ خوارزم پر مصیبت آئی تو اس کے لیے غیر جانب دار رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ کم از کم وزیر اعظم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ قاسم کا باپ ہونے کے باوجود اپنے پہلو میں ایک مسلمان کا دل رکھتا ہے اور وہ خلیفہ کو غلط مشورہ نہیں دے گا۔

عمادالملک نے کہا۔ آپ جیسے خوش فہم انسان کو پانچ سو برس قبل پیدا ہونا چاہیے تھا۔ اب دنیا بہت بدل چکی ہے۔

طاہر نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کے متعلق مجھے غلط فہمی ہو لیکن وزیر اعظم کے متعلق میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ خوارزم کے لیے اس کی نیت بُری نہیں۔

عمادالملک نے اپنے ہونٹوں پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ اگر میں وزیر اعظم کے متعلق آپ کی غلط فہمی دور کر دوں تو؟

آپ مجھے اپنی اصلاح کے لیے ہر وقت آمادہ پائیں گے اور پھر میری جگہ بغداد کی بجائے خوارزم میں ہو گی۔

آپ وعدہ کرتے ہیں کہ یہ راز آپ تک محدود رہے گا؟

میں وعدہ کرتا ہوں۔

عمادالملک نے اُٹھ کر ایک چھوٹا سا صندوق کھولا اور ایک باریک چمڑے کا ٹکڑا نکال کر طاہر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

خلیفۃ المسلمین خوارزم شاہ کے ہاتھوں خاقانِ تاتار کے ایلچی کے وحشیانہ قتل کو ایک ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہیں۔ اور یہ یقین دلاتے ہیں کہ اگر خاقان تاتار اس ظالم بادشاہ کو سزا دینے کا ارادہ کر لے تو عالمِ اسلام سے کوئی آواز اس کی حمایت

میں نہیں اُٹھے گی اور عالم اسلام کے روحانی پیشوا کی دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی۔

مخلص: وحیدالدین وزیر خارجہ

اس عبارت کے نیچے چینی زبان کے چند حروف درج تھے۔ طاہر نے ان حروف پر انگلی رکھ کر عمادالملک سے پوچھا۔ یہ کیا لکھا ہے؟

عمادالملک نے جواب دیا۔ یہ چنگیز خان کے سفیر کی تصدیق ہے۔اس نے لکھا ہے کہ آپ کے خادم خاص نے خلیفہ کو اپنا ہم خیال بنالیا ہے۔

طاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔آپ کے خیال میں یہ خادم خاص کون ہے۔

عمادالملک نے جواب دیا۔وحیدالدین اور کون؟

طاہر نے کہا۔نہیں یہ کوئی اور ہے خلیفہ کا کوئی ایسا معتمد جو بغداد میں چنگیز خان کی جاسوسی کر رہا ہے

عمادالملک نے کہا۔ اگر وحیدالدین نہیں تو پھر وزیر اعظم ہوگا!

نہیں میرے خیال میں وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔

آپ یہ تحریر پہچانتے ہیں؟

نہیں میں نام پڑھ سکتا ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وزیر خارجہ نے تاتاری سفیر سے اپنے خط کی تصدیق کروانے کی بجائے اسے اس قسم کا پیغام بھجوانے کے لیے کیوں نہ کہہ دیا؟

عمادالملک نے جواب دیا۔ اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔پہلی یہ کہ جب سے جاسوسی کے الزام میں تاجر قتل کیے گئے ہیں۔ہماری حکومت نے چنگیز خان کے ساتھ بغداد کے تاتاری سفیر کے نامہ و پیام کا راستہ بند کر دیا ہے۔اس نے چند بار

خود قراقرام جانے کے لیے ہماری حدود سے گزرنے کی اجازت مانگی ہے لیکن ہماری حکومت نے انکار کر دیا ہے۔ اور اب چنگیز خان کے ایلچی کے قتل کے بعد اس کے لیے وہاں پیغام بھیجنے یا خود جانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ ہماری سلطنت میں سے گزرنے کے علاوہ اس کے لیے صرف دو رستے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ مغرب کے ممالک سے گزرتا ہوا روس کا رخ کرے اور پھر روس کے ان ناقابل عبور علاقوں سے گزرے جن کے باشندے حال ہی میں تاتاریوں کی سفاکی دیکھ چکے ہیں۔ وہ کسی تاتاری یا ان کے ایلچی کو اس کا حسب ونسب پُوچھے بغیر قتل کر دیں گے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ سمندر کے راستے ہندوستان جائے اور وہاں سے قراقرم کا رُخ کرے۔ اس صورت میں اس کے سامنے وہ بلند پہاڑ حائل ہوں گے جہاں سے پرندہ بھی نہیں گزر سکتا۔

طاہر نے پوچھا۔ یہ تحریر آپ کے ہاتھ کیسے آئی؟

عمادالملک نے جواب دیا۔ خلیفہ ناصر کی فراست نے ہمیں چوکنا رہنا سکھا دیا ہے۔ انھوں نے اس مہم کے لیے ایک خوارزمی ترک کی خدمات حاصل کی تھیں اور چمڑا اس کے جوتے کے تلے اندر سی دیا گیا تھا لیکن ہماری سرحد کے افسر جاسوسوں کو پہچاننے میں بہتر ماہر ہیں۔ سرحد کے گورنر نے ایلچی کو قتل کر دیا ہے۔ اور اس خط کی نقل سُلطان کو اور اصل میرے پاس بھیج دیا ہے۔

خلیفہ کو ان واقعات کا علم ہو چکا ہے؟

میں وزیر اعظم سے مل چکا ہوں۔ اسے میں نے یہ نہیں بتایا کہ اصل خط میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ میں نے اسے صرف ایک نقل پیش کر دی تھی۔

تو وزیر اعظم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

انھوں نے بے شمار قسمیں کھائیں ۔وزیر خارجہ کو گالیاں دیں اور مجھے اپنے محل میں بٹھا کر سیدھے خلیفہ کے پاس پہنچے اور واپس آ کر مجھے بتایا کہ خلیفہ نے وزیر خارجہ کو بلایا ہے۔خلیفہ کا ارادہ ہے کہ اسے محل میں بلا کر گرفتار کرلیا جائے ۔اس کے بعد اسی شام مجھے وزیر اعظم نے دوبارہ اپنے محل میں بلایا اور کہا کہ وزیر خارجہ روپوش ہے اوراس کی تلاش جاری ہے۔

ابھی تک وہ ملا ہے یانہیں؟

نہیں

اور اسکے باوجود آپ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ اور وزیر اعظم اس سازش میں شریک ہیں؟ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ وزیر خارجہ ایک طرف عالم اسلام اور دوسری طرف خلیفہ اور وزیر اعظم سے غداری کر رہا تھا اور اس کے روپوش ہو جانے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔

عمادالملک نے کہا۔ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہو اور دوپہر کے وقت خلیفہ کے ایلچی کے اس مطالبے نے کہ آپ فوراً میرے ساتھ چلیں، اسے شک میں ڈال دیا ہو۔لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خلیفہ کے پاس گیا ہو خلیفہ اور وزیر اعظم نے اپنی بدنامی کے ڈر سے اسے روپوش کر دیا ہو۔ممکن ہے اس نے اس شربت کا ایک آدھ گھونٹ پی لیا ہو جسے چکھ لینے کے بعد کوئی شخص خلیفہ کے محل کی بھول بھلیوں سے زندہ واپس نہیں نکلتا۔

اگر آپ کا خیال درست ہو کہ اس نے یہ سب کچھ خلیفہ یا وزیر اعظم کے حکم سے کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے زہر دے کر مروا دیا گیا ہو؟

ایسی اہم مہم کی ناکامی کے بعد خلیفہ اسے کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔

اگر مروانے کی بجائے کہیں چھپا دیا گیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم اس معاملے کی کھلی تحقیقات سے گھبراتے تھے۔ میری تسلی کے لیے انھیں یقیناً سزا دینی پڑی اور اپنی گردن پر جلاد کی تلوار دیکھ کر اسے خلیفہ یا وزیر اعظم کا راز چھپانے میں کوئی مصلحت نظر نہ آتی۔ وہ سب کچھ بتا دیتا۔

طاہر نے کہا۔ آپ تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھتے ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ سازش صرف وزیر خارجہ کی تھی اور وہ سزا کے خوف سے چھپ گیا ہے؟

میں اس بات کے امکان سے انکار نہیں کرتا لیکن حالات نے ہمیں ہر بات کے تاریک پہلو کو دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

طاہر نے کہا۔ آپ کو مجھ پر اعتماد ہے؟

عماد الملک نے جواب دیا۔ آپ پر اعتماد کرنے کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ آپ ایک بہادر نوجوان ہیں، ایک مجاہد کے بیٹے ہیں جس شخص کے ایمان کی شہادت صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار دے رہی ہو میں اس کے خلوص پر شبہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

آپ کو یقین ہے کہ چنگیز خان خوارزم پر حملہ کر دے گا؟

اگر وزیر خارجہ کا یہ پیغام اس کے پاس پہنچ چکا ہوتا تو وہ شاید اب تک حملہ بھی کر چکا ہوتا۔

اور اگر وزیر اعظم کی طرف سے اسے یہ پیغام مل جائے کہ حملے کی صورت میں بغداد کا ہر مسلمان خوارزم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے گا تو؟

تو مجھے یقین ہے کہ چنگیز خان کو عالم اسلام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات بھی نہیں ہو گی۔

اگر میں وزیر اعظم سے ایسا پیغام حاصل کرلوں تو کیا آپ خوارزم کی حدود عبور کرنے میں میری مدد کریں گے؟

میں وزیر اعظم کے ہر اقدام کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھوں گا لیکن اگر آپ ایسا پیغام حاصل کر سکیں تو مجھے یہ اطمینان ہو گا کہ قراقرم پہنچ کر ایسے پیغام کا مفہوم بدل نہیں جائے گا لیکن آپ اس بات کی توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وزیر اعظم ایسا پیغام بھی بھیجیں گے اور آپ کو ایلچی بھی بنائیں گے؟

اس سوال نے طاہر کو ایک لمحے کے لیے بدحواس کر دیا۔ اس کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اگر اس نے یہ بتا دیا کہ وزیر اعظم اسے چنگیز خان کے پاس بھیجنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے تو عماد الملک کے شکوک بڑھ جائیں گے۔ اس نے جواب دیا۔ میں وزیر اعظم سے یہ مطالبہ کروں گا۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں بغداد کی جامع مسجد میں یہ اعلان کروں گا کہ خلیفہ اور وزیر اعظم عالم اسلام کو چنگیز خان کے پاس فروخت کر چکے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ میری یہ آواز بغداد کے ہر بچے اور بوڑھے کی آواز بن جائے گی۔ میں آپ سے خوارزم سے گزرنے کے اجازت نامے کا مطالبہ صرف اس وقت کروں گا جب آپ کو وزیر اعظم کی تحریر دکھا لوں گا۔

عماد الملک نے جواب دیا۔ میں وزیر اعظم کی تحریر دیکھے بغیر بھی آپ کو اجازت نامہ لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں۔

طاہر نے اُٹھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ نہیں ابھی نہیں۔ میں وزیر اعظم سے ملاقات کے بعد آپ کے پاس پھر آؤں گا!

طاہر، عماد الملک کے مکان سے باہر نکلا تو سڑک پر زید آتا دکھائی دیا۔ زید نے بگڑ کر کہا۔ میں آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔ وزیر اعظم کا ایلچی آپ کو بلانے

آیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں آپ کو تلاش کر کے فوراً روانہ کر دوں۔ عجیب احمق آدمی تھا۔ وہ مجھے کہتا تھا کہ تم تو بالکل بدو معلوم ہوتے ہو اور میں نے جب اسے کشتی لڑنے کی دعوت دی تو قہقہہ لگاتا ہوا چل دیا۔

طاہر نے کہا۔ ہر ایک کو کشتی لڑنے کی دعوت نہیں دیا کرتے!

(۳)

پانچ دن کے بعد ایک شام نماز مغرب کے بعد عبدالعزیز اور عبدالمالک طاہر کے مکان پر پہنچے۔ طاہر ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ عبدالعزیز نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔ میرا خیال تھا کہ آپ سفر کا سامان درست کر رہے ہوں گے؟

طاہر نے اُٹھ کر ان کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔ سفر کی تیاری تو میں کل سے کر رہا ہوں لیکن آج وزیر اعظم نے خلیفہ کا یہ حکم سنا دیا کہ پرسوں ماہ رمضان شروع ہونے والا ہے۔ مجھے روزوں کے ساتھ سفر میں تکلیف ہوگی۔ اس لیے عید سے اگلے دن مجھے یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ تعجب ہے کہ خلیفہ آپ کی تکلیف کا اس قدر احساس رکھتے ہیں۔ کیا آپ چنگیز خان کے نام ان کا مکتوب حاصل کر لیا ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ وہ خط وزیر اعظم کے پاس ہے۔ میں اس کا مضمون پڑھ چکا ہوں اور اس پر خلیفہ کی مہر دیکھ چکا ہوں۔ وزیر نے عمادالملک کو بھی وہ خط دکھا دیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ رخصت کے دن مجھے وہ خط مل جائے گا۔

عبدالمالک نے کہا۔ لیکن آپ کے سفر کے التوا کے لیے ماہ رمضان کا بہانہ مجھے تسلی بخش نظر نہیں آتا۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ آپ روزہ رکھ کر بھی سفر کر سکتے

ہیں؟

طاہر نے کہا۔ میں نے تو بہت زور دیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ جو شخص عرب کی تپتی ہوئی ہواؤں میں روزے رکھنے کا عادی ہوا، اسے شمال مشرق کے پہاڑوں کی سرد ہوا میں سفر کرتے ہوئے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اس سفر کی اہمیت ایسی ہے کہ مجھے معمولی تکالیف کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ لیکن وزیر اعظم نے کہا۔ عید کے دن خلیفہ چوگان اور نیزہ بازی کا مقابلہ دیکھیں گے اور ان کی خواہش ہے کہ میں بھی اس میں ضرور حصہ لوں!

عبدالمالک نے کہا۔ یہ بہانہ اس سے بھی زیادہ نامعقول ہے۔ عزیز! تم بتاؤ جب چنگیز خان کی افواج خوارزم کی شمال مشرقی سرحد پر نقل و حرکت کر رہی ہیں اور خلیفہ اسے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو طاہر کو ایک ماہ اور یہاں روکنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

عبدالعزیز نے اپنی کشادہ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ خلیفہ اور وزیر اعظم کی مصلحتیں سمجھنا آسان نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رمضان کے آخر تک وہ اپنا ارادہ بدل دیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے خلیفہ کی قوت فیصلہ جواب دے چکی ہے اور اتنی بڑی چھلانگ لگانے سے پہلے ان کے لیے ایک ماہ یا ایک برس سوچنا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں مجھے ایک بات کا خدشہ ہے۔ طاہر! تمھارے ساتھ اور کون جا رہا ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ میں نے تم دونوں کے متعلق کہا تھا۔ لیکن وزیر اعظم نے میرے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ انھوں نے یہ کہا کہ میں اپنے ساتھ تین چار نوکر لے جا سکتا ہوں۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ ان نوکروں کا انتخاب آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا

جائے گا یا وزیر اعظم اپنی پسند کے آدمی بھیجیں گے؟

طاہر نے جواب دیا۔ یہ خدشہ خوارزم کے سفیر نے بھی ظاہر کیا تھا کہ میرا کوئی ساتھی وہاں جا کر خلیفہ کی طرف سے کوئی اور پیغام نہ سنا دے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ خلیفہ کا خط دیکھنے کے بعد چنگیز خان کسی معمولی آدمی کی بات پر اعتبار کر لے گا۔ اس کے علاوہ احتیاط کے طور پر عماد الملک راستے کی چوکیوں کو مطلع کر دے گا کہ اگر میرے سوا کسی اور کو تلاشی لیے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ میں خود بھی ان کی دیکھ بھال کرتا جاؤں گا۔

عبدالمالک نے کہا۔ اگر ان میں سے کسی نے تاتاری سفیر کی کوئی نشانی وہاں جا کر پیش کر دی تو؟

طاہر نے کہا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں نے یہاں تک انتظام کر لیا ہے کہ مملکت تاتار میں داخل ہونے سے پہلے ان کا لباس اور جوتے تک تبدیل کر دیے جائیں۔

عبدالعزیز نے کہا۔ لیکن پھر بھی آپ ہوشیار رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خوارزم کی حدود عبور کرنے کے بعد آپ کسی سرائے میں رات کے وقت سو رہے ہوں اور جب صبح کے وقت بیدار ہوں تو آپ کے ساتھی خلیفہ کے خط سمیت غائب ہو چکے ہوں۔ آپ انھیں تلاش کرتے رہیں اور وہ قراقرم پہنچ چکے ہوں۔

طاہر تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ بالآخر اس نے کہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ انھیں کم از کم یہ احساس ضرور ہو گا کہ وہ میرے بغیر واپس نہیں آ سکیں گے۔

لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھیں قراقرم کی آب و ہوا بغداد سے زیادہ پسند آ جائے۔ اس لیے کم از کم زید کو ضرور ساتھ لیتے جائیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ زید کو میں گھر کی حفاظت کے لیے یہاں ٹھہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیے۔ یہاں سے خواہ میرے ساتھ کیسے ہی آدمی کیوں نہ جائیں۔ وہ ایک منزل طے کرنے کے بعد خلیفہ یا وزیر اعظم کی بجائے میرے زیر اثر ہوں گے۔ اگر انعام کی ہوس کسی آدمی کو غدار بنا سکتی ہے تو زیادہ انعام کی ہوس اسے راہ راست پر بھی لا سکتی ہے۔

عبدالمالک نے کہا۔ میں موجودہ وزیر خارجہ مہلب بن داؤد کو ایک خطرناک آدمی سمجھتا ہوں۔ دو سال وہ بغداد میں بالکل اجنبی تھا لیکن چند ماہ پہلے یہ حالت ہے کہ دن میں ایک بار خلیفہ سے اس کی ملاقات ضرور ہوتی ہے۔ وحیدالدین کے روپوش ہونے سے پہلے وہ اس کا نائب تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وحیدالدین سے زیادہ خلیفہ کے ساتھ اس کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور بعض ملاقاتوں میں وہ چنگیز خان کے سفیر کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ اس کا کوئی آدمی آپ کے ساتھ نہ جائے۔

طاہر نے کہا۔ میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مہلب بن داؤد کہاں سے آیا ہے؟

عبدالمالک نے جواب دیا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس بے پناہ دولت ہے اور خلیفہ اور شہزادہ مستنصر کو بیش قیمت تحائف پیش کر چکا ہے۔

(۴)

صفیہ علی الصباح گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ کمرے کی دھندلی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھ کر اس نے مغموم سی صورت بنا کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آج پھر وہ

ایک سہانا سپنا دیکھ چکی تھی۔ آج پھر اُس نے دلکش فضاؤں میں پرواز کی تھی جہاں آزاد پرندے محبت کے گیت گاتے تھے۔ اس نے خاموش نگاہوں سے کسی کے سامنے التجائیں کی تھیں اور کسی نے ان التجاؤں کے جواب میں یہ کہا تھا۔ صفیہ! نادان نہ بنو۔ ہماری زندگی کے راستے مختلف ہیں!

صفیہ نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ میرے بدو! تم بہت ضدی ہو!

وہ دوبارہ آنکھیں کھول کر اٹھی اور دوسرے کمرے میں جا کر وضو کرنے کے بعد نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ نماز کے بعد اس نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اور حسب معمول آج بھی اس کی دُعا کا آخری فقرہ یہ تھا۔ میرے اللہ! اسے ہر آفت سے بچانا!!۔

دُعا ختم کرنے کے بعد صفیہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دریچہ کھول کر بائیں باغ کی طرف جھانکنے لگی۔ پھر میٹھے اور ہلکے سروں میں ایک گیت گاتی ہوئی دوسری دیوار کے ساتھ قدِ آدم آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز جو موسم بہار کے پرندوں سے کہیں زیادہ شیریں تھی، آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آئینے میں ایک اور صورت دیکھ کر وہ اچانک خاموش ہوگئی۔

اس نے جلدی سے پیچھے مُڑ کر قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قاسم تم؟

قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ صفیہ! تم خاموش ہوگئیں؟

تمہاری آواز۔۔۔۔۔!!

صفیہ نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میری آواز بہت اچھی ہے لیکن تمہیں چوروں کی طرح میرے کمرے میں آنے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔

۔تشریف لے جاؤ ورنہ سکینہ کو آواز دیتی ہوں!

قاسم نے کہا۔صفیہ! میں نے کیا خطا کی ہے۔ تمھیں مجھ سے اس قدر نفرت کیوں ہے اور تمہارے یہ نغمے اگر میرے لیے نہ تھے کس کے لی تھے؟

صفیہ! مجھے اس قدر نہ ستاؤ۔تم جانتی ہو میں تمھیں کس قدر چاہتا ہوں۔ میں۔۔۔!

صفیہ نے غصے سے لال پیلی ہوتے ہوئے کہا۔قاسم جاؤ! ابھی تک تمھارے دماغ پر رات کی شراب کا اثر باقی ہے۔

قاسم نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔صفیہ! تمھیں معلوم ہے کہ میں شراب ترک کر چکا ہوں لیکن اگر میری کوئی عادت بُری بھی ہو تو زندگی کے طویل سفر میں ہم دونوں ایک کشتی پر سوار ہوں گے۔اس لیے مجھے اس قدر ناقدانہ نظروں سے دیکھنے عادت ترک کر دو۔ہم دونوں کے لیے بہتر ہو گا۔

صفیہ نے تنک کر جواب دیا۔قاسم جاؤ! میں تمھاری کشتی میں سوار ہونے کی بجائے دریا کے بھنور میں ڈوب مرنے کو ترجیح دوں گی۔

قاسم نے خفیف سا ہو کر کہا۔ اس قدر سرد مہری ٹھیک نہیں۔ مجھ میں ہزار خامیاں ہوں لیکن میں تمھارا ہوں۔ میں تمہاری ایک مسکراہٹ کے لیے موت سے کھیل سکتا ہوں۔آگ میں کود سکتا ہوں۔ پہاڑوں سے ٹکرا سکتا ہوں۔ میں تمہارے لیے۔۔۔۔!

صفیہ نے کہا۔ہاں ہاں رُک کیوں گئے؟ کہو میں تمہارے لیے آسمان کے تارے نوچ سکتا ہوں۔سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر موتی نکال سکتا ہوں۔ بڑے بڑے جابر شہنشاہوں کے تاج اُتار سکتا ہوں۔آندھیوں سے لڑ سکتا ہوں۔

طوفانوں سے کھیل سکتا ہوں لیکن ایک انسان نہیں بن سکتا۔ قاسم تمھیں یہ غلط فہمی کب سے ہوئی کہ تم ایک شاعر بھی ہو؟

قاسم نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ صفیہ! میرے جذبات کی توہین نہ کرو۔ میں شاعر نہیں۔

تمہارے جذبات! وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان کی توہین کی رائے تم اگر یہاں ٹھہرنے پر مصر ہو تو میں جاتی ہوں۔ لیکن میرا پیچھا کیا تو میں سیدھی چچا کے پاس جاؤں گی!

صفیہ یہ کہہ کر قاسم کی طرف غصے اور نفرت سے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

محل کے باغ سے چند پھول توڑنے کے بعد صفیہ درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچی، شاخوں سے شبنم کے قطرے گر رہے تھے۔ لیکن صفیہ کو ان کا احساس تک نہ تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں طاہر کے ساتھ تنہائی میں اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی اور جب سے طاہر خلیفہ کا پیغام لے کر قراقرم کی طرف روانہ ہوا تھا۔ باغ کا یہ گوشہ اس کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ ان درختوں کے پتے، پھل اور پھول اُسے دوسرے درختوں سے مختلف نظر آتے تھے۔

آج قاسم کی ملاقات کے بعد وہ اپنے دل پر ایک بھاری بوجھ لے کر یہاں آئی تھی۔ سورج کی ابتدائی کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ صفیہ نے آسمان کی طرف دیکھا اور انتہائی مغموم آواز میں کہا:۔

طاہر! تمھیں شاید معلوم بھی نہ ہو کہ میں کون ہوں اور تم میرے لیے کیا بن چکے ہو۔

حصہ دوم۔۔۔۔۔خلفیہ کا ایلچی

خوارزم کی حدود عبور کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھیوں کو مملکتِ تاتار کی سرحدی چوکی پر کچھ مدت رکنا پڑا۔ چوکی کے افسر نے انھیں ہر ممکن سہولت پہنچانے کی کوشش کی۔ تاہم طاہر یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی ایک خیمے میں نظر بند کردیے گئے ہیں۔ انھیں آس پاس کی پہاڑیوں پر گھومنے کی اجازت نہ تھی۔ طاہر ٹوٹی پھوٹی تاتاری زبان میں کسی سپاہی سے کوئی سوال پوچھتا تو اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ چونکہ کے افسر کے سوا کسی کو ان کے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تاتاری جاسوس ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے تھے۔ طاہر نے چوکی کے افسر کو بارہا یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ چنگیز خان کے نام خلیفہ بغداد کی طرف سے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہے لیکن اسے ہر بار یہی جواب ملتا۔ خان اعظم کے پاس پیغام بھیج دیا گیا ہے۔ ان کی ہدایات ملتے ہی آپ کو روانہ کردیا جائے گا۔

قریباً تین ہفتوں کے بعد ایک تاتاری افسر چند سپاہیوں کے ہمراہ اس چوکی پر پہنچا اور اس نے طاہر کی گزشتہ تکالیف پر اظہارِ معذرت کے بعد بتایا کہ۔ خان اعظم نے آپ کو شرف باریابی بخشا ہے۔

چند ہفتے اس افسر کی رہنمائی میں دشوار گزار پہاڑی راستے طے کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھی ایک دن کوہ قراقرم کی اس وادی میں داخل ہوئے جس میں حدِ نگاہ تک چنگیز خان کی افواج کے خیمے دکھائی دیتے تھے اور اس وادی کے چاروں اطراف بلند پہاڑ تھے۔

بغداد سے وزیر اعظم نے طاہر کے ساتھ تین آدمی روانہ کیے تھے۔ دو ایرانی تھے جن میں سے ایک کا نام کمال اور دوسرے کا نام ابو اسحٰق تھا۔ تیسرے کا نام جمیل

تھا اور یہ عراقی تھا۔ یہ تینوں سفر کے دوران وزیر اعظم کی ہدایات کے مطابق نہایت مستعدی سے طاہر کے احکام کی تعمیل کرتے رہے۔ راستے میں کئی بار ان کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ اس لیے طاہر کو یہ اطمینان تھا اگر ان میں سے کوئی خلیفہ یا وزیر اعظم کی طرف سے کوئی خفیہ پیغام بھی لے کر آیا ہو تو بھی چنگیز خان کو اپنی صداقت کا یقین دلانے کے لیے وہ کوئی نشانی پیش نہیں کر سکے گا۔

لیکن مملکتِ تاتار میں داخل ہوتے ہی طاہر کو اس بات کی پریشانی ہوئی کہ اس کے ساتھیوں میں سے ابو اسحٰق تاتاری زبان میں کافی دسترس رکھتا تھا اور وہ چنگیز خان کی جائے قیام تک پہنچتے پہنچتے تاتاری افسر سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ سفر کے دوران اس نے کئی مرتبہ تاتاری افسر اور ابو اسحٰق کو باقی قافلے سے آگے نکل کر یا پیچھے رہ کر نہایت رازدارانہ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا۔

خیموں کے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد یہاں چنگیز خان اور اس کی افواج تسخیر عالم کی تیاریوں میں مصروف تھیں، تاتاری افسر ایک کشادہ خیمے کے سامنے رُکا اور گھوڑے سے اتر کر طاہر سے مخاطب ہوا۔ آپ اس خیمے میں آرام کریں۔ میں خان اعظم کو اطلاع دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے چند سپاہیوں کو جو خیمے سے باہر کھڑے ان کی راہ دیکھ رہے تھے، اشارہ کیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر طاہر اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور وہ گھوڑے سے اُتر کر ایک اور افسر کی رہنمائی میں خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ یہ خیمہ مخمل کے پردوں اور ایرانی قالینوں سے سجا ہوا تھا۔

طاہر اور اس کے ساتھیوں نے عصر کی نماز ادا کی۔ دُعا کے بعد طاہر نے ابو اسحٰق

سے سوال کیا۔تم راستے میں اس تاتاری افسر کے ساتھ کیا باتیں کر رہے تھے؟

ابو اسحٰق نے ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور جواب دیا، کچھ نہیں، وہ مجھے چنگیز خان اور میں اسے اپنے خلیفہ کے متعلق بتا رہا تھا۔

تم تمام راستے مجھ سے یہ بات کیوں چھپاتے رہے کہ تم تاتاری زبان جانتے ہو؟

اگر آپ مجھ سے پوچھتے تو میں آپ کو بتا دیتا۔

وزیر اعظم کو معلوم تھا کہ تم تاتاری زبان جانتے ہو؟

اسحٰق نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا۔وزیر اعظم مجھ جیسے معمولی آدمی کے متعلق اس قدر واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت کب محسوس کرتے ہیں؟ آپ کو یہاں کسی کے ساتھ ہم کلام ہونے پر اعتراض ہو تو میں آئندہ نہیں بولوں گا۔

مجھے تمہارے ہم کلام ہونے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر تم سے کوئی بغداد کے متعلق سوال کرے تو سوچ سمجھ کر جواب دینا!

ابو اسحٰق نے جواب دیا مجھے اپنے فرض کا احساس ہے۔

تھوڑی دیر بعد تاتاری افسران کے خیمے میں داخل ہوا اور اس نے طاہر سے کہا ۔

خان اعظم صبح آپ سے ملاقات کریں گے۔میں نے آپ کے خورد و نوش کا انتظام ایک ایرانی ملازم کے سپرد کر دیا ہے۔وہ آپ کا مسلمان بھائی ہے۔اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔

جس وقت طاہر تاتاری افسر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ابو اسحٰق خیمے سے اُٹھ کر باہر نکل گیا اور جب یہ افسر رخصت ہو تو طاہر اٹھا اور خیمے کے دروازے میں کھڑا

ہو کر باہر جھانکنے لگا۔ ابو اسحٰق چند قدم کے فاصلے پر تاتاری افسر سے باتیں کر رہا تھا۔

شام کے وقت طاہر کے تینوں ساتھی وادی میں چکر لگانے کے بہانے باہر نکل گئے اور اس وقت واپس آئے جب وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کا ارادہ کر رہا تھا۔

طاہر نے انھیں سخت سست کہا تو ابو اسحٰق بولا۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو گی۔ یہ تاتاری لوگ بڑے وحشی ہیں۔ ہم سیر کے لیے نکلے تھے ایک خیمے کے پاس ہمیں چند سپاہیوں نے گھیر لیا اور زبردستی ہم تینوں کے سر مونڈ کر ہماری کھوپڑیوں پر سیاہی مل دی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ یہ کہتے ہوئے ابو اسحٰق نے اپنا عمامہ اتار دیا اور کہا۔ دیکھیے۔ انھوں نے ہماری کیا گت بنائی ہے۔

ابو اسحٰق اور اس کے ساتھیوں کے سر واقعی منڈے ہوئے تھے اور بالوں کی جگہ ان پر سیاہ روغن چمک رہا تھا۔

طاہر نے کہا۔ عجب احمق ہیں یہ لوگ۔ میں چنگیز خان کے سامنے اس بدسلوکی پر احتجاج کروں گا!

ابو اسحٰق نے کہا یہاں سر مونڈنا نئی بات نہیں۔ ایک افسر کہہ رہا تھا کہ مہمان کا سر مونڈنا بھی یہاں مہمان نوازی میں داخل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے اپنے خنجروں کی تیزی کی آزمائش کے لیے ہمارے سروں کے بال ہی منتخب کیے ورنہ ایک تاتاری کے ہاتھ کو اپنی شاہ رگ سے اس قدر قریب دیکھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

(۴)

اگلی صبح چنگیز خان کے ایلچی کے ساتھ شاہی ایوان کی طرف چل دیا۔۔۔ شاہی ایوان اس وادی کے ایک سرے پر چند خوبصورت خیموں پر مشتمل تھا۔ پہاڑی کے

اُوپر جانے والی سڑک کے نچلے سرے پر دائیں اور بائیں انسانی کھوپڑیوں سے دو بلند مینار تعمیر کیے گئے تھے اور سڑک کے دونوں کناروں پر نیچے سے اوپر تک کھوپڑیوں کی قطاریں بنائی گئی تھیں۔ طاہر کے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے تاتاری افسر نے کہا۔ یہ صرف بڑے بڑے سرداروں کی کھوپڑیاں ہیں۔ انھیں ان کی حیثیت کے مطابق جگہ دی گئی ہے۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی کھوپڑیاں یہاں نہیں لائی گئیں۔ اوپر خان اعظم کے خیمے کے سامنے آپ ان حکمرانوں اور فوجی رہنماؤں کی کھوپڑیوں کا انبار دیکھیں گے جنھوں نے ہماری عظمت کے سامنے سربسجود ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اُونچے گھرانوں کی حسین بیگمات جنھوں نے خان اعظم اور شہزادوں کی خدمت سے انکار کر دیا تھا ان کی کھوپڑیوں سے ایک چھوٹا سا مینار ملکہ تاتار کے خیمے کے سامنے تعمیر کیا گیا ہے۔

پہاڑی پر چڑھتے ہوئے کہا۔ وہ دیکھیے اس پہاڑی پر خان اعظم کا عالیشان محل تعمیر ہو رہا ہے۔ ان پہاڑوں میں اعلیٰ قسم کے پتھر نایاب ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بغداد، بخارا اور سمرقند کی عمارتوں میں بہترین قسم کے سرخ اور سفید پتھر لگائے گئے ہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ لیکن وہ پتھر خوب صورت ہونے علاوہ سخت بھی ہیں۔ آپ کے خان اعظم انسانی کھوپڑیوں کا محل تعمیر کیوں نہیں کرتے؟

اگر انسانی کھوپڑیاں اینٹوں کا کام دے سکتیں تو ہمارے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔ شمال مغرب اور شمال مشرق کے شہروں میں کھوپڑیوں کے کئی انبار بے کار پڑے ہوئے ہیں۔

پہاڑی کی چوٹی پر ایک کشادہ اور ہموار میدان میں بیش قیمت قالین بچھے

ہوئے تھے اور اس میدان کے تین اطراف خیموں کی قطاریں تھیں۔ جا بجا پہرے دار ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ ایلچی درمیان کے ایک خیمے کے سامنے رُکا اور طاہر کو باہر ٹھہرا کر اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس طاہر کو اندر لے گیا۔

دو کشادہ کمروں میں گزرنے کے بعد طاہر تیسرے اور نسبتاً چھوٹے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے ایک طرف کوئی چار بالشت اونچا چبوترا تھا جس پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ چبوترے کے نیچے ایک قطار میں چند تاج رکھے تھے۔

کمرے میں ایک عمر رسیدہ شخص جو اپنے جبہ و دستار سے ایک مسلمان عالم معلوم ہوتا تھا۔ کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر طاہر کی طرف مصحافے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا۔ میں خاقان تاتار کی مملکت میں اپنے ایک مسلمان بھائی کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

طاہر نے اس کے ساتھ مصحافہ کرتے ہوئے اپنے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس کی اور قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟

میں خاقان تاتار جوہر شناس بھی ہیں اور فیاض بھی۔ میں یہاں تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ آیا تھا۔ خاقان اعظم کو ایک مترجم کی ضرورت تھی۔ انھوں نے مجھے چند ماہ کے لیے اپنے ٹھہرا لیا لیکن اس کے بعد ان کی اقدار افزائی نے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ خاقان اعظم تشریف لانے والے ہیں، میں آپ کو چند باتیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ زیادہ خوشامد پسند نہیں کرتے لیکن بے تکلفی اور گستاخی کو قطعاً قابل معافی نہیں سمجھتے۔ اگر آپ تاتاری زبان میں بات کریں گے تو وہ آپ سے بہت خوش ہوں گے، اگر آپ تاتاری زبان میں بات کرنا نہ جانتے ہوں تو انھیں چینی زبان بھی پسند ہے۔ ان دونوں زبانوں کے بعد خاقان اعظم

فارسی کو ترجیح دیتے ہیں۔وہ اس زبان کے چند الفاظ سیکھ چکے ہیں لیکن عربی زبان سے انھیں وحشت ہوتی ہے۔

طاہر نے جواب دیا مشورے کا شکریہ۔لیکن میں تاتاری اور چینی زبان سے ناواقف ہوں۔فارسی جانتا ہوں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آپ کی ترجمانی کے باوجود اپنی فراست سے کام لے کر میرا مطلب سمجھنے میں غلطی نہ کریں۔اگر آپ کو عربی زبان کا ترجمہ کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہو تو اور بات ہے ورنہ میں اظہار مُدعا کے لیے عربی زبان کو زیادہ موزوں سمجھتا ہوں اور اگر وہ ترکی اچھی طرح سمجھتے ہیں تو میں وہ بھی جانتا ہوں۔

کہیں یہ غضب نہ کر بیٹھنا۔جب سے خوارزم شاہ نے خان موصوف کے ایلچی کو قتل کیا ہے۔انھیں ترکی سے سخت نفرت ہوگئی ہے اور دوران گفتگو میں یہ خیال رکھیے کہ آپ کی آواز خاقان اعظم کی آواز سے زیادہ بلند نہ ہو۔آپ خوش نصیب ہیں کہ خاقان اعظم نے آپ کو تخلئے میں مشرف ملاقات بخشا ہے۔تخلیے میں ان کا دست مبارک دربار کی نسبت زیادہ فیاض ہوتا ہے۔

طاہر نے کہا میں آپ کے نیک مشوروں کا پھر ایک بار شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن آپ میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔میں یہاں پیٹ کی خاطر نہیں آیا۔

(۳)

مترجم اپنی خفت مٹانے کے لیے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن چبوترے کے عقب سے دروازے کا پردہ اُٹھا اور اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا خانِ اعظم تشریف لارہے ہیں۔

ایک لمحے بعد طاہر چبوترے پر اس جابر و قاہر انسان کو دیکھ رہا تھا جس کی

وحشت اور بربریت کے افسانے مشرق و مغرب میں مشہور ہو چکے تھے۔ مترجم دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر رکوع کی حالت میں کھڑا تھا۔ چنگیز خان نے ایک نگاہ غلط انداز سے طاہر کی طرف دیکھا اور چبوترے پر بیٹھ گیا۔ مترجم بھی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اس بات پر اظہار ملال کر رہی تھیں کہ طاہر نے اس کی تقلید نہیں کی۔ طاہر بدستور چنگیز خان کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ ایک ایسی گستاخی تھی جسے بھرے دربار میں شاید تاتاری سردار برداشت نہ کرتے اور تخلیے میں مترجم برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر کار اس نے آہستہ سے کہہ ہی دیا نگاہیں نیچی رکھو!

لیکن طاہر پر اس تنبیہہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد خلیفہ بغداد کے ایلچی اور تاتاریوں کے شہنشاہ کی گفتگو کی ابتداء یوں ہوئی۔

مترجم: چنگیز خان سے مخاطب ہو کر۔ خلیفہ بغداد کا ایلچی خاقان اعظم شہنشاہ تاتار کو جن کی شفقت کا ہاتھ دوستوں کے لیے باعث رحمت ہے اور جنگی تلوار دشمن کے سر پر صاعقہ بن کر کوندتی ہے نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلام عرض کرتا ہے

۔

چنگیز خان: ہم بغداد کے ایلچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسے اطمینان دلایا جائے کہ یہاں اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔

مترجم: طاہر سے مخاطب ہو کر عربی زبانی میں شہنشاہِ والا تبار آپ کی آمد پر اظہار مسرت فرماتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں آپ کی گھبراہٹ بلاوجہ ہے۔ آپ کو الطاف خسروانہ سے مالا مال کر کے واپس بھیجا جائیگا۔

طاہر: میں انعامات کی تمنا لے کر یہاں نہیں آیا۔ اگر شاہ تاتار اس قدر مہربان ہیں تو مجھے خلیفہ کا خط پیش کرنے کے بعد اسلام کی تبلیغ کا موقع دیں۔ یہ میرے لیے

سب سے بڑا انعام ہوگا۔

مترجم: خلیفہ کا قاصد خاقان تاتار کی نظر عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہے اور خلیفہ بغداد کا خط پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

چنگیز خان: اجازت ہے۔

مترجم: خاقان اعظم کا حکم دیتے ہیں کہ خلیفہ کا مکتوب پیش کیا جائے۔

طاہر نے آگے بڑھ کر حریر میں لپٹا ہوا مکتوب پیش کیا۔ چنگیز خان نے اسے کھولا اور مترجم کو دیتے ہوئے پڑھ کر سُنانے کا حکم دیا۔ عربی زبان میں خط کا مختصر مفہوم یہ تھا۔

"تاتاریوں کے بادشاہ چنگیز خان کو واضح ہو کہ ہم پر خدا اور رسول کی طرف سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کی عزت و آبرو اور آزادی کا فرض عائد ہوتا ہے۔ شاہ خوارزم کے ساتھ ہمارے چند اختلافات ہیں لیکن عالمِ اسلام پر کسی بیرونی خطرے کی مدافعت کے لیے ہم نہ صرف خوارزم شاہ کی حمایت کا اعلان کرنے پر مجبور ہونگے بلکہ اس کے جھنڈے تلے معمولی سپاہیوں کی حیثیت سے لڑنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھیں گے۔ اگر یہ درست ہے کہ شاہ تاتار خوارزم کی سرحد پر افواج جمع کر رہا ہے تو ہم اسے متنبہ کرتے ہیں کہ خوارزم کے خلاف اس اعلان جنگ عالم اسلام کے خلاف اعلان جنگ سمجھا جائے گا۔ اس خط کے جواب میں ہم شاہ تاتار کا یہ اعلان سُننا چاہتے ہیں کہ ان کی افواج خوارزم پر حملہ نہیں کرے گی۔"

مشرق و مغرب کی دوسری اسلامی سلطنتیں آپ کے خلاف صحرا کی آندھیوں کی طرح اُٹھ کھڑی ہوں گی۔

مترجم: خلیفہ کا ایلچی نہایت ادب و احترام کے ساتھ خان اعظم کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ حضور کا پیغام خلیفہ کے گوش گزار کر دیا جائے گا۔ آپ کا یہ وعدہ اسلامی دنیا کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اگر آپ نے خوارزم پر حملہ کر دیا تو بغداد اور دوسری اسلامی سلطنتوں کے عوام اپنی حکومتوں کو خوارزم کا ساتھ دینے پر مجبور کریں گے اور ان سب کو تاتاری افواج کے سیل رواں کے سامنے المناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چنگیز خان: ہم کسی کو دوست کہنے کے بعد اس کی طرف سے بد اعتمادی پسند نہیں کرتے۔

مترجم: (طاہر کی طرف گھورتے ہوئے) خان اعظم اس اظہار بد اعتمادی پر بہت خفا ہوئے ہیں۔ اس لیے براہ کرم خاموش رہو!

طاہر: بہت اچھا۔ اب میں خان اعظم کے سامنے تبلیغ کی اجازت چاہتا ہوں!

مترجم (بذبذب سا ہو کر) خلیفہ کا ایلچی اہل تاتار کے مذہبی عقائد سے بہت متاثر ہوا ہے اور اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اسلام کے متعلق کچھ کہنے کی اجازت دی جائے۔

چنگیز خان: اسے ہماری طرف سے یقین دلایا جائے کہ ہم وفادار مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتے۔

مترجم: (طاہر سے مخاطب ہو کر) خان اعظم بہت مصروف ہیں اور آپ کو رخصت کی اجازت دیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ وفادار مسلمانوں سے انھیں

کوئی پرخاش نہیں۔

طاہر: نے پریشان ہوکر مترجم کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر وہ اس وقت مصروف ہیں تو مجھے کسی اور وقت تبلیغ کا موقع دیا جائے۔

چنگیز خان نے پوچھا۔ خلیفہ کا ایلچی کیا کہتا ہے۔

مترجم نے کہا۔ یہ حضور کا شکریہ ادا کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ اگر حضور کسی بات پر خفا ہو گئے ہوں تو اسے معاف کیا جائے۔

چنگیز خان نے کہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری مصروفیات ہمیں زیادہ دیر بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی ورنہ خلیفہ کا ایلچی کافی دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ پوچھا جائے کہ وہ کب روانہ ہونا چاہتا ہے؟

مترجم نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ خان موصوف فرماتے ہیں کہ ہم بہت مصروف ہیں اس لیے دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ سردیاں شروع ہونے والی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ تم فوراً بغداد روانہ ہو جاؤ۔ یہاں بہت سے مسلمان علماء ایسے ہیں جو ہمیں اسلام کے متعلق بتاتے رہتے ہیں۔

چنگیز خان عقب کے کمرے میں چلا گیا:۔

(۴)

خیمے سے باہر چنگیز خان کے لڑکے اور چند تاتاری سردار ایک قالین پر دھوپ میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نوجوان کے استفسار پر مترجم نے طاہر کو ان کے ساتھ متعارف کرایا۔ انھوں نے طاہر کو اپنے پاس بٹھا لیا اور بغداد کے متعلق سوالات شروع کر دیے۔ طاہر نے بعض سوالات کا جواب لیکن جب اس سے بغداد کی فوج کی تعداد اور قلعوں کی مضبوطی کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا

میں ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔

چنگیز خان کے ایک بیٹے نے کہا۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم نے یہ سوالات کسی بُرے ارادے سے نہیں پوچھے۔ بغداد کے ساتھ ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں اور ہم اپنے دوستوں کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ باہر کی دنیا کے متعلق ہماری معلومات اس قدر ناقص نہیں یہ دیکھیے!

چنگیز خان کے بیٹے نے اپنی جیب سے رومال نکال کر طاہر کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔ شاید آپ نے بغداد کا اس سے زیادہ مکمل نقشہ پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔

رومال پر بنا ہوا نقشہ اس قدر مکمل تھا کہ طاہر کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

ایک تاتاری سردار نے طاہر کی طرف معنی خیز تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا: اب آپ ہمارے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کر سکتے ہیں۔

طاہر ابھی تک نقشہ دیکھ رہا تھا کہ ایک خادم نے آ کر تاتاری زبان میں کچھ کہا اور یہ لوگ اُٹھ کر خیمے کی طرف چل دیے۔ طاہر جب یہ رومال واپس دینے لگا تو چنگیز خان کے بیٹے نے کہا۔ اگر آپ کو یہ نقشہ پسند ہو تو آپ اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں میرے پاس اور نقشے موجود ہیں۔

طاہر نے جواب دیا نہیں۔ بغداد کا نقشہ میرے دل پر لکھا ہوا ہے۔

جب یہ لوگ ایک خیمے کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ مترجم نے طاہر سے کہا: آپ بھی غضب کرتے ہیں۔ بھلا اس شخص کے دل میں انسانی کھوپڑیوں کے محل تعمیر کرتا ہے، اسلام کے لیے کیا جگہ ہو سکتی ہے۔؟

طاہر نے جواب دیا۔ مجھے اس کی اعتناعی کا افسوس نہیں لیکن اس بات افسوس

ضرور ہے کہ مجھے اپنا فرض پورا کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مترجم نے کہا۔ آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے خان اعظم پر آپ کے بہت سے الفاظ کی تلخی ظاہر نہیں ہونے دی۔

طاہر نے چونک کر کہا آپ کا مطلب ہے کہ آپ میری باتوں کا مفہوم بدلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں؟

مترجم نے ایک منافقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ نہیں میں نے آپ کے بعض خیالات کی ترجمانی ذرا مہذب طریقے سے کر دی تھی۔

طاہر نے پوچھا مہذب طریقے سے آپ کی مراد فدویانہ طریقہ ہے؟

مترجم نے جواب دیا۔ مہذب طریقے سے میری مراد وہ طریقہ ہے جس کی بدولت آج ہمیں دھکے دے کر دربار سے نہیں نکالا گیا۔ آپ کے ساتھ تو شاید رعایت برتی جاتی، مجھ پر غصہ ضرور نکالا جاتا۔

طاہر نے کہا۔ جب میں یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کی کسی ایک سلطنت پر حملے کی صورت میں تاتاریوں کے خلاف ساری دنیا کے مسلمان متحد ہو جائیں گے تو چنگیز خان کی مسکراہٹ یہ ثابت کرتی تھی کہ اسے یا تو اپنی فوجی قوت پر بہت ناز ہے اور یا وہ میرے الفاظ کو ایک کھلی دھمکی سمجھتا ہے؟

مترجم نے کہا۔ خان اعظم موت کے دروازے پر کھڑا ہو کر بھی مسکرانے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جانتا ہے کہ اقوام کی قسمت کا فیصلہ الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ہوتا ہے۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو بغداد واپس پہنچ کر تاتاریوں کی فوجی قیادت کے متعلق خلیفہ کی غلط فہمی دور کرنا اپنا فرض سمجھتا۔ آپ نے ابھی تک کچھ دیکھا نہیں میرے ساتھ آیئے!

طاہر مترجم کے ساتھ پہاڑی کے گرد چکر لگاتا ہوا دوسری طرف پہنچا۔ اس طرف بھی پہاڑی کے نیچے ایک وسیع وادی میں چھوٹے چھوٹے بے شمار خیمے نصب تھے۔ مترجم نے ایک جگہ رُک کر ان خیموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ پہاڑ کا یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوتا ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس قسم کی کتنی اور وادیوں میں تاتاریوں کی ٹڈی دل بکھری ہوئی ہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ افواج خوارزم پر حملہ کریں گی یا نہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر خان اعظم نے خوارزم شاہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا ارادہ نہیں بدل سکے گی۔ اور خوارزم شاہ کی حمایت کے لیے اگر تمام اسلامی سلطنتوں کی افواج بھی میدان میں آ گئیں تو بھی تاتاریوں کا سیلاب انھیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ وہ پہاڑی ندی کے سیلاب کے سامنے ریت کا ایک ڈھیر ثابت ہوں گے۔ اس لیے آپ کو بغداد کے ساتھ ہمدردی ہے تو خلیفہ کو ایسے شخص کے ساتھ بگاڑنے کا مشورہ نہ دیں جو اپنے دشمنوں پر خدا کا قہر بن کر نازل ہوتا ہے۔

طاہر نے برہم ہو کر جواب دیا۔ آپ ضرورت سے زیادہ چنگیز خان کا حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ مجھ ان سب طریقوں کا علم ہے جو چنگیز خان اپنے حریفوں کو مرعوب کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ انتشار کی وجہ سے عالم اسلام بہت کمزور ہو چکا ہے۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود ہم برسوں مغرب کے نصرانیوں کی ٹڈی دل افواج کو پے در پے شکستیں دے چکے ہیں۔ اور چنگیز خان کی افواج ان سے زیادہ نہیں اور نہ خوارزم اور بغداد کی فوجیں مصر اور شام کی افواج سے کم ہوں گی۔ مغرب کی ٹڈی دل افواج کے مقابلے کے لیے ہم شام، فلسطین اور مصر کے کسی میدان میں پچاس ہزار سے زیادہ افواج لا سکے لیکن تاتاریوں کے

مقابلے کے لیے بغداد سے تین لاکھ اور خوارزم سے چار لاکھ افواج میدان میں لا سکتے ہیں۔ اگر آپ نے مجھے خلیفہ کا خیر خواہ سمجھ کر اسے تاتاریوں کی طاقت سے مرعوب ہونے کا مشورہ دیا ہے تو میں آپ کو چنگیز خان کا وفادار سمجھ کر مشورہ دیتا ہوں کہ عالم اسلام کی قوتِ مدافعت کے متعلق اس کی غلط فہمی دور کریں!

مترجم نے جواب دیا۔ چنگیز خان احساس کمتری میں مبتلا ہو جانے والے انسانوں میں سے نہیں لیکن خلیفہ بغداد اپنے احساس کمتری کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ خلیفہ کو نہ صرف احساس ہے کہ خوارزم شاہ خان اعظم کے حملے کی تاب نہ لا سکے گا بلکہ اسے یہ بھی یقین ہے کہ خلیفہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔۔۔ اگر خوارزم اور بغداد کی فوجی قوت پر اعتماد ہوتا تو وہ چنگیز خان کو آپ کی وساطت سے یہ درخواست نہ بھیجتا کہ خوارزم پر حملہ نہ کرو۔ ایک طاقت ور انسان اپنے حریف سے کبھی یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر حملہ نہ کرو ورنہ اس کے نتائج برے ہوں گے۔ اسے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ وقت آنے پر اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکے گا۔

طاہر نے کہا۔ اس پیغام سے خلیفہ کا یہ مقصد تھا کہ خوارزم شاہ اور بغداد کے عوام کی یہ غلط فہمی دور کی جائے کہ دولت عباسیہ درپردہ خوارزم شاہ کے خلاف تاتاریوں سے ساز باز کر رہی ہے۔

مترجم نے پھر ایک بار منافقانہ مسکراہٹ سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خوارزم شاہ کے متعلق تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی غلط فہمی دور ہو گی یا نہیں لیکن آپ نے خان اعظم کی ایک غلط فہمی دور کر دی ہے۔ چلیے میں آپ کو آپ کے خیمے میں چھوڑ آؤں۔

طاہر نے جلدی سے سوال کیا۔ پہلے یہ بتائیے کہ وہ غلط فہمی کیا تھی جسے میں نے

دور کیا؟

مترجم نے کہا۔آپ کو آنے والے حالات اس سوال کا جواب دیں گے۔

نہیں نہیں ۔آپ کو بتانا پڑے گا۔

نہیں آپ کہہ چکے ہیں کہ میں چنگیز خان کا وفادار ہوں اور میری وفاداری کا تقاضا ہے کہ میں ایسی باتیں ظاہر نہ کروں ۔ایلچی نے یہاں تک کہہ کر ادھر ادھر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔آپ کی بعض باتیں میرے لیے نا قابل برداشت تھیں لیکن نہ معلوم میں اپنے دل میں آپ کے لیے ہمدردی کیوں محسوس کرتا ہوں ۔آپ کو میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ آپ یہاں کسی اور کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کریں اور جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے روانہ ہو جائیں ۔اب مجھ سے کوئی سوال نہ پوچھیے!

ایک انکشاف

واپسی پر مملکت تاتار کی حدود عبور کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھی خوارزم کی سرحد پر ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر فوقند کے جنوب مشرق میں کوئی سو میل کے فاصلے پر خوش حال کاشت کاروں اور تاجروں سے آباد تھا۔ آس پاس کی سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لیے اس شہر میں قریباً پانچ ہزار سپاہی رہتے تھے۔

بغداد سے قراقرم جاتے ہوئے بھی طاہر اس شہر سے گزرا تھا اور شہر کے عامل کے علاوہ شہر کے چند معززین کو اس کے ساتھ گہری عقیدت ہو چکی تھی۔ شہر کے عامل نے پہلے کی طرح اب کی بار بھی اسے اپنے گھر پر ٹھہرایا۔ شہر کے باشندے تاتاریوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ طاہر کی آمد کی خبر سنتے ہی شہر کے چند سرکردہ فوجی افسر اور تاجر گورنر کے مکان پر آ موجود ہوئے۔

طاہر نے ان کے سامنے مختصر حالات بیان کیے اور انھیں تسلی دی کہ خلیفہ کے پیغام کے باوجود اگر تاتاریوں نے سلطنت خوارزم پر حملہ کیا تو بغداد اپنے تمام ذرائع سے خوارزم کی مدد کرے گا۔

ایک تاجر نے سوال کیا۔ کیا آپ کو چنگیز خان کے وعدے پر یقین ہے؟

طاہر نے جواب دیا نہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں اہل بغداد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے بہت جلد وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔

گورنر نے سوال کیا۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

کہیے!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت خلیفہ ہمارے لیے نیک دعاؤں

سے زیادہ کچھ نہ کریں گے۔ ہمارے لیے ان کی طرف سے یہ بھی ایک بہت بڑی مدد ہوگی لیکن چند لوگ ایسے بھی ہیں جو شک کرتے ہیں کہ خلیفہ نے چنگیز خان کے نام تازہ پیغام اس لیے بھیجا ہے کہ ان کا ایک خط جس میں انھوں نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی، پکڑا جا چکا ہے۔ خلیفہ کو یہ ڈر پیدا ہوا ہے کہ اس خط کی خبر مشہور ہوتے ہی نہ صرف عالم اسلام میں ان کی رہی سہی عزت ختم ہو جائے گی بلکہ بغداد کے عوام میں بھی بے چینی پھیل جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے ایک طرف بغدا میں خوارزم کے سفیر اور دوسری طرف آپ جیسے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے آپ کو دوسرا پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اب شاید وہ موقع پا کر چنگیز خان کو یہ پیغام بھیجنے کی کوشش کریں گے کہ میں نے حالات سے مجبور ہو کر دھمکی دی تھی۔ تم میری طرف سے مطمئن رہو۔

طاہر نے جواب دیا۔ خلیفہ کے خلاف ایسے شبہات کا اظہار آپ کو زیب نہیں دیتا۔ تاہم اگر خدانخواستہ آپ کے خدشات صحیح بھی ہوں تو بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حالات خلیفہ کو اپنی بات پر قائم رہنے پر مجبور کر دیں گے۔ میں قراقرم میں انسانی کھوپڑیوں کے انبار دیکھ چکا ہوں۔ اب بغداد کی مساجد میں کھڑے ہو کر میرے لیے لوگوں کو یہ بتانا مشکل نہیں ہوگا کہ تاتاری انسانیت کے کس قدر دشمن ہیں اور اگر خوارزم پر کوئی سیلاب آیا تو اس کی لہریں بغداد سے دور نہیں ہوں گی اور اگر مجھے خلیفہ یا وزیر اعظم میں سے کسی کی نیت پر شبہ ہوا تو بغداد کی جامع مسجد میں لوگ میری زبان سے یہ اعلان سنیں گے کہ تمھارے محافظ چنگیز خان کے ساتھ تمھاری عزت و ناموس کا سودا کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔ خلیفہ کو اگر خوارزم کے ساتھ ہمدردی نہ بھی ہو تو بھی بغداد کو بچانے کے

لیے وہ یقیناً خوارزم شاہ کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہوگا۔

اگلے دن طاہر روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن حاکم شہر نے کہا۔آج جمعہ ہے۔شہر کے لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھائیں۔اس لیے آج ضرور ٹھہر جائیں۔اتنی دیر میں راستے کی چوکیوں کو آپ کے سفر کے لیے گھوڑے تیار رکھنے کی اطلاع مل جائے گی۔

گورنر کے اصرار پر طاہر نے ایک دن ٹھہرنا منظور کرلیا۔جمعہ کی نماز کے بعد گورنر نے طاہر کے ساتھ نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔آپ کی زبان میں جادو ہے۔کاش بخارا اور سمرقند کی مساجد کے خطیب آج یہاں موجود ہوتے؟

عوام اپنی عقیدت کا ثبوت دینے کے لیے طاہر کو گورنر کے محل تک چھوڑنے کے لیے جلوس کی شکل میں اس کے ساتھ ہو لیے۔

(۲)

اسی روز طاہر عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے گورنر کے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسے شہر کا کوتوال ملا اور اس نے کہا۔میں گورنر کے مکان سے آپ کو تلاش کرکے آرہا ہوں۔

طاہر نے کہا خیر تو ہے؟

کوتوال نے کہا۔کوئی خاص بات نہیں۔اگر تکلیف نہ تو آپ میرے ساتھ چلیں۔مصافحہ کیا اور کوتوال کے ساتھ ہولیا۔چند قدم چلنے کے بعد اس نے سوال کیا ۔کیا کوئی بات ایسی ہے جو آپ مجھے یہاں نہیں بتا سکتے؟

میں نے لوگوں کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔یہ کہتے ہوئے کوتوال نے اپنی جیب سے ریشمی کپڑے کی چھوٹی سی تھیلی نکالی اور طاہر کے ہاتھ پر رکھتے

ہوئے کہا۔آپ اسے پہچانتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا نہیں ۔اس میں کیا ہے؟

کوتوال نے جواب دیا۔اسے کھول کر دیکھیے شاید کوئی ایسی شے مل جائے جسے آپ پہچانتے ہوں۔

طاہر نے تھیلی کھول کر دیکھا۔اس میں تین ہیرے چمک رہے تھے۔طاہر نے وضاحت طلب نگاہوں سے کوتوال کی طرف دیکھا اور اس نے طاہر کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔یہ ہیرے آپ کے ایک نوکر سے ملے ہیں۔

طاہر نے پریشان ہوکر پوچھا۔آپ نے اس کی تلاشی لی تھی؟

کوتوال نے جواب دیا۔آپ بُرا نہ مانیں، یہ میرا فرض تھا۔آپ کا نوکر ابھی ابھی ایک تاجر کی دکان پر کھڑا اسے ایک ہیرا دکھا کر قیمت دریافت کر رہا تھا اور وہ تاجر کل آپ کے ساتھ ملاقات سے اور آج آپ سے تقریر سُن کر آپ کا گرویدہ ہو چکا ہے۔اسے شک گزرا کہ معمولی حیثیت کے آدمی کے پاس ایسے قیمتی ہیرے نہیں ہوتے۔اس نے مجھے آکر بتایا کہ شاید آپ کے نوکر نے آپ کی چوری کی ہے ۔چنانچہ میں نے تلاش کے لیے نکلا تو وہ ایک اور تاجر کی دکان پر ہیرے کی قیمت دریافت کر رہا تھا۔ہیرے کی قیمت جاننے کے متعلق اس کی بے قراری یہ ظاہر کرتی تھی کہ یہ اس نے حال ہی میں کہیں سے حاصل کیا ہے چنانچہ میں اسے پکڑ کر کوتوالی لے گیا وہاں اس کی تلاشی لی تو اس تھیلی سے دو اور ہیرے بھی نکل آئے۔

طاہر نے کہا۔آپ نے اُس سے پوچھا کہ اُس نے یہ ہیرے کہاں سے لیے ہیں؟

کوتوال نے جواب دیا۔وہ ابھی تک کوئی جواب نہیں دیتا اور آپ کو اس

واقعے سے آگاہ کرنے سے پہلے میں نے اس پر سختی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

طاہر ایک گہری سوچ میں پڑ گیا۔

کوتوالی کے قریب پہنچ کر طاہر نے کہا۔آپ نے اس کا نام پوچھا؟

کوتوال نے جواب دیا۔وہ اپنا نام کمال بتاتا ہے۔

طاہر نے کہا بہتر ہے کہ میں تنہائی میں اس کے ساتھ بات کروں

کوتوال نے کہا۔چلیے آپ میرے کمرے میں بیٹھ جائیں، میں اسے وہاں لے آؤں گا۔

طاہر کو ایک کمرے میں بٹھا کر کوتوال تھوڑی دیر میں کمال کو لے آیا اور اسے طاہر کے پاس چھوڑ کر نکل گیا۔

طاہر نے کمال کی طرف دیکھا،اس کی حالت ایک لٹے ہوئے تاجر سے مختلف نہ تھی۔اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طاہر کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔وہ ہیرے میرے ہیں۔

طاہر نے اٹھ کر تھیلی اس کے ہاتھ میں دے دی اور کہا۔گھبراؤ نہیں ۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تم نے کہاں سے لیے ہیں۔

میں۔۔۔میں نے۔۔۔مجھے یہ تھیلی۔۔۔تاتاریوں کے خیمے میں ملی تھی۔

تو پھر یہ مجھے دے دو۔تاتاریوں کی چیز ان کے پاس پہنچا دی جائے گی۔

نہیں نہیں یہ میرے ہیں یہ میرے ہیں!

تو پھر تمھیں یہ بتانا پڑے گا کہ تمھیں یہ کس نے دیے۔

کسی نے نہیں مجھے تو یہ راستے میں ملے تھے۔

طاہر نے ایک ہاتھ سے اس کا گلا دباتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اس

کے منہ پر زور سے چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ سچ بتاؤ ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں!

کمال نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں بے قصور ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں۔

طاہر نے اس کے منہ پر ایک اور چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ ہیرے تمھیں چنگیز خان نے دیے ہیں۔

کمال نے چلا کر کہا۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ ابو اسحٰق مجھے مار ڈالے گا۔

طاہر نے کہا۔ اس وقت میرے ہاتھ ابو اسحٰق کے ہاتھوں کی نسبت تمھاری شہ رگ کے زیادہ قریب ہیں۔ تمھیں بتانا پڑے گا!

مجھے یہ چنگیز خان کے ایک نوکر نے دیے تھے۔

طاہر نے اس کی گردن چھوڑ دی اور پوچھا۔ کیا یہ درست نہیں کہ تم نے اس رات جب تم سر منڈوا کر آئے تھے چنگیز خان سے ملاقات کی تھی؟

کمال نے اپنی ٹوپی درست کرتے ہوئے کہا۔ نہیں ہم اس سے نہیں ملے

طاہر نے کہا۔ اپنی ٹوپی اُتار دو۔

کمال اس کے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ طاہر نے آگے بڑھ کر اس کی ٹوپی اتارنے کی کوشش کی لیکن اس نے ٹوپی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سر پر دباتے ہوئے کہا۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ ابو اسحٰق مجھے مار ڈالے گا۔

طاہر نے اس کے منہ پر ایک اور چپت لگاتے ہوئے کہا۔ شور نہ کرو اور اس کی ٹوپی اُتار کر پھینک دی۔ کمال کی کھوپڑی سے سیاہ روغن کسی حد تک اتر چکا تھا اور چھوٹے چھوٹے بالوں میں طاہر کو سُرخ رنگ کے چند عجیب و غریب نشانات

دکھائی دیئے۔ غور سے دیکھنے پر اسے یہ نشانات عربی دُھندلے حروف نظر آنے لگے۔ چند لمحات کے لیے طاہر کا خون منجمد سا ہو کر رہ گیا۔ سرخ رنگ کی تمام تحریر پڑھے بغیر وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ بغداد سے عالم اسلام کو خون کے سمندر میں غسل دینے کی سازش مکمل ہو چکی ہے۔ اور اسے اپنی تمام احتیاط کے باوجود اس ناپاک مقصد کے لیے آلہ کار بنایا گیا ہے۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا کمال کی ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکل آیا۔ کوتوال باہر کھڑا تھا۔ طاہر نے اس سے کہا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔

کوتوال نے کہا۔ آپ اپنے مجرم کو سزا دینے یا معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو ایسے ساتھیوں سے محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا۔

طاہر نے جواب دیا۔ آپ یقین کیجیے کہ میں ایسے مجرموں کو معاف کرنے کا عادی نہیں۔

باہر نکل کر طاہر نے گورنر کے محل کے قریب ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور کمال سے کہا۔ اپنا سر دھو کر صاف کرو!

کمال تذبذب کی حالت میں تھوڑی دیر کھڑا رہا لیکن طاہر نے اپنا خنجر نکالتے ہوئے کہا گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ جلدی کرو ورنہ میں یہ قیمتی تحریر پڑھنے کے لیے تمھارا سر اُتارنے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

کمال نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ روغن پانی سے نہیں اُترے گا۔

تو اپنا سر ریت مل کر صاف کرو۔

تھوڑی دیر بعد طاہر کمال کے سر پر دھندلی تحریر کا یہ مفہوم سمجھنے میں کامیاب ہوا

"دنیائے اسلام میں بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ خوارزم شاہ کو تیاری کا موقع نہ دیں۔ خلیفۃ المسلمین اور اہل بغداد کی دُعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ ایلچی اس پیغام میں تاخیر کی وجہ بیان کر دے گا۔ خلیفہ کی طرف سے طاہر جو کچھ کہے اس سے غلط فہمی نہ ہو۔ اسے صرف راستے کی مشکلات پیشِ نظر بھیجا جا رہا ہے۔

دولت عباسیہ کا نمک خوار اور آپ کا خادم خاص

وحید الدین وزیر خارجہ

(۳)

جب طاہر نے کمال کو دوبارہ سر پر ٹوپی رکھ کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا تو اس نے انتہائی عجز کے ساتھ کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے سر پر کیا لکھا گیا تھا وہ صبح سے شام تک میرے سر پر تیز سوئی چبھوتے رہے۔ میں تکلیف کے باعث تین راتیں سو نہ سکا۔ میرے ساتھ واپسی پر انھوں نے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ میں بے قصور ہوں مجھ پر رحم کیجیے۔

طاہر نے کہا۔ تم صرف سچ بول کر اپنے آپ کو رحم کا حق دار ثابت کر سکتے ہو۔

آپ جان بخشی کا وعدہ کریں، میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔

میں تمھاری جان بچانے کی کوشش کروں گا۔ بتاؤ اس سازش میں کون کون شریک ہے؟

میں نہیں جانتا۔ ابو اسحٰق ماہ رمضان سے چند دن قبل میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک مکان میں لے گیا تھا۔ وہاں مجھے ایک تہ خانے میں رکھا گیا۔ جمیل سے

میری ملاقات اسی تہ خانے میں ہوئی۔ ہم دونوں کے سر مونڈ کر کھوپڑیوں پر کچھ لکھا گیا اور جب دوبارہ چھوٹے چھوٹے بال آئے تو ابو اسحٰق نے کہا۔ جب تمہاری ضرورت ہو گی میں تمہیں اپنے ساتھ اہم مہم پر لے جاؤں گا۔ سر دست تمہیں وزیر اعظم کے پاس ملازم رکھوا دیتا ہوں۔

چنانچہ ہم وزیر اعظم کے اصطبل میں ملازم ہو گئے۔ یہاں آ کر ہمیں معلوم ہوا کہ ابو اسحٰق اصطبل میں داروغہ ہے۔ ابو اسحٰق نے ہمیں پانچ پانچ سو دینار دیے تھے اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر یہ راز کسی پر ظاہر ہو گیا تو ہم دونوں کے سر کاٹ لیے جائیں گے۔

طاہر نے سوال کیا۔ اس دوران میں تم نے کبھی وزیر اعظم سے ملاقات کی؟

اسے دیکھنے کا اتفاق ضرور ہو لیکن کبھی بات چیت نہیں ہوئی۔ صرف آخری دن جب آپ وزیر اعظم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابو اسحٰق ہمیں ان کے پاس لے گیا اور جو باتیں انھوں نے ہمارے ساتھ کیں، آپ سُن چکے ہیں۔

اصطبل میں ملازم ہونے سے پہلے جس تہ خانے میں رکھے گئے تھے وہ وزیر اعظم کے محل سے کتنی دور تھا؟

ہمیں وہاں سے رات کے وقت آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر نکالا گیا تھا لیکن میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ مکان دریا کے دوسرے کنارے پر تھا۔

تم وحید الدین سابق وزیر خارجہ کو پہچانتے ہو؟

میں نہیں پہچانتا لیکن تہ خانے میں ہمارے سروں پر جس شخص نے تحریر لکھوائی تھی اس کے متعلق جمیل کا خیال تھا وہ وزیر خارجہ کے دفتر کا کوئی بڑا عہدے دار ہے۔

اصطبل میں ملازم ہونے کے بعد تم نے کبھی اس کو دوبارہ دیکھا؟

نہیں!

ابو اسحٰق نے کبھی تمہیں وزیر اعظم کے سامنے پیش کر کے تمہارے سروں پر لکھی ہوئی تحریر دکھائی؟

نہیں۔ ہمیں سوائے اس دن کے جب کہ آپ وہاں موجود تھے، کبھی ان کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

طاہر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔ کم از کم اسے یہ اطمینان تھا کہ وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہیں اور یہ سازش وزیر اعظم کی لاعلمی میں وزیر خارجہ کی طرف سے ہو رہی تھی اور وزیر اعظم کے اصطبل کا داروغہ اس کا آلہ کار تھا۔ رُخصت کے وقت اُسے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ میں باہر سے کوئی آدمی بھیجنے کی بجائے اپنے نوکروں میں سے دو تین آدمی آپ کو دے رہا ہوں۔ وحید الدین کی پہلی سازش پکڑی جا چکی تھی لیکن رفو چکر ہونے سے پہلے دوسری سازش کا مسودہ تیار کر چکا تھا۔ طاہر خلیفہ کے متعلق بھی اپنے دل کو یہ تسلی دے رہا تھا کہ اسے بھی وزیر اعظم کی طرح اس سازش کا کوئی علم نہیں۔ لیکن اس کے ذہن میں تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا اور وہ جس قدر سوچتا تھا، اسی قدر پریشان ہوتا تھا۔ جب خوش فہمی بدگمانی میں تبدیل ہونے لگتی تو وہ یہ سوچتا۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ وزیر اعظم کے ایماء پر ہوا ہو اور اس نے احتیاطاً ان لوگوں کو اپنوں سے دور رکھا ہوتا کہ اگر یہ پہلے ایلچی کی طرح پکڑے جائیں تو کوئی ایسا ثبوت نہ دے سکیں جس سے وزیر اعظم کی اس سازش میں شرکت ثابت کی جا سکے لیکن اس کے دل کی فیاضی وزیر اعظم کے خلاف ایسے شبہات کی تردید کر دیتی۔ اس نے پھر کمال سے پوچھا، کیا اس دوران میں تم نے کبھی خلیفہ سے ملاقات کی!

نہیں

اس شام تمھیں چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تھا؟

ہاں ۔ابو اسحٰق ہمیں چنگیز خان کے مسلمان ملازم کے پاس لے گیا اور اس نے سر منڈوانے کے بعد ہمیں چنگیز خان کے سامنے پیش کر دیا۔

تم نے جمیل اور ابو اسحٰق کے سر پر لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہو گی؟

جمیل کے سر پر اس تحریر کا فارسی ترجمہ ہے اور ابو اسحٰق کے سر پر چینی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے وہ بھی شاید اسی کا ترجمہ ہے۔

طاہر نے کہا۔تم چلو، میں تمھارے پیچھے پیچھے آتا ہوں لیکن اگر ابو اسحٰق پر کوئی بات ظاہر کرنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو تمھارے لیے بہت بُرا ہو گا!

کمال کوئی بات کہے بغیر طاہر کے آگے چل دیا۔

طاہر ایک گہری سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حاکم شہر کے محل میں داخل ہوا۔اپنے کمرے کی بجائے وہ دوسرے کمرے کے دروازے پر جہاں اس کے ساتھی ٹھہرائے گئے تھے، رک گیا۔دروازے کا ایک کواڑ بند اور ایک کھلا تھا۔کمال طاہر کا اشارہ پا کر اندر داخل ہوا تو ابو اسحٰق نے چلا کر کہا۔تم بہت بے وقوف ہو۔ہم نے سارا شہر چھان مارا۔آخر کہاں تھے تم؟

کمال نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔میں یہیں تھا۔

تم نے طاہر کو دیکھا؟

طاہر کو۔۔۔کیا وہ یہاں نہیں ہے؟

تم جدھر جی چاہتا ہے منہ اٹھا کر چل دیتے ہو۔اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمھاری وجہ سے ہو گی!

طاہر چپکے سے کمرے میں داخل ہوا۔ابو اسحٰق نے جلدی سے کہا ہم آپ کے

متعلق باتیں کر رہے تھے۔ آپ کہاں تھے؟ میں بہت پریشان تھا۔

طاہر نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو صفائی سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ میرے خیال میں ابھی تک تم میں سے کسی نے سر دھو کر وہ سیاہ روغن اُتارنے کی کوشش نہیں کی؟

ابو اسحٰق نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہم تاتاریوں کا یہ تحفہ بغداد لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی تاتاری ملے گا تو بغداد کے باشندوں سے مطالبہ کریں گے کہ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔

طاہر نے کہا۔ ذرا اپنی ٹوپی اُتارو۔

ابو اسحٰق نے قدرے تذبذب ظاہر کرنے کے بعد اپنی ٹوپی اُتاری اور پھر جلدی سے اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ میری احتیاط کے باوجود یہ روغن اُتر چکا ہے۔ بغداد میں سیاہ روغن کی کمی نہیں۔ تم یہاں اپنا سر دھو کر صاف کر لو اور بغداد پہنچ کر سر پر تازہ سیاہی مل لینا۔ اور جمیل! ذرا تمھارا سر بھی دیکھوں!

جمیل نے ابو اسحٰق کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پا کر ٹوپی اُتار کر پھر جلدی سے سر پر رکھ لی۔

طاہر نے کہا۔ کمال! تم بھی شاید اپنا سر نہیں دھویا۔

کمال نے یکے بعد دیگرے ابو اسحٰق، جمیل اور طاہر کی طرف دیکھا اور طاہر کا اشارہ پا کر جھجکتے ہوئے اپنی ٹوپی اُتار دی۔

ابو اسحٰق اور جمیل ایک لمحے کے لیے مبہوت سے ہو کر رہ گئے۔ طاہر نے کہا ابو اسحٰق! کمال کے سر پر شاید کچھ لکھا ہوا ہے۔ ذرا پڑھ کر تو سناؤ!

ابو اسحٰق نے کہا۔ تو آپ سب کچھ جان گئے ہیں؟

طاہر نے کہا۔نہیں ابھی تک تم دونوں کی کھوپڑیاں میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔

ابو اسحٰق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کا ایک ہاتھ خنجر کے دستے پر تھا۔طاہر نے جلدی سے اپنا خنجر نکالتے ہوئے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔بیٹھ جاؤ!تمھاری طرف سے کسی جوش وخروش کا مظاہرہ میری یہ رائے نہیں بدل سکے گا کہ غدار بزدل ہوتے ہیں۔

ابو اسحٰق اب طاہر کی بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔کمال کی بے حسی اس کے لیے حوصلہ شکن تھی۔جمیل نے چند بار اُٹھنے کی کوشش کی لیکن طاہر کی نگاہوں نے اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

طاہر نے کہا۔سلطنت خوارزم کے لیے تمھارے سر بہت اہم ہیں۔اگر یہ ضبط کر لیے گئے تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے باقی دھڑ بغداد پہنچا دیے جائیں گے۔

کمال نے کہا۔لیکن میرے ساتھ آپ کا وعدہ۔۔۔۔۔

طاہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔تم خاموش رہو۔

ابو اسحٰق نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔آپ اور ہم سب خلیفہ کے خدمت گزار ہیں۔جس نیک نیتی کے ساتھ آپ نے اپنا پورا فرض کیا ہے۔اسی نیک نیتی کے ساتھ ہم نے وہ بغداد پہنچ کر اس جھگڑے کا فیصلہ خلیفہ کو سونپ دیں؟

طاہر نے کہا۔تم جھوٹ کہتے۔خلیفہ تمھاری اور وزیر خارجہ کی سازش میں شریک نہیں۔

کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ کی کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے بغداد پہنچ کر خلیفہ سے پوچھ لیں؟اگر ان کی گواہی۔۔۔۔۔

ابو اسحٰق طاہر کے عقب میں نیم وا دروازے سے باہر کسی کو کھڑا دیکھ کر رُک گیا اور پھر اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔آپ خوارزم سے انعام کے لالچ میں ہمیں پھنسا کر خود نہیں بچ سکتے ۔۔۔آپ نے خلیفہ سے انعام حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کا آلہ کار بنایا۔اب آپ خوارزم کی خاطر ہمیں فروخت کر رہے ہیں۔

کاش ہمیں پہلے یہ علم ہوتا کہ آپ ہماری کھوپڑیوں پر کیا لکھوا رہے ہیں۔ہمیں آپ نے صرف یہ بتایا کہ ہم بغداد کی بہت بڑی خدمت سرانجام دینے والے ہیں اور ہم اس کے صلے میں مالا مال کر دیے جائیں گے۔

طاہر نے آگے بڑھ کر ابو اسحٰق کے منہ پر ایک گھونسا رسید کرتے ہوئے کہا۔

خاموش !ذلیل انسان تم یہ کس پر ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمھاری ناپاک سازش میں بھی شریک تھا؟

ابو اسحٰق نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔تم پر۔۔۔۔تم پر جس نے ہمیں پیسوں کا لالچ دے کر ذلت کی انتہا تک پہنچا دیا۔میں اس شہر کے گورنر کے سامنے جا کر چلاؤں گا کہ یہ مساجد میں تقریریں کرنے والا انسان اپنے وقت کا سب سے بڑا دشمن اسلام ہے۔

طاہر نے کہا۔تم اس یادہ گوئی سے مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔تمھارے جیسے غدار کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے میں اگر خود بھی سُولی پر چڑھ جاؤں تو مجھے پروا نہ ہو گی۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور شہر کا گورنر چند نوکروں کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

ان سب کو حراست میں لے لو۔گورنر یہ کہتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہوا۔

میں آپ کی گفتگو سُن چکا ہوں۔یقین کیجیے ان سب باتوں کے باوجود مجھے آپ کے متعلق اپنی رائے بدلتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے۔تاہم آپ کچھ عرصہ نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔

طاہر نے کہا۔تو اسحٰق نے اپنا لہجہ آپ کو دروازے کے پیچھے کھڑے دیکھ کر تبدیل کیا تھا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں لے جاسکتے ہیں۔لیکن میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے آپ مجھے کچھ کہنے کا موقع دیں۔

"اگر آپ اپنے ساتھیوں کے الزامات کی تردید کرسکیں تو مجھے یقیناً ایک روحانی مسرت ہوگی۔لیکن ایسے سنگین مقدمے کا فیصلہ فوقند کے حاکم اعلیٰ صادر فرماسکیں گے۔"

(۴)

عامل شہر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ طاہر کے ساتھیوں کو بیڑیاں پہنا دیں اور طاہر کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

طاہر کا طویل بیان سُننے کے بعد اس نے نمال کو پیش کرنے کا حکم دیا اور اس سے چند سوال پوچھنے کے بعد طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ آپ کے بارے میں شبہات بہت حد تک دور ہو چکے ہیں لیکن میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حاکم اعلیٰ کے احکامات حاصل کیے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ میں آج ہی ان کے پاس اپنا ایلچی روانہ کررہا ہوں۔آپ کے ساتھ اتنی رعایت کرسکتا ہوں کہ آپ کو بیڑیاں نہ پہنائی جائیں لیکن آپ کو قلعے میں نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔آپ کے ساتھیوں کو ان کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد قید خانے میں بھیجا جائے گا۔

شام کے وقت گورنر کا ایلچی فوقند کے حاکم اعلیٰ کے پاس اس شہر کے عامل کا

پیغام لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ حاکم شہر نے اپنے مکتوب میں ملزم کی وکالت کے الزام سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی معصومیت کا اعتراف کیا تھا۔

قریباً ڈیڑھ ہفتہ کی نظر بندی کے بعد طاہر کو چند سپاہی تلواروں کے پہرے میں عامل شہر کے پاس لے آئے اور اس نے طاہر کو بتایا کہ فوقند کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک کا جواب آگیا ہے۔ آپ کو وہاں جانا پڑے گا۔

اور میرے ساتھی؟

حاکم شہر نے جواب دیا۔ وہ بہت دور جا چکے ہیں۔

آپ کا مطلب؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تیمور ملک نے ان کی بجائے ان کے سروں کا مطالبہ کیا تھا اور میں اس کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

نہیں۔ آپ جلد بازی سے کام نہ لیں۔ بغداد میں اس سازش کے تمام بانیوں کو پکڑنے کے لیے ان کا زندہ رہنا ضروری ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس حکم کی تعمیل کر چکا ہوں

لیکن کمال اور شاید جمیل بھی اس سزا کا مستحق نہ تھا۔

میں ان کے بدلے اپنا سر کٹوانے کو تیار نہ تھا اور اس کے علاوہ آپ کی بھلائی بھی اسی میں تھی۔ آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھیوں کو صفائی پیش کرنے اور تیمور ملک آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کانوں کی تصدیق کی ضرورت محسوس کرنے کا عادی نہیں اور اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ کمال آپ کی صفائی پیش کر سکتا تھا تو اس کی کمی میں نے پوری کر دی ہے۔ میں نے تیمور ملک کو دوسرا خط لکھ دیا ہے۔

تیمور ملک

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ پرلے درجہ کا ضدی اور خودسر حکمران تھا۔ خوارزم شمالی اور مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں کے اکا دکا حملوں اور لوٹ مار کی خبر سنتے ہی اس نے دو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ پیش قدمی کا فیصلہ کرلیا۔ جلال الدین اس کا ہونہار، ذہین، بہادر اور دوراندیش بیٹا اس تجویز کے خلاف تھا۔ اس نے اُمراءِ سلطنت کے اجلاس میں کھڑے ہو کر اپنے باپ سے کہا۔ اگر آپ مجھے اپنی فوج کے سپاہی کی حیثیت میں بولنے کا حق دیں تو میں یہ کہوں گا کہ ہمیں افواج سرحد پر جمع کر کے تاتاریوں کی پیش قدمی کا انتظار کرنا چاہیے۔ سرحد کے بعض مقامات پر ان کے دستے اگر کبھی کبھی لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے ہیں تو اس سے ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کمزور ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اشتعال میں آ کر ان دُشوار گزار برفانی پہاڑوں کی طرف پیش قدمی کر دیں جن کی تنگ گھاٹیاں ان کے لیے ناقابل تسخیر قلعوں کا کام دے سکتی ہیں۔ میدان میں ہم انھیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیں گے لیکن پہاڑی علاقے کی طرف پیش قدمی کرنا ہمارے لیے خطرناک ہے۔ وہ پیچھے ہٹتے جائیں گے۔ اور کسی ایسے مقام پر اچانک ہمارے گرد گھیرا ڈال لیں گے جہاں ہمارے آگے پیچھے تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

تجربہ کار فوجی افسروں نے جلال الدین کی تائید کی لیکن خوارزم شاہ نے بعض خوشامدی سرداروں کے زیر اثر اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اس کی پہلی اور آخری دلیل یہی تھی کہ تاتاری ڈاکوؤں کو سزا دینے میں ہماری طرف سے کسی قسم کا تذبذب دنیا پر ظاہر کر دے گا کہ ہم کمزور ہو چکے ہیں اور آج تک ہم نے اپنے ہر دشمن پر ثابت کیا ہے کہ ہم کمزور نہیں۔ ہمیں اطمینان ہے کہ تاتاری اگر پر لگا کر ہوا میں اڑنے لگیں

تو بھی ہم ان پر غالب آئیں گے۔

جب جلال الدین کو اپنے باپ کا ارادہ بدلنے میں کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کہا۔ اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ اس مہم پر مجھے روانہ کیا جائے اور آپ باقی فوج کے ساتھ ملک کے اندر رہیں۔

خوارزم شاہ نے اپنے دور اندیش بیٹے کی یہ تجویز بھی رد کر دی اور اسے ملک کی حفاظت کا کام سونپ کر شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کر دی۔

جلال الدین کے خدشات صحیح ثابت ہوئے۔۔۔۔۔ دو لاکھ مسلمانوں کے سیلاب کے سامنے تاتاریوں کے منتشر دستے چاروں اطراف سے سمٹ کر پیچھے ہٹنے لگے اور خوارزم شاہ اپنی طاقت کے نشے میں سرشار چند تجربہ کار سرداروں کے مشورے کے خلاف آگے بڑھتا گیا۔ اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بعض مقامات پر تاتاریوں کی افواج معمولی مزاحمت کے بعد بھاگ نکلیں۔۔ تاتاریوں کی اس چال نے شاہِ خوارزم کو خطرات سے اور زیادہ بے پروا کر دیا۔ ایک صبح ایک وادی میں جس کے تین اطراف اونچے پہاڑ اور ایک طرف گھنا جنگل تھا۔ خوارزم کی افواج کا تاتاریوں کے چند دستوں سے تصادم ہوا۔ تاتاری مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے جنگل کی طرف ہٹتے گئے۔ اور باقی تین طرف کے پہاڑوں پر تاتاریوں کا ٹڈی دل لشکر نمودار ہونے لگا۔ خوارزم شاہ نے اپنی غلطی کا احساس اس وقت کیا جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس تنگ میدان میں ترک نیزہ بازوں کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔ گھنے جنگل کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ تیروں کی بارش کے علاوہ تاتاریوں کے بے شمار دستے پہاڑوں سے نیچے اتر کر خوارزم شاہ کی افواج میں تباہی مچا رہے تھے۔ اس تباہی سے بچنے کے لیے

ترک افواج نے جنگل میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی ہر درخت کے نیچے ایک تاتاری تیرانداز موجود تھا۔تیسرے پہر تک خوارزم کی افواج نے تاتاریوں سے تمام جنگل کو صاف کردیا اور تاتاری پہاڑوں پر سے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے لیکن ترکوں کے نقصانات اس قدر زیادہ تھے کہ شام کے وقت خوارزم شاہ کی فوج کے افسر میدان میں لاشیں گننے کی بجائے زندہ آدمیوں کی گنتی کر رہے تھے۔

اس تباہی کے بعد خوارزم شاہ کو اپنی رہی سہی افواج کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور جب وہ واپس آرہا تھا تو اسے راستے میں خبر ملی کہ شمال کی طرف سے تاتاریوں کا لشکر فوقند کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔فوقند کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک نے یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت میرے پاس پانچ ہزار سپاہی ہیں۔تاہم مجھے یقین ہے کہ میں ایک مدت تک تاتاریوں کا طوفان روک سکوں گا لیکن اگر سلطان مجھے بیس ہزار سپاہیوں کی کمک بھیج دے تو ممکن ہے کہ عالم اسلام کے متعلق تاتاریوں کے ارادے ہمیشہ کے لیے بدل دوں۔

خوارزم شاہ گزشتہ جنگ میں غیر متوقع تباہی کے باعث اس قدر بدحواس ہو چکا تھا کہ اس نے غصے سے کانپتے ہوئے تیمور ملک کا خط پھاڑ ڈالا اور ایلچی سے کہا ۔اگر تیمور ملک یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہماری نسبت زیادہ تجربے کار ہے تو وہ بیوقوف ہے۔

لیکن بعض افسروں کے سمجھانے پر خوارزم شاہ نے تیمور ملک کو یہ پیغام بھیجا کہ میں بیس ہزار سپاہی بھیجنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے پانچ ہزار سپاہیوں سے تاتاریوں کو کب تک روک سکتے ہو۔

فوقند کے قید خانے میں طاہر کو دو مہینے گزر گئے۔قید خانے کے داروغہ سے اس نے بارہا یہ درخواست کی کہ اسے شہر کے حاکم اعلیٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔لیکن

اسے ہر بار یہ جواب ملتا کہ جب انھیں فرصت ہوگی وہ خود بلا لیں گے ۔ طاہر نے داروغہ سے خط لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے جواب دیا کہ جاسوسی کے جرم میں گرفتار ہونے والوں کے لیے یہ سہولت مہیا نہیں کی جاسکتی ۔ طاہر کو کسی دوسرے قیدی سے ملنے کی اجازت بھی نہ تھی ۔ وہ قید خانے سے باہر دنیا کے تمام حالات سے بے خبر تھا ۔ وہ بے قرار ہو کر دن میں کئی مرتبہ یہ سوچتا تھا ۔ آخر مجھے اب تک کیوں نہیں بلایا گیا؟ قید خانے سے باہر کیا ہو رہا ہے ۔ کیا تاتاریوں نے حملہ کر دیا ہے ۔۔۔

حاکم اعلیٰ کو میرے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملتی؟ کیا وہ میرا بیان لیے بغیر مجھے عمر قید کی سزا دے چکے ہیں ۔

ایک دن چند سپاہی اسے ننگی تلواروں کے پہرے میں قید خانے سے نکال کر فوقند کے گورنر تیمور ملک کے محل میں لے گئے ۔ تیمور ملک ایک خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا ۔ اس کی شجاعت اور شرافت کی داستانیں دور دور تک مشہور تھیں ۔ اس نے نہایت اطمینان سے طاہر کی سرگزشت سُنی ۔ طاہر نے اپنا بیان ختم کرنے کے بعد خوارزم کے سفیر کو وہ خط پیش کیا جس میں اس نے طاہر کی نیک نیتی پر اعتماد ظاہر کیا تھا ۔ اس خط میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کا بھی ذکر تھا ۔

تیمور ملک نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد اپنی عقابی نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا ۔ جہاں تک میرے رائے کا تعلق ہے، میری رائے تمھارے خلاف نہیں ۔ لیکن سلطان معظم کا حکم ہے کہ اس قسم کے سارے مقدمات ان کے پاس بھیجے جائیں ۔ تمھاری گرفتاری کی اطلاع ان تک پہنچ چکی ہے اور میں ان کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں ۔

طاہر نے کہا ۔ مجھے قید میں دو مہینے گزر چکے ہیں ۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا

میں کیا ہو رہا ہے۔ میں بہت جلد بغداد پہنچنا چاہتا ہوں، وہاں کے لوگوں کو صحیح حالات سے باخبر کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تاتاری آپ کی سلطنت پر کسی دن اچانک حملہ کر دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ بغداد کی مداخلت یہ حملہ روک سکے گی۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو کم از کم خوارزم کی مدد کے لیے بغداد کے لوگوں کو منظم کر سکوں گا۔ مجھے صرف چند دن کی رخصت دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بغداد کے لوگوں تک پیغام پہنچا کر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ ایک قیدی کی زبان سے ایسی درخواست آپ شاید مضحکہ خیز سمجھیں لیکن میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ خدا کے لیے میرے وعدے پر یقین کیجیے۔ ورنہ کم از کم مجھے فوراً خوارزم شاہ کے پاس ہی بھیج دیجیے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ نوجوان! تاتاریوں کے ساتھ ہماری جنگ شروع ہو چکی ہے اور اب تک تو ہماری بدترین شکست کی خبر شاید بغداد بھی پہنچ چکی ہو۔ ممکن ہے کہ اسلام پر کفر کی پہلی فتح کی خبر سن کر خلیفۃ المسلمین کے محل میں چراغاں بھی کیا جا چکا ہو۔ ان حالات میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم نیک نیت ہو تو بغداد میں خلیفہ کا محل تمہارے لیے قوقند کے قید خانے سے زیادہ خطرناک ہوگا۔ انھوں نے تم سے جو کام لینا تھا، وہ لے چکے ہیں۔ اب شاید وہ تمھارے زندہ رہنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، اور سلطان معظم کے دل و دماغ پر تازہ شکست نے جو اثر کیا ہے، اس کے پیش نظر میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید وہ جاسوس کا لفظ سننے کے بعد تفصیلات میں جانا پسند نہ کریں۔

شکست کی خبر سن کر طاہر ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گیا۔ اس کی حالت اس

شخص کی سی تھی جسے نیند کی حالت میں سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔ اُس نے تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے حواس پر قابو پا کر کہا۔ مجھے اپنی موت کی پرواہ نہیں لیکن خدا شاہد ہے کہ میں معصوم ہوں ۔ مجھے دھوکا دیا گیا ہے ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موت سے پہلے اس غلطی کا کفارہ ادا کرسکوں اور بغداد پہنچے بغیر میں یہ کفارہ ادا نہیں کرسکتا۔ آپ کا اصلی مجرم وحیدالدین سابق وزیر خارجہ ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چند دنوں تک اس کا سر آپ کے پاس پہنچاؤں گا، ورنہ میرا سر حاضر ہوگا۔

تیمور ملک نے کہا۔ ہمارے اصلی مجرم خلیفہ اور وزیر اعظم ہیں، وزیر خارجہ صرف ان کا آلہ کار ہوسکتا ہے۔ اگر تم ان کا سر لانے کا وعدہ کرو تو میں شاید تمھاری آزادی کی کوئی تدبیر سوچ سکوں۔

نہیں نہیں۔ طاہر نے چلا کر کہا۔ وہ ایسے نہیں ہوسکتے میں ان کے خلاف ایسی باتوں پر یقین نہیں کرسکتا۔ جس دن عالم اسلام کے یہ ستون اس قدر کھوکھلے ہو جائیں گے اُس دن دنیا کا کوئی خطہ ہمارے لیے محفوظ نہ ہوگا۔ کیا آپ کے خیال میں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ خوارزم تاتاریوں کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے اگر یہ چٹان گر گئی تو بغداد بھی تباہی سے نہیں بچ سکے گا؟

تیمور ملک نے کہا۔ یا تم خود بے وقوف ہو یا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ اب تک خلیفہ کے کئی جاسوس پکڑے جا چکے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ ان تمام سازشوں میں وزیر خارجہ کا ہاتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم کو کسی بات کا علم نہ تھا۔

تیمور ملک نے کہا۔ اگر تم نے ایسی ہی مستعدی سے سلطان المعظم کے سامنے

خلیفہ اور وزیر اعظم کی صفائی پیش کی تو مجھے یقین ہے کہ تم فوراً اپنے تین ساتھیوں سے جا ملو گے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں اپنی جان کے خوف سے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں۔

تیمور ملک اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ایک فوجی افسر نے اندر آ کر اطلاع کی کہ سلطان معظم کا ایلچی ملاقات کی اجازت چاہتا ہے۔

تھوڑی دیر میں ایک ترک افسر اندر داخل ہوا اور اس نے تیمور ملک کو ایک خط پیش کیا۔ تیمور ملک نے خط پڑھنے کے بعد پہلے ایلچی اور پھر طاہر کی طرف دیکھا اور انتہائی مغموم آواز میں کہا۔ تمھارے متعلق سلطان معظم کا حکم آ گیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اب میرے بس میں کچھ نہیں۔ تم یہ پڑھ سکتے ہو۔

تیمور ملک نے خط طاہر کی طرف بڑھا دیا لیکن اس نے آگے بڑھ کر خط لینے کی بجائے کہا۔ اس خط کی تحریر میں آپ کے چہرے سے پڑھ سکتا ہوں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کب تک زندہ ہوں؟

کل تک! تیمور ملک نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا۔

طاہر کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ تیمور ملک نے تھوڑی دیر بعد گردن اوپر اٹھائی۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں۔

نوجوان! مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے لیکن میں بے بس ہوں۔

طاہر نے کہا۔ اگر یہ فیصلہ آخری ہے تو کیا میں ایک باعزت موت کی توقع رکھ سکتا ہوں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ سلطان معظم کا حکم ہے کہ تمھیں لوگوں کے سامنے پھانسی پر لٹکایا جائے!

تیمور ملک کوئی اور بات کیے بغیر اُٹھ کر محل کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

(۳)

طاہر کو ننگی تلواروں کے پہرے میں محل سے باہر نکالا گیا۔ دروازے کی سیڑھیوں کے نیچے لوگوں کا ایک ہجوم کھڑا تھا۔ لوگ طاہر کو دیکھتے ہی انتقامی جذبے کے تحت نعرے لگانے لگے۔ قوم کا غدار، خلیفہ کا جاسوس، دشمن اسلام، پکڑ لو، مار ڈالو۔ سپاہی ہجوم کا اشتعال دیکھ کر دروازے میں رُک گئے۔ ہجوم میں سے چند نوجوان نکل کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے لیکن سپاہیوں نے انھیں تلواروں اور نیزوں سے ڈرا دھمکا کر روک دیا۔ تاہم ہجوم کا اشتعال ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔ کسی نے پتھر پھینکا لیکن یہ پتھر سپاہی کو لگنے کی بجائے ایک سپاہی کے ماتھے پر لگا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دبا کر بیٹھ گیا۔ چند اور پتھر اور تین چار سپاہی زخمی ہو گئے۔ ایک فوجی افسر نے آگے بڑھ کر یہ کہنے کی کوشش کی اس کی موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی آواز لوگوں کے نعروں میں دب گئی اور ایک پتھر کھانے کے بعد اس نے چلا کر قیدی کو محل میں واپس لے جاؤ اور دروازہ بند کر دو!

لیکن طاہر نے پہرے دار کی ننگی تلواروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ مسلمانو! ایک غدار اور جاسوس کے خلاف نفرت کا یہ جذبہ تم میں زندگی کا ثبوت ہے لیکن تمھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ میری موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ مجھے کل تمھارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور اس کے بعد میرا مقدمہ اس بڑی عدالت میں پیش ہو گا جہاں ہر مظلوم

دادرسی کی توقع رکھتا ہے۔ لوگوں کا شور کم ہو رہا تھا اور وہ نفرت اور حقارت کے جذبات سے مغلوب ہونے کے باوجود طاہر کی زبان سے کچھ سننا چاہتے تھے لیکن ایک سپاہی نے طاہر کی گردن پر تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا۔ تمھیں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی نے پیچھے سے آکر سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے مڑ کر دیکھا تو اس کے سامنے تیمور ملک تیمور کھڑا تھا۔ تمام سپاہی ادب و احترام کے ساتھ گورنر کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک لمحے کے بعد لوگوں کی آوازیں پھر آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔ تیمور ملک نے آگے بڑھ کر ہاتھ بلند کیا اور کہا۔ سلطان معظم کے حکم سے اس شخص کو کل تمھارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ کیا ایک شخص جو صرف ایک دن کا مہمان ہے تمہاری طرف سے بہتر سلوک کا حق دار نہیں؟

تیمور ملک پہرے داروں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیوں سے نیچے اُترا۔ لوگوں نے فوراً اِدھر اُدھر سمٹ کر راستہ چھوڑ دیا۔ سپاہی طاہر کے گرد حلقہ باندھ کر اس کے ساتھ چل دیے۔ چند قدم چلنے کے بعد تیمور ملک رُک کر ہجوم سے مخاطب ہوا۔ میں بہت مصروف ہوں۔ سرحد کے پار تاتاریوں کے دستے دیکھے گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جنوب کے اور شہروں کی طرح وہ قوقند پر بھی اچانک حملہ نہ کردیں۔ اس لیے یہ نعرے لگانے کا وقت نہیں۔ تلواریں تیز کرنے کا وقت ہے۔ تم نے میرے دو سپاہیوں کو زخمی کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرے پاس زیادہ سپاہی نہیں اب اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تم راستے میں سپاہیوں کو تنگ نہیں کرو گے تو میں واپس جا کر زیادہ اہم امور پر توجہ دے سکوں گا، ورنہ مجھے قید خانے تک ان کے ساتھ جانا پڑے گا۔

ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا۔ بھائیو! یہ کیا حماقت ہے ہم ایسے نازک موقع پر اپنے محبوب حاکم کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب تمھاری تسلی ہو چکی ہے کہ مجرم کو عبرت ناک سزا ملے گی۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ چلو یہاں سے!

لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منتشر ہونے لگے۔ تیمور ملک نے محل کی طرف لوٹتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔ قیدی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ شمال کی سرد ہوا سے طاہر کا جسم ٹھٹھر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے اپنی پوستین اُتار کر طاہر کے کندھوں پر ڈال دی۔ طاہر نے اس کی طرف احسان مند نگاہوں سے دیکھا اور پوستین اتار کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ شکریہ! ایک دن کے مہمان کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۴)

اگلے دن برف باری سے قوقند کے بازاروں میں روائے سیمیں بچھی ہوئی تھی۔ طاہر قید خانے سے باہر ایک چبوترے کے اوپر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوط رسی سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس سے دو قدم آگے پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ ارد گرد کھلے میدان میں برف باری کے باوجود سینکڑوں آدمی جمع تھے۔

موت کو اس قدر قریب دیکھنے کے باوجود طاہر کے چہرے پر ایک غیر معمولی سکون تھا۔ قید خانے کے داروغہ کا اشارہ پا کر جلاد چبوترے کے اوپر چڑھا اور اس نے پھانسی کا پھندا ہاتھ میں لیتے ہوئے آگے بڑھ کر طاہر کو لکڑی کے تختے پر کھڑا ہونے کے لیے اشارہ کیا۔ طاہر نے تختے پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ تماشائیوں میں اب وہ پہلا سا جوش و خروش نام کو نہ تھا۔ جلاد نے پھانسی کا پھندا طاہر کے گلے میں ڈال دیا۔ قید خانے کے داروغہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ تمھارے لیے یہ آخری موقع

ہے اگر کوئی ایسی خواہش ہو جسے ہم پورا کر سکتے ہوں تو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں آپ کو اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔ ایسے موقعوں پر خدا پرست، انسانوں سے توقعات وابستہ نہیں کیا کرتے۔ میں نے جو کچھ مانگنا تھا، خدا سے مانگ چکا ہوں۔ اگر میری دعائیں مستجاب نہیں ہوئی تو تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

داروغہ نے لاجواب سا ہو کر کہا۔ پھر بھی اگر تم بغداد میں کسی عزیز کو کوئی پیغام دینا چاہو تو شاید ہم کوئی بندوبست کر سکیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ خدا اور رسول کا نام لینے والا میرا عزیز ہے۔ اور میں ہر ایک کو ایک ضروری پیغام دینا چاہتا تھا۔ خدا کو اگر مجھ سے کام لینا منظور ہے تو مجھے یقیناً موقع دے گا ورنہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ کسی بہتر انسان کو اس مقصد کے لیے منتخب کرے گا۔

میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ پیغام کیا ہے؟

وہ پیغام یہ ہے کہ اس وقت کفر اسلام کے خلاف اپنی ساری طاقتیں منظم کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کے لیے منظم اور متحد ہو جائیں!

داروغہ نے کہا۔ اب صرف چند لمحات باقی ہیں۔ تم کوئی دعا مانگنا چاہتے ہو تو مانگ لو۔

طاہر نے سفیدی مائل بادلوں میں چھپے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور وہ دعا جسے وہ رات کے وقت کئی بار دہرا چکا تھا۔ ایک بار پھر دُہرانے لگا۔ میرے اللہ! کیا میں تیرے دین کے کسی کام نہیں آ سکتا؟ میں نے تیری راہ میں جہاد کی نیت سے

نیزوں اور تلواروں سے کھیلنا سیکھا تھا۔ کیا میرے مقدر میں ایک کریہہ موت کے سوا کچھ نہیں؟ میں نے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کا حق ابھی ادا نہیں کیا!

میرے مولا! انسانوں کے غلط فیصلے منسوخ کرنا تیری قدرت سے بعید نہیں!

جلاد نیچے سے تختہ کھینچنے کے لیے داروغہ کے اشارہ کا منتظر تھا۔

تماشائیوں میں سے اب بعض ایسے بھی تھے جو طاہر کی طرف غصے یا بے اعتنائی کی بجائے ہمدردی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

اچانک شہر کی طرف سے لوگوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ چند سوار گھوڑے بھگاتے ہوئے آئے اور ان میں ایک نے بلند آواز میں کہا۔ تاتاری آرہے ہیں۔ شہر کی حفاظت کے لیے تیار ہو جاؤ! اس اعلان نے ایک لمحے کے لیے لوگوں کو مبہوت کر دیا اور دوسرے لمحے وہ تاتاری آرہے ہیں! تاتاری آگئے! کہتے ہوئے اپنے گھروں کا رُخ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب داروغہ کے حواس درست ہوئے اور اسے اپنے فرض کا دوبارہ خیال آیا تو میدان خالی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے تذبذب کے بعد جلاد کو تختہ کھینچنے کا اشارہ کیا تو ایک طرف سے کسی نے بارعب آواز میں کہا۔ ٹھہرو!

تیمور ملک کی آواز پہچان کر داروغہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تیمور ملک گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ چند اور سپاہی بھی تھے۔ وہ چبوترے کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُترا اور چبوترے پر چڑھ کر طاہر کی گردن سے پھندا اُتارنے کے بعد اپنے خنجر سے طاہر کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ طاہر نے جلدی سے سوال کیا۔ تاتاری کتنی دور ہیں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ کوئی دس کوس کے فاصلے پر۔ تمہارے پاس شہر سے

نکل جانے کے لیے کافی وقت ہے۔

کہاں جانے کے لیے؟ طاہر نے اطمینان سے سوال

بغداد کی طرف، تم بغداد ہی جانا چاہتے تھے نا؟

نہیں اب بغداد کی نسبت یہاں زیادہ کام ہے۔

بہت اچھا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تیمور ملک نے یہ کہہ کر ایک سپاہی کو اپنا گھوڑا اور تلوار طاہر کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔

(۵)

خوارزم شاہ کی پہلی شکست کے بعد سرحد کے اور بہت سے شہروں کی طرح قوقند کی آبادی کا بہت سا حصہ مغرب کے شہروں کی طرف ہجرت کر چکا تھا۔ اس کے بعد جب تیمور ملک کو سلطان نے مزید سپاہی بھیجنے سے انکار کر دیا تو اس نے رہے سہے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو شہر سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچا دیں۔ لیکن اس کے باوجود قوقند کی آبادی کا قریباً تیسرا حصہ ابھی تک شہر میں موجود تھا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ خوارزم شاہ کی شکست کا باعث اس کی فوج کی کمزوری کی بجائے پہاڑی علاقے کے نشیب و فراز سے ناواقفیت تھی اور تاتاری اپنی فتح کے باوجود قوقند کی طرف بڑھنا پسند نہیں کریں گے۔ لیکن تاتاریوں کے سرحد عبور کرنے کی خبر سے شہر کے لوگوں میں افراتفری پھیل گئی اور وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر برف باری کے طوفان کے باوجود ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔

تیمور ملک کی فوج نے آس پاس کی پہاڑیوں میں مورچے بنا کر تاتاری فوج کے ہراول دستے کو تین دن تک قوقند سے دُور رکھا۔ حملہ آور تاتاریوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ ان تین دن کے معرکوں میں تیمور ملک کے جانبازوں نے جان

توڑ حملوں سے کئی دفعہ تاتاریوں کو پیچھے دھکیلا لیکن ان کی کثرت کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ چوتھے روز جب تیمور ملک کے ساتھ صرف ایک ہزار جاں نثار رہ گئے، اسے جاسوسوں نے خبر دی کہ چنگیز خان کا بیٹا روچی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔

اب ملک کی آخری جائے پناہ دریا کے درمیان ایک ٹاپو تھا جس کی حفاظت کے انتظامات وہ کئی ماہ پیشتر کر چکا تھا۔ کسی زمانے میں قوقند کے حکمران اور اونچے طبقے کے لوگ اسی ٹاپو میں رہتے تھے۔ قدیم قلعہ اور چند اُجڑی ہوئی عمارات اب تک موجود تھیں۔ تیمور ملک نے رات کے وقت اپنی فوج اور شہر کے رہے سہے باشندوں کو جو اس کے ساتھ جینا اور مرنا قبول کر چکے تھے کشتیوں کے ذریعے اس ٹاپو پر اتار دیا اور چند سواروں کو خوارزم کے پاس کمک بھیجنے کی آخری درخواست کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ٹاپو کے قریب دریا کا پاٹ اس قدر چوڑا تھا کہ دونوں کناروں سے حملہ آوروں کی کمان سے نکلے ہوئے تیر مشکل سے یہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ تیمور ملک نے چند ماہ کے لیے سامانِ رسد بھی اس ٹاپو پر جمع کر رکھا تھا۔ زوچی نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ ٹاپو جلد فتح نہیں ہو سکے گا۔ یہ مُہم اپنے ایک نائب کے سُپرد کر دی اور آدھی فوج اس کی قیادت میں دے کر خود باقی فوج کے ساتھ جنوب مغرب کا رُخ کیا۔

تاتاری قرب و جوار کی تمام آبادیوں کے باشندوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے آئے اور انھیں دریا کے کنارے سے ٹاپو کے سرے تک پتھروں سے راستہ بنانے کے کام پر لگا دیا۔ ہزاروں بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد تاتاریوں کی

ننگی تلواروں کے پہرے میں پتھر اٹھا کر لاتے اور دریا میں پھینک دیتے۔ دریا کے کنارے سے پتھروں کا یہ راستہ آہستہ آہستہ ٹاپو کی طرف بڑھنے لگا۔ تیمور ملک نے اس خطرے کو فوراً محسوس کیا۔ اس نے چند بڑی بڑی کشتیوں کے گرد لکڑی کے تختوں کے مورچے بنوائے اور ان کے اندر اپنے بہترین تیر انداز بٹھا کر کنارے پر جمع ہونے والے تاتاریوں پر حملے شروع کر دیے۔ ان حملوں سے شروع شروع میں تاتاریوں کا بہت نقصان ہوا۔ بعض اوقات جان کے خوف سے راستے کی تعمیر کے لیے پتھر اُٹھانے والے لوگ تاتاریوں کو کشتیوں پر حملے کرنے والوں کی طرف متوجہ پا کر اچانک ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دیتے۔ اور اس کے بعد زندگی اور موت کی سے بے پروا ہو کر دریا میں چھلانگیں لگا دیتے۔ کسی کی جان حملہ آوروں کی کشتیوں کے باعث بچ جاتی اور کوئی تیر کر جزیرے تک جا پہنچتا لیکن اکثر دریا کی موجوں یا تاتاریوں کے تیروں کا شکار ہو جاتے۔

ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے تاتاری کشتیوں کے خلاف منجنیقیں استعمال کرنے لگے۔ منجنیق سے پتھروں کی بجائے وہ کھولتے ہوئے تیل یا جلتی ہوئی گندھک کی ہانڈیاں پھینکتے اور کشتیوں کو آگ لگا دیتے۔ تیمور ملک نے اس نئے حربے کا مقابلہ کرنے کے لیے کشتیوں پر چھتیں ڈلوا دیں اور ان کے اوپر مٹی کا پلستر کرا دیا اور اندر بیٹھنے والے تیر اندازوں کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ دیے لیکن مدافعت کی ان تمام کوششوں کے باوجود تاتاریوں کی بے شمار فوج کے سامنے تیمور ملک کی کوئی پیش نہ گئی اور دریا کے کنارے سے ٹاپو کی طرف راستہ بڑھتا گیا۔

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ تاتاریوں سے پہلی شکست کے بعد اس قدر بددل

ہو چکا تھا کہ اس نے تیمور ملک کے متعدد پیغامات کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی بلکہ اسے یہ حکم دیا کہ وہ ٹاپو کی مدافعت کا خیال چھوڑ کر اس سے آملے۔ لیکن تیمور کی غیرت نے اپنے ساتھیوں کو مصیبت میں چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب راستہ ٹاپو کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ تاتاری ٹاپو کے مورچوں پر منجیق سے پتھر اور آتش گیر مادہ پھینک سکتے تھے تو تیمور ملک کے لیے ٹاپو خالی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

(۶)

ایک شام تیمور ملک نے اپنے ساتھیوں کو جزیرہ خالی کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ رات کے وقت آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ تیمور ملک کے تمام ساتھی کشتیوں کے بیڑے پر سوار ہو کر زیادہ دُور نہیں گئے تھے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ تیمور ملک نے بادلوں کے باعث رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو اپنے لیے تائیدِ غیبی سمجھا تھا لیکن بارش ہونے کے بعد جب بجلی بھی چمکنے لگی تو اُسے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کنارے کی چوکیوں کے تاتاری باخبر ہو گئے تو اسے بہت بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آدھی رات کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا خدشہ غلط نہ تھا۔ بجلی کی چمک میں اسے دونوں کناروں پر تاتاری سواروں کے دستے دکھائی دیے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ان کے ہمراہ پیادہ سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد دکھائی دی۔ تیمور ملک کی کشتی پر اس کی فوج کے چیدہ چیدہ افسر سوار تھے۔ اس نے ان کا مشورہ طلب کیا سب کی متفقہ رائے یہ تھی کہ گھنے جنگل میں پہنچ کر کشتیاں کنارے لگا دی جائیں۔ تاریکی میں اگر تاتاریوں سے مقابلہ ہوا بھی تو بعض آدمیوں کو چھپ چھپا کر ادھر اُدھر بھاگ جانے کا موقع مل جائے گا۔ تیمور ملک نے سب کی رائے سُننے کے بعد کہا۔ طاہر اب تک خاموش ہے میں اس کی رائے بھی سُننا چاہتا ہوں۔

کشتی کے کونے سے جواب ملا۔میرے خیال میں ہمارے لیے دو ہی راستے ہیں ۔ پہلا یہ کہ ہم کنارے پر کسی جگہ پاؤں جما کر آخری دم تک لڑیں ۔جنگل ہو یا میدان یہ تمام علاقہ تاتاریوں سے پٹا پڑا ہے اور ہمارے لیے بھاگنے کے راستے بہت کم ہوں گے ۔ایسی صورت میں میں اگر ایک جان کے بدلے دو نہیں تو ایک جان لینے کا قائل ہوں ۔اگر کسی ایک جگہ دریا کے کنارے اُترے کے بعد ادھر اُدھر بھاگتے ہوئے دشمن کے تیروں کا شکار ہونا ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم ان کے تیر پیٹھ پر کھانے کی بجائے سینے پر کھائیں ۔دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہر ایک یا آدھ کوس پر ایک کشتی پیچھے چھوڑ دی جائیں ۔اور جب دوسری کشتیاں آگے جائیں تو اس کے سوار اُترتے جائیں اور خالی کشتی کو پانی میں دھکیلتے جائیں ۔تاتاری یقیناً باقی بیڑے کے ساتھ چلتے رہیں گے اور پیچھے رہنے والی کشتیوں کے سواروں کو جان بچانے کا موقع مل جائے گا۔تعاقب کرنے والوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کے لیے ہم بیڑے پر سے بجلی کی روشنی میں تیر چلاتے رہیں گے۔اس صورت میں طلوع سحر تک ہمیں ادھر اُدھر بھاگنے کا وقت مل جائے گا۔آخری چند آدمیوں کو شاید اپنی کشتیاں کنارے تک لگانے کا وقت نہ ملے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین تیراک ہوں۔

طاہر کی دوسری تجویز کے ساتھ سب نے اتفاق کیا لیکن تیمور ملک نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ خالی کشتی جب دریا میں دھکیلی جائے گی تو یہ ممکن نہیں وہ باقی بیڑے کی طرح منجدھار میں چلتی رہے ۔بیڑے کی تعداد برقرار رکھنے کے لیے اسے بیڑے کے ساتھ شامل کرنا ضروری ہے ۔اس مقصد کے لیے باقی بیڑے کی رفتار کم کی جاسکتی ہے ۔لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کنارے سے دور رہے اور کشتی خالی ہونے کی صورت میں یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔

تھوڑی دیر کی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ ہر کشتی پر ایک رضا کار ایسا ہو جسے تیرنا آتا ہو اور جو سواریوں کو کنارے پر اُتار کر خالی کشتی لے آئے۔

بارش تھم چکی تھی۔ بادلوں کی پھٹی ہوئی سیاہ چادر میں سے کہیں کہیں ستارے جھانک رہے تھے۔ ایک گھنے جنگل میں پہنچ کر پہلی کشتی کو پیچھے چھوڑ دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ کشتی اپنی سواریوں کو کنارے پر چھوڑ کر بیڑے سے آملی اور اس میں سوار ہونے والے رضا کار نے اپنے ساتھیوں کے بچ نکلنے کا یقین دلایا تو دوسری کشتی پیچھے چھوڑ دی گئی۔

رات کے آخری پہر بیڑے کی کشتیوں پر صرف تیس رضا کار سوار تھے اور باقی کناروں پر اُتر چکے تھے۔ کناروں پر تعاقب کرنے والے تاتاری سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بدستور آرہی تھی۔ تیمور ملک نے رضا کاروں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یکے بعد دیگرے دریا میں کود کر کنارے پر پہنچنے کا حکم دیا اور جب تمام کشتیاں خالی ہوگئیں تو اس نے اپنے آخری ساتھ سے جو اس کشتی میں سوار تھا کہا ۔ طاہر! اب وقت ضائع نہ کرو۔ کشتیاں منتشر ہو رہی ہیں، ان میں سے کوئی کنارے جا لگی تو تاتاری باخبر ہو جائیں گے۔ اب جلدی کرو۔ اگر تم تیرنا نہیں جانتے تو ایک کشتی کنارے پر لگا لو!

طاہر نے جواب دیا۔ میں تیرنا جانتا ہوں لیکن آپ؟

تیمور ملک نے مغموم آواز میں کہا۔ مجھے ڈوبتے ہوئے جہاز کے ملاح کا فرض ادا کرنے دو۔ جب تم کنارے پر پہنچ جاؤ گے تو میں بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔

طاہر کو تذبذب کی حالت میں دیکھ کر تیمور ملک نے کہا۔ میں حکم عدولی کو اچھا

نہیں سمجھتا۔جلدی کرو۔

طاہر نے جواب دیا۔میں آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کرتا لیکن میری ایک خواہش ہے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔میں اب کسی خواہش کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔کہو کیا کہتے ہو لیکن وقت ضائع نہ کرو۔اب پو پھٹنے والی ہے۔

طاہر نے کہا آپ وعدہ کریں کہ اس کے بعد اگر زندگی میں کبھی مجھے آپ سے کوئی درخواست کرنے کا موقع ملے تو آپ اسے رد نہیں کریں گے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔تم اپنے آپ کو ایسے وعدے کا حق دار ثابت کر چکے ہو۔جاؤ میں ایک کی بجائے تمھاری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

طاہر خدا حافظ کہہ کر آہستہ سے پانی میں اُترا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔رات بھر کی سردی اور بے آرامی سے اس کا جسم شل ہو رہا تھا۔دریا کا پانی نا قابل برداشت حد تک ٹھنڈا تھا۔وہ جوں توں کر کے کنارے پر پہنچا تو اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔چند سوار کنارے پر سے گزر رہے تھے۔طاہر کنارے پر گرے ہوئے ایک درخت کی جڑ پکڑ کر کچھ دیر پانی میں چھپا رہا اور جب یہ سوار گزر گئے تو اُس نے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن اب اسے پیادہ سپاہیوں کے چند دستے دکھائی دیے۔طاہر کا جسم بالکل سُن ہو چکا تھا۔جب وہ بھی گزر گئے تو ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر اسے پھر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔طاہر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔وہ جلدی سے باہر نکلا،

ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔کنارے پر گھنے درختوں اور تاریکی کی وجہ سے تاتاری یکے بعد دیگرے منتشر اور غیر منظم صورت میں آگے بڑھ

رہے تھے۔

طاہر نے کچھ سوچ کر نیام سے تلوار نکال لی۔ جب پندرہ بیس سوار گزر گئے تو اسے کنارے سے ایک طرف زیادہ گھنے درختوں کے درمیان ایک گھوڑے کی آہٹ سُنائی دی۔ وہ درختوں کی شاخوں کو ادھر اُدھر ہٹاتا ہوا دبے پاؤں آگے بڑھا۔

سوار اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا اور اس کے جواب میں وہ اسے اپنے پاس بُلا رہے تھے۔ طاہر نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور جس طرف سوار کے گھوڑے کا رخ تھا۔ اس طرف بڑھ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد طاہر کا ایک ہاتھ گھوڑے کی باگ پر تھا اور دوسرے ہاتھ اس کی تلوار سوار کو موت کے گھاٹ اُتار چکی تھی۔ طاہر نے جلدی سے نیچے گر کر تڑپتے ہوئے تاتاری کی ٹوپی اور پوستین اُتار کر پہن لی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

(۷)

صبح کے آثار نمودار ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ تیمور ملک اپنی کشتی چھوڑ کر پانی میں تیرتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا تو اسے درخت کی آڑ سے آواز سُنائی دی۔

۔۔تیمور!

اس نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا اور فوراً تلوار نیام سے نکال کر خطرے کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔

درخت کی آڑ سے پھر کسی نے کہا۔ گھبراؤ نہیں میں ہوں طاہر!

تیمور ملک جلدی سے درخت کے قریب پہنچا۔ طاہر گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ تیمور ملک نے جلدی سے کہا۔ گھوڑا حاصل کر لینے کے بعد بھی تم یہاں

کھڑے ہو؟

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ گھوڑا آپ کے لیے ہے۔ اب جلدی کریں۔

تیمور نے جواب دیا۔ میں اپنے مقدر کی دلدل سے نکلنے کے لیے کسی کی لاٹھی چھیننا نہیں چاہتا۔

طاہر نے جواب دیا آپ نے میری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور یہ پہلی درخواست ہے۔

تیمور ملک نے لاجواب سا ہو کر کہا۔ یہاں بحث کرنا ٹھیک نہیں آؤ۔ میرے ساتھ۔

طاہر اپنے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھامے تیمور کے ساتھ چل دیا۔ کنارے سے کوئی تین سو گز دور پہنچ کر تیمور رکا اور کہنے لگا۔ کیا مجھ سے وعدہ لیتے وقت تمہاری نیت یہی تھی؟

ہاں!

تمھیں یقین تھا کہ تمھیں گھوڑا مل جائے گا اور تم مجھے پیش کرو گے؟

یہ میرا ارادہ تھا، خدا کا شکر ہے کہ پورا ہوا۔

تیمور ملک نے طاہر کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر سوار ہو کر کہا تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔

طاہر نے جواب دیا اس طرح ہم دونوں رہ جائیں گے۔

تیمور ملک نے کہا۔ خدا پر اس قدر بھروسہ رکھنے والے انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ شاید تمھاری وجہ سے میں بھی بچ جاؤں۔ جلدی کرو۔ تاتاریوں کی آوازیں

آ رہی ہیں۔شاید انھوں نے خالی کشتیاں دیکھ لی ہیں۔۔

طاہر فوراً تیمور ملک کے پیچھے بیٹھ گیا۔کوئی دو کوس جنگل عبور کرنے کے بعد پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔طاہر نے گھوڑے کی تھکاوٹ محسوس کر کے چند بار اُترنے کی خواہش ظاہر کی لیکن تیمور ملک نے ایک نہ سُنی۔

سُورج کی پہلی شعاع کے ساتھ ایک تنگ گھاٹی سے گزرتے ہوئے طاہر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو تاتاری سواروں کا ایک گروہ سرپٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔

طاہر نے کہا وہ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں۔خُدا کے لیے مجھے اُتار دیجیے۔میں اس گھاٹی پر انھیں روک سکتا ہوں۔آپ کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے گا۔

تیمور ملک نے گھوڑا روکے بغیر پوچھا وہ کتنے ہیں؟

''سات''

تو میں بھی تمہارے ساتھ اُترتا ہوں۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے پیچھے لشکر نہیں ہوگا؟

یہی وجہ ہے کہ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔

طاہر نے کہا آپ میری دو درخواستیں پورا کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور میری دوسری درخواست ہے کہ آپ مجھے اتار دیں۔

لیکن میں اپنے لیے تمھارے اس ایثار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟

طاہر نے جواب دیا۔خوارزم تاتاریوں کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے اور اس چٹان کو آپ جیسے محافظ کی ضرورت ہے۔میں آپ پر احسان نہیں کرتا عالم اسلام کی ایک خدمت کرنا چاہتا ہوں۔خوارزم شاہ کو چند بزدل مشیروں نے ناکارہ بنا دیا ہے۔آپ اس میں زندگی کی روح پھونک سکتے ہیں۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ میں صرف سپاہی ہوں۔تلوار سے کاٹنا جانتا ہوں۔ قوم میں زندگی کی روح پھونکنا تم جیسے لوگوں کا کام ہے۔تم جاؤ۔ میں گھوڑے سے اُتر کران کا راستہ روکتا ہوں۔

طاہر نے کہا! اپنا وعدہ نہ بھولیے۔ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ہم ایک بار پھر ملیں گے۔ طاہر یہ کہہ کر بھاگتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اُتر گیا۔تیمور ملک نے گھوڑا روک لیا اور کہا۔تمھارے سر کش میں کتنے تیر ہیں؟

طاہر نے جواب دیا پان۔

تیمور ملک نے اپنا ترکش اُتار کراس کی طرف پھینک دیا اور کہا۔ چھ سات اس میں بھی ہوں گے۔کاش خوارزم کی فوج میں تمھارے جیسے پانچ سو سپاہی اور ہوتے؟

تیمور ملک نے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا اور طاہر تنگ گھاٹی کے موڑ کے قریب چند گز پہاڑی کے اوپر چڑھ کرایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

(۸)

جب پہلا سوار گھاٹی کے موڑ پر گزر کر چند گز آگے نکل گیا تو طاہر نے تیر چلا دیا اور وہ تھوڑی دور آگے جا کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ سے گر پڑا۔اتنی دیر میں دُوسرا سوار موڑ نکل کر طاہر کے تیر کی زد میں آچکا تھا۔طاہر کا دوسرا تیر بھی نشانے پر لگا لیکن تین اور سوار ایک ساتھ نمودار ہوئے۔طاہر نے ان میں سے ایک کو گرا لیا تو باقی دو گھوڑے روک کر مڑنے کی کوشش کی لیکن اوپر سے یکے بعد دیگرے دو تیر آئے اور ایک تاتاری زخمی ہو کر گر پڑا۔دوسرے نے اپنے گھوڑے کی پناہ لے کر جان بچائی۔اور بلند آواز سے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو باخبر کر دیا۔جب تک طاہر نے دُوسرا تیر چڑھایا،تاتاری گھوڑے سے کود کرایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ چکا تھا اور بدستور بلند

آواز سے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو پکار رہا تھا۔

طاہر اپنا مورچہ چھوڑ کر پتھروں کی آڑ لیتا ہوا پہاڑی کے اُوپر سے گھاٹی کے موڑ کی دوسری طرف جا پہنچا۔ نیچے کوئی تیس چالیس گز کے فاصلے پر دو سوار گھوڑے روک کر موڑ کے دوسرے سرے سے پکارنے والے ساتھی کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ طاہر پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

یہ دونوں سوار ایک دوسرے سے تاتاری زبان میں کچھ کہنے کے بعد گھوڑوں سے اُتر پڑے اور انھیں ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد دونوں پہاڑی کی ایسی ڈھلوان پر پہنچ چکے تھے جس پر چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اچانک طاہر کی کمان سے یکے بعد دو تیر نکلے وہ دونوں لڑھکتے ہوئے کئی گز نیچے چلے گئے۔ طاہر پتھر کی آڑ سے سر نکال کر نیچے دیکھ رہا تھا اُسے اپنے سامنے ایک متحرک سایہ دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے مڑ کر دیکھا اور اپنے جسم میں ایک کپکپاہٹ محسوس کی۔ دائیں ہاتھ چار پانچ قدم کے فاصلے پر ایک تاتاری ہاتھ میں تلوار لیے اس پر کودنے والا تھا۔

طاہر جلدی سے کمان پھینک کر اُٹھا۔ اس کا ہاتھ ابھی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچا تھا کہ تاتاری نے جست لگا کر اس پر وار کر دیا۔ طاہر اچانک ایک طرف جُھکا اور تاتاری کی تلوار اس کے جسم کے ساتھ مس کرتی ہوئی پتھر سے جا ٹکرائی۔ تاتاری کے دوسرے وار سے پہلے طاہر ایک طرف کود کر اپنی تلوار نیام سے نکال چکا تھا۔

چند بار دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں اور تاتاری اپنے حریف کو خطرناک سمجھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس نے چند بار پاؤں جما کر لڑنے کی کوشش کی لیکن اس کی پیش نہ گئی۔ چٹان کے آخری سرے پر پہنچ کر طاہر کی تلوار اس کے سر پر لگی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے ایک کھڈ میں جا گرا۔

طاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر پہاڑی سے نیچے اُترا اور جھاڑی کے ساتھ بندھے ہوئے دو گھوڑوں میں سے ایک پر سوار ہو گیا۔ جب وہ موڑ پر سے گزر رہا تھا تو اس کے تیروں سے زخمی ہونے والے تاتاریوں میں سے ایک نیم بسمل اپنا سر پتھر کے ساتھ پٹخ رہا تھا۔ طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر اس کے ترکش سے تیر نکال کر اپنے ترکش میں ڈال لیے اور پھر سوار ہو گیا۔

طاہر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا وادیوں اور پہاڑوں سے گزر رہا تھا۔ بعض دشوار گزار پہاڑوں میں اسے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کرنا پڑی۔ راستے کے متعلق اسے کوئی علم نہ تھا۔ پہاڑی ندیوں میں پانی کی کمی نہ تھی۔ لیکن وہ بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ رات بھر کی سردی نے اس کے اعضا شل کر دیے تھے اور اب صبح کی دُھوپ کے باوجود سرد ہوا کے جھونکے ناقابل برداشت تھے۔ راستے میں چند ایسی بستیاں آئیں جہاں جلے ہوئے مکانات اور عورتوں، مردوں اور بچوں کی بے گور و کفن لاشیں تاتاریوں کی بربریت کی شہادت دے رہی تھیں

دوپہر کے وقت طاہر ایک وسیع میدان میں سے گزر رہا تھا۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور سردی ہر لحظہ زیادہ ہو رہی تھی۔ تیسرے پہر برف گرنے لگی۔ طاہر کا گھوڑا قریباً جواب دے چکا تھا اور گردن ڈھیلی چھوڑ کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ برف کے طوفان میں طاہر کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا رُخ کس طرف ہے لیکن اُس نے رُکنے کی بجائے آگے بڑھنا مناسب سمجھا۔

عصر کے وقت گھوڑے نے برف پر گر کر دم توڑ دیا۔

طاہر نے بمشکل کوئی دو کوس راستہ پیدل طے کیا اور اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ برف کا طوفان بڑھتا جا رہا تھا اور رات سر پر کھڑی تھی۔ طاہر کے

دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی ۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ برف پر لیٹ کر سو جائے ۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ نیند اس کی آخری نیند ثابت ہو گی ۔ وہ دل مضبوط کر کے تیزی کے ساتھ چلنے لگا لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس کے اعضاء پھر ڈھیلے پڑ گئے ۔ وہ نڈھال سا ہو کر برف پر بیٹھ گیا ۔ لیکن انسان کی فطرت میں زندہ رہنے کی خواہش آخری وقت تک مایوسیوں سے جنگ کرتی ہے ۔ طاہر ایک بار پھر اُٹھا ۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور انتہائی عاجزی کے ساتھ دُعا کی ۔

"اے زمین و آسمان کے مالک ! میری زندگی کا کوئی مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا ۔ اب مجھ میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ۔ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں اور تجھی سے مدد مانگتا ہوں لیکن اگر میرے مقدر میں موت کے سوا کچھ نہیں تو مجھے ایک مومن کا حوصلہ عطا کر !"

اس دُعا کے بعد طاہر نے محسوس کیا کہ وہ زندگی کے بوجھ سے سبکدوش ہو چکا ہے ۔ وہ بیٹھنے کو تھا کہ اچانک ایک آواز نے اس کی رگوں کے منجمد خون میں حرارت پیدا کر دی ۔ یہ ایک گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز تھی ۔ طاہر نے ادھر اُدھر دیکھا ۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ایک گھوڑا کان کھڑے کر کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا ۔

طاہر بھاگتا ہوا گھوڑے کے قریب پہنچا ۔ گھوڑا ایک دو قدم آگے بڑھ کر اس کے سینے سے اپنا منہ رگڑنے لگا ۔ اس پر برف میں اٹی ہوئی زین دیکھ کر طاہر نے محسوس کیا کہ یہ کسی مسلمان مجاہد کا رفیق کارزار رہ چکا ہے ۔

طاہر نے زین سے برف جھاڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے اس کی مرضی پر

چھوڑ دیا۔ گھوڑا چند قدم آگے چل کر پھر اپنی جگہ آ رُکا اور ایک اُبھری ہوئی جگہ پر سُم مارنے لگا۔ طاہر نے جلدی سے نیچے اُتر کر برف ادھر اُدھر ہٹائی تو نیچے ایک انسان کی لاش تھی۔ اس کی پسلی اور پیٹھ میں دو تیر پیوست تھے۔ طاہر نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر اس کا جسم پھر برف میں چھپا دیا اور گھوڑے کو تھپکی دے کر پھر اس پر سوار ہو گیا۔

زندگی کی نئی امید نے طاہر کے رگ و ریشے میں ایک نئی حرارت پیدا کر دی تھی۔ اس نے کچھ دور چل کر گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اس میں گوشت اور پنیر کے چند ٹکڑے تھے۔

پیٹ بھرنے کے بعد طاہر نے قدرے تقویت محسوس کی۔ گھوڑا آہستہ آہستہ اپنی مرضی سے جا رہا تھا۔ طاہر نے اس کا رُخ بدلنے یا اسے روکنے کی ضرورت نہ کی۔

ثریا

شام کے دُھندلکے میں طاہر ایک ویران بستی میں داخل ہوئے۔ اُجڑے ہوئے مکان گواہی دے رہے تھے کہ تاتاریوں کے سیلاب کی کوئی لہر اس بستی سے گزر چکی ہے۔ گھوڑے کی رفتار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ آس پاس کا کوئی مکان اس کی منزل مقصود نہیں۔ طاہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کسی مکان کے روزن سے روشنی کی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ اکثر مکانوں کے دروازے کُھلے تھے اور ان کے سامنے برف کے ڈھیر یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کے اندر کوئی نہیں۔

ایک مکان کے بند دروازے کے قریب پہنچ کر طاہر نے تلوار کی نوک سے ایک کواڑ اندر کی طرف دھکیلا، دروازہ کُھل گیا لیکن اندر سے گلی سڑی لاشوں کی ناقابل برداشت بدبو نے طاہر کا راستہ روک لیا۔

گھوڑے نے کان کھڑے کر کے گردن ہلائی اور آگے بڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ طاہر نے گھوڑے کو تھپکی دے کر اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور کہا۔ میرے دوست! اب میری ہمت جواب دے رہی ہے اگر تمہیں کوئی گوشہ عافیت معلوم ہے تو جلدی پہنچو!

جب گھوڑا بستی سے باہر نکل رہا تھا، طاہر کو آخری بار خیال آیا کہ شاید گھوڑے کی فراست پر اعتماد کرنا عقل مندی نہ ہو۔ رات کی تاریکی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ طاہر نے ایک بار گھوڑے کو روکا اور بلند آواز سے پکارنے لگا۔ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟

اس کی آواز رات کے سناٹے میں فنا ہو گئی اور اس کے بعد ایک طرف سے بھیڑیوں کی چیخوں نے اس خیال کی تردید کر دی۔ اس کا گھوڑا پہلی بار ایک جُھرجُھری لینے کے بعد ہنہنایا۔ اس کی ہنہناہٹ اپنے سوار سے یہ کہہ رہی تھی۔ مایوس

کیوں ہوتے ہو منزل آچکی ہے۔

طاہر نے پھر گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ بستی سے تھوڑی دور آگے جا کر گھوڑا گھنے درختوں میں گزرتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ برف باری اور تاریکی میں طاہر کے لیے دو قدم آگے دیکھنا بھی مشکل تھا۔

ٹیلے کی چوٹی پر ایک دیوار کے قریب پہنچ کر گھوڑا مڑا اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف ہولیا اور چند قدم پر وہ ایک کھلے دروازے سے گزر کر ہنہناتا ہوا اندر داخل ہوا۔

طاہر کے سامنے ایک بلند مکان تھا۔ وہ قوت ارادی جس کے باعث وہ یہاں پہنچا تھا۔ اب جواب دے چکی تھی۔ جلتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے لیٹ کر سو جانا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا تھا لیکن اندر روشنی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ گھوڑا ڈیوڑھی میں داخل ہو کر رک گیا۔ طاہر گھوڑے سے اترا۔ اس کے پاؤں سن ہو چکے تھے۔ ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے سوچا شاید اس مکان میں بھی کوئی نہ ہو۔ شاید گھوڑے نے اس کی آخری منزل کے لیے اس بستی کے اُجڑے ہوئے مکانوں میں سے بہترین مکان منتخب کیا ہو۔ وہ اپنی ساری طاقت کے ساتھ چلانے لگا۔ کوئی؟ کوئی ہے؟ اور اس کی آواز پتھر کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آنے لگی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر دیواروں کو ٹٹولتا اور بدستور چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور اس کمرے کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے سرے تک جا پہنچا لیکن کہیں سے اسے اپنی آواز کا جواب نہ آیا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ ریت پر

امیدوں کا محل تعمیر کر رہا ہے۔اگر یہاں کوئی انسان ہوتا تو مکان کے تمام دروازے کھلے نہ ہوتے۔اس نے اپنے دل میں کہا۔اس وقت آگ کی ایک چنگاری میری جان بچا سکتی ہے۔لیکن آگ جلانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔اچانک اس نے اپنے پاؤں کے نیچے کوئی نرم شے محسوس کی۔اس نے جھک کر ہاتھوں سے ٹٹولا تو یہ ایک پوستین تھی۔اس نے فرش پر بیٹھ کر پوستین اپنے گرد لپیٹ لی اور جلد ہی یہ محسوس کیا اس کی بدولت اس کی کھوئی ہوئی حرارت واپس نہیں آسکتی لیکن چند گھڑیاں پیشتر اس نے گھوڑے کو تائید غیبی سمجھا تا۔اب بھی اس کا ضمیر یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اللہ تعالٰی نے اسے تنہا چھوڑ دے گا۔اسے یقین تھا کہ خدا نے اسے اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچایا ہے۔خدا سے اس نے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے زندہ رہنے کی دُعا کی تھی اور یہ مقصد یہاں پہنچ کر پورا نہیں ہوتا۔یہ مکان اس کی آخری منزل نہیں۔قدرت فقط اس کا امتحان لینا چاہتی ہے۔مایوس ہونا مومن کی شان نہیں۔یہ رات گزر جائے گی۔صبح کو سورج کی حرارت اسے نئی زندگی کا پیغام دے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مکان کے کسی گوشے میں کوئی اللہ کا بندہ آگ جلا کر اس کا انتظار کر رہا ہو۔اس ذہنی کشمکش کے دوران اسے نماز کا خیال آیا۔اس نے جلدی سے تیمم کیا اور اپنی رہی سہی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نماز کی نیت کا ارادہ کرتے ہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ہو سکتا ہے کوئی اس مکان کے کسی گوشے میں تاتاریوں کے خوف سے چھپ کر بیٹھا ہو!اس نے بلند آواز میں اذان دی اور ایک لمحہ انتظار کرنے کے بعد کسی کی آمد سے مایوس ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز میں محو ہونے کے بعد جسمانی تکلیف کا احساس آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

نماز ختم کر کے دُعا کے وقت کمرے میں اچانک دُھندلی سی روشنی دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا اس نے جلدی سے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔

(۲)

ایک آٹھ سال کا بچہ ہاتھ میں مشعل لیے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔نوجوان کے چہرے میں غایت درجہ کی جاذبیت تھی۔لباس سے وہ ایک ترک سپاہی معلوم ہوتا تھا۔طاہر نے اپنی زندگی میں کسی انسان کا اس سے زیادہ دلفریب چہرہ نہیں دیکھا تھا۔وہ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف مبہوت سا ہو کر دیکھتا رہا۔کمسن لڑکے اور اس نوجوان کی صورت میں کافی مشابہت تھی۔

طاہر نے یہ محسوس کہ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے آسمان سے دو فرشتے بھیجے ہیں۔دونوں پریشانی کی حالت میں اس کی طرف گھور رہے تھے۔طاہر نے السلام علیکم کہا۔کمسن لڑکے اور نوجوان نے ایک ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا۔لیکن لڑکے سے زیادہ نوجوان کی آواز کا ترنم تھوڑی دیر کے لیے اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

نوجوان نے عربی زبان میں کہا۔اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ عرب ہیں؟

طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔آپ نے کیسے پہچانا؟

آپ کی اذان سن کر۔آپ کا لہجہ عربی تھا۔

طاہر نے کہا۔اور اگر میں بھی غلطی نہیں کرتا تو آپ کا لہجہ بھی عربوں سے زیادہ مختلف نہیں۔

نوجوان کے چہرے پر ایک ہلکی سی اُداس مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے

کہا، میری ماں عرب تھی لیکن یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں ۔ آپ برف کے طوفان سے گزر کر آئے ہیں ۔ آیئے ہمارے ساتھ چلیے!

نوجوان کی آواز میں ایک موسیقی تھی ۔ وہ موسیقی جو کانوں کے راستے دل کی گہرائیوں تک اُتر جاتی ہے ۔

طاہر اُٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا ۔ نوجوان نے دو تین قدم اُٹھانے کے بعد رُک کر پوچھا ۔ لیکن رات کے وقت آپ یہاں کیسے پہنچے؟

طاہر نے جواب دیا ۔ مجھے یہاں سے چند کوس دُور برف میں پڑے ہوئے ایک مسلمان سپاہی کا گھوڑا مل گیا اور اس گھوڑے نے مجھے یہاں پہنچا دیا ۔

نوجوان کے چہرے پر رنج و افسوس کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا ۔ آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے، وہ سپاہی زخمی تھا یا برف کے طوفان کے باعث ہلاک ہوا ہے؟

وہ زخمی تھا، اگر وہ آپ کا کوئی عزیز تھا تو مجھے افسوس ہے ۔

نوجوان نے کہا ۔ وہ ہمارا پُرانا خادم تھا ۔ میں نے آج اسے ایک ضروری پیغام دے کر سمرقند روانہ کیا تھا لیکن آپ کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں ۔ آیئے ہمارے ساتھ یہ جگہ محفوظ نہیں ۔

کمسن لڑکا شمع لیے ہوئے آگے چل دیا ۔ دو کمروں میں سے گزر کر یہ لوگ ایک تنگ کوٹھڑی میں داخل ہوئے ۔ نوجوان نے اس کوٹھڑی کے ایک کونے سے پتھر کے فرش کی ایک سل اُٹھائی ۔ سل کے نیچے ایک شگاف تھا جس میں سے ایک آدمی با آسانی نیچے اُتر سکتا تھا ۔ اس شگاف سے لکڑی کی سیڑھی نیچے اُترتی تھی ۔ پہلے کمسن لڑکا اور اس کے بعد طاہر اس سیڑھی سے نیچے اُتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہوئے ۔

سب سے آخر میں نوجوان نے سیڑھی پر پاؤں رکھ کر اوپر کا شگاف اسی سل سے بند کر دیا۔

تہ خانے کے ایک کونے میں آگ جل رہی تھی ۔فرش پر ایک خوب صورت قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف تین چار پوستینیں پڑی ہوئی تھیں ۔نوجوان نے طاہر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔آپکو بھوک لگ رہی ہوگی ۔ہمارے پاس گوشت کے چند سوکھے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں ۔

مجھے آپ کے ملازم کے تھیلے سے کھانے کو بہت کچھ مل گیا تھا۔اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی شے کی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے طاہر نے اپنے موزے اُتار کر آگ کے سامنے پاؤں پھیلا دیے۔کمرہ کافی گرم تھا۔طاہر بیٹھے بیٹھے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔نوجوان نے اُٹھ کر اس پر پوستین ڈال دی۔

(۳)

ایک میٹھی اور دل کش آواز سن کر طاہر نے آنکھیں کھولیں اور پریشانی کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔میں کہاں ہوں؟اور پھر شمع کی روشنی میں جگانے والے نوجوان کو پہچان کر اپنے سوال کا جواب انتظار کیے بغیر بولا۔کیا صبح ہوگئی؟

نوجوان نے جواب دیا۔اب تو دوپہر ہونے والی ہے ۔آپ بہت دیر سوئے ہیں۔

لیکن ابھی تک کافی اندھیرا ہے۔

آپ اس مکان کے تہ خانے میں ہیں ۔دن کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچتی ۔

طاہر کی آنکھوں سے نیند کا خمار آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔لیکن گزشتہ جسمانی کوفت کا اثر ابھی تک باقی تھا۔اس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔رات کے وقت

آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔لیکن مجھے اچانک نیند نے آدبایا۔اب آپ بتایئے، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟اور وہ آپ کا نوکر آپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہا تھا؟ میرے خیال میں یہاں ٹھہرنا بہت خطرناک ہے۔ہمیں بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

نوجوان نے جواب دیا۔میں بھی آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ کو فوراً نیند آ گئی۔میرے والد اس شہر کے حاکم تھے، سلطان کی شکست کے بعد آس پاس کی دوسری بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ بلخ، بخارا اور سمرقند کی طرف ہجرت کر گئے۔میں نے اپنے باپ کے ساتھ رہنے پر اصرار کیا لیکن انھوں نے میرے چھوٹے بھائی اسماعیل کی خاطر مجھے ایک قافلے کے ساتھ بلخ جانے پر مجبور کیا۔بلخ میں میرا نانا ایک مشہور تاجر ہے۔ہمارے قافلے کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی جن میں زیادہ عورتیں اور بچے تھے۔اس شہر سے کوئی بیس کوس کے فاصلے پر رات کے وقت ہمارے قافلے پر تاتاریوں کے ایک دستے نے حملہ کر دیا۔مردوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی۔وہ سب ایک ایک کر کے کٹ گئے۔بعض عورتوں نے بھی لڑ کر جان دی اور باقی زندہ پکڑ لی گئیں، میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اسماعیل کو بچانا تھا، دہشت کی حالت میں اس کی چیخیں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں۔والد نے مجھے اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رکھا تھا۔میں نے اسماعیل کو خچر سے اُتار کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔گھنے جنگل اور رات کی تاریکی کے باعث تاتاری میرا پیچھا نہ کر سکے لیکن مجھے اپنی بہنوں کی وہ جگر دوز چیخیں جو میں نے فرار ہوتے وقت سُنی تھیں، کبھی نہ بھولیں گی۔

نوجوان یہاں تک کہہ کر رُک گیا۔ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ طاہر اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ کمسن لڑکا چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مغموم چہرے پر گزشتہ واقعات کی یاد کے تکلیف دہ آثار پیدا ہو رہے تھے۔ طاہر نے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف ہاتھ پھیلا دیے۔ لڑکے نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ تذبذب کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھا اور چند سسکیاں لینے کے بعد بھاگ کر طاہر کے ساتھ لپٹ گیا۔ تھوڑی دیر اس نے ہونٹ بھینچ بھینچ کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن جب طاہر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

طاہر نے کہا۔ ڈرو نہیں ہم بہت جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔

لڑکے نے کہا۔ لیکن راستے میں تاتاری ہوں گے۔ وہ بچوں کو کھا جاتے ہیں۔

نہیں نہیں۔ تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے۔

نوجوان نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اسماعیل مجھے تسلیاں دیا کرتا تھا۔ آج خدا جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔

طاہر نے نوجوان کے کی طرف غور سے دیکھا اور کہا، اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ اسماعیل کی بہن ہیں، بھائی نہیں۔

نوجوان کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اس نے آنکھیں جُھکا لیں۔

طاہر نے کہا، گھبرایئے نہیں۔ آپ کی عزت اور حفاظت میرا فرض ہے۔ آپ نے اپنی سرگزشت ابھی ختم نہیں کی۔

جب لڑکی نے دوبارہ طاہر کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ کاش! اس بے کسی اور

مایوسی کے زمانے میں قدرت ہماری قوم کی بیٹیوں کو مرد بنا دیتی۔تاتاریوں سے بچ کر ہم پھر گھر واپس پہنچ گئے۔تیسرے دن ابا جان کو یہ اطلاع ملی کہ تاتاری سپاہیوں کے دستے شہر پر حملہ کرنے والے ہیں۔ابا جان کے پاس صرف چار سو سپاہی تھے، بعض افسروں نے انھیں مشورہ دیا کہ اس مختصر فوج کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنا خودکشی ہے۔لیکن وہ بہت غیور تھے۔انھوں نے شہر چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ابا جان کو جاسوسوں کی بدولت یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس شہر کا رخ کرنے والے تاتاریوں کی تعداد زیادہ نہیں اور انھیں یقین تھا کہ وہ چند دن تک انھیں شہر سے دور رکھ سکیں گے۔ اتنی دیر میں بلخ یا سمرقند سے کمک ضرور پہنچ جائے گی۔لیکن قوقند کے متعلق جو افواہیں مشہور ہو رہی تھیں۔انھوں نے شہر کے لوگوں کو بہت بد دل کر دیا۔بعض افسر ابا سے یہ کہتے تھے کہ سلطان نے تیمور ملک کو کوئی کمک نہیں بھیجی پھر آپ کیسے مدد کی توقع رکھتے ہیں؟ ابا جان کا آخری جواب یہ تھا کہ میں اپنا فرض پورا کروں گا۔شام کے وقت انھوں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ علی الصبح شہر سے باہر نکل کر تاتاریوں کا مقابلہ کرے لیکن صبح تک قریباً دو سو سپاہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔یہاں تک کہ ہمارے محل کے ملازموں میں سے بھی اکثر نے بھاگنے والوں کا ساتھ دیا۔

صبح کے وقت رُخصت ہونے سے پہلے ابا جان نے پہلی مرتبہ ہمیں اس تہ خانے کا خفیہ راستہ بتایا اور علی کو ہمارے ساتھ چھوڑ دیا۔علی ہمارا پُرانا ملازم تھا۔ ابا جان نے ہمارے لیے چند دن کی خوراک اس تہ خانے میں جمع کر دی اور ہمیں بتایا کہ اگر انھیں شکست بھی ہو تو ہم اس تہ خانے سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ تاتاری کسی کو بھاگنے کا موقع نہیں دیا کرتے۔انھیں امید تھی کہ خوارزم کی افواج تیاری کے بعد اس طرف ضرور آئیں گی۔

علی کے سوا باقی نوکروں میں سے کسی کو ہمارے اس تہ خانے میں روپوش ہونے کا علم نہ تھا۔ دو دن تک ہم اس تہ خانے میں چھپے رہے۔ محل کے رہے سہے خادم بھی بھاگ گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر بھاگ گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر رکھتا۔ تیسری شام ابا جان کا گھوڑا خالی واپس آیا اور اسی رات تاتاریوں نے شہر میں داخل ہو کر رہی سہی آبادی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

دو دن تاتاری اس محل کو اپنا مرکز بنا کر آس پاس کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے رہے اور ہم علی کے ساتھ اس جگہ چھپے رہے۔ یہ دو دن ہمارے لیے برسوں سے زیادہ طویل تھے۔ تیسرے دن انھوں نے یہ شہر خالی کر دیا۔ محل میں مکمل سکوت تھا لیکن ہم نے رات تک انتظار کیا۔ رات کے وقت علی سُرنگ کے راستے باہر نکلا اور اس نے واپس آکر ہمیں تسلی دی۔ چنانچہ ہم نے ناقابلِ برداشت سردی میں پہلی بار یہاں آگ جلائی۔ صُبح ہوئی تو علی سرنگ کے راستے پھر باہر نکلا اور اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ ہمارے اصطبل کا ایک گھوڑا باہر چر رہا تھا اور وہ اسے پکڑ کر اصطبل میں باندھ آیا ہے۔ اس کے بعد چار دن تک ہم یہ دعائیں کرتے رہے کہ مسلمانوں کی کوئی فوج اس طرف آنکلے۔ پرسوں رات ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ علی الصباح اس مقام کو خیرباد کہہ کر بلخ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ راستے کی کسی فوجی چوکی سے مدد مل جائے لیکن پچھلے پہر برف باری کے آثار دیکھ کر میں نے سمرقند کے گورنر کے نام یہ درخواست لکھی کہ ہمیں یہاں سے نکال کر بلخ پہنچانے کے لیے فوج کا ایک دستہ بھیجا جائے۔ علی میری درخواست لے کر کل روانہ ہوا۔ اب وہ گھوڑا جس پر آپ ہوئے ہیں، میں دیکھ آئی ہوں، علی اسی پر سوار ہو کر گیا تھا۔ میرے خیال میں وہ کسی تاتاری سفاک کا شکار ہوا ہے۔

اب شاید خدا نے آپ ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ طاہر نے مختصراً اپنی سرگزشت سنائی اور اختتام پر لڑکی سے کہا، میں ذرا باہر جا کر موسم کا حال دیکھنا چاہتا ہوں۔

محل میں تاتاریوں کی آمد کا ہر وقت خطرہ ہے۔ اس لیے باہر جانے کا محفوظ راستہ یہ سرنگ ہے۔ یہ کہتے ہوئے لڑکی نے تہ خانے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی ایک چرخی کو گھمانا شروع کیا۔ معمولی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ ایک سل آہستہ آہستہ ایک طرف کھسک گئی اور دیوار میں ایک قابل گزر شگاف پیدا ہو گیا۔

(۴)

تہ خانے کی دھندلی سی روشنی کے مقابلے میں سرنگ بہت تاریک تھی۔ لڑکی اور اس کا بھائی کسی جھجک کے بغیر آگے جا رہے تھے لیکن طاہر جھجک جھجک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ کہیں کہیں سرنگ کے دونوں جانب زمین کھود کر کشادہ کمرے بنائے گئے تھے۔ طاہر کوئی پچاس گز چلنے کے بعد اصل راستہ چھوڑ کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ اتنی دیر میں لڑکی اور اس کا بھائی کچھ دور نکل گئے۔ طاہر پریشانی کی حالت میں کمرے کی دیواریں ٹٹول رہا تھا کہ لڑکی کی آواز آئی آپ کہاں ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ مجھے راستہ نہیں ملتا۔

لڑکی نے پلٹ کر اپنے بھائی سے کہا۔ اسماعیل! ان کا ہاتھ پکڑ لو۔

اسماعیل نے طاہر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے۔ میرے ساتھ آیئے میں تاریکی میں دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ ان کمروں میں اچھی خاصی فوج رہ سکتی ہے۔

لڑکی نے جواب دیا۔ ہاں! لیکن کاش ہمارے پاس کافی فوج ہوتی!

ایک جگہ پہنچ کر لڑکی رُک گئی اور اس نے کہا اب ذرا سنبھل کر چلیں۔ آگے چشمہ ہے۔ اسماعیل تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔

تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چند قدم آگے بڑھے تو تاریکی کم ہونے لگی۔ دائیں ہاتھ مڑنے کے بعد دو تین قدم چل کر لڑکی پھر رُک گئی۔ یہاں روشنی کافی تھی۔ طاہر نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے کھڑا ہے۔ ایک چٹان سے پانی کی دھار پھوٹ کر اس تالاب میں گر رہی تھی اور تالاب کا فالتو پانی سُرنگ کے راستے نکل رہا تھا۔ پانچ چھ قدم آگے یہ سرنگ ختم ہو جاتی تھی اور یہ آخری حصہ بہت تنگ تھا۔

پانی کی گہرائی ایک بالشت سے بھی کم تھی۔ لڑکی کی تقلید میں اسماعیل اور طاہر اُبھرے ہوئے پتھروں پر پاؤں رکھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سرنگ سے باہر نکلے ان کے سامنے درختوں سے ڈھکی ہوئی گہری اور تنگ وادی تھی۔ برف باری تھم چکی تھی لیکن مطلع ابر آلود تھا۔ درخت، پتھر اور زمین کی ہر شے برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔

سرنگ سے نکلتا ہوا پانی ایک چھوٹی سی ندی بناتا اور سنگ ریزوں سے ٹکرا کر ایک دل کش نغمہ پیدا کرتا ہوا اس تنگ وادی کے درمیان ایک بڑی ندی سے جا ملتا تھا۔ طاہر تھوڑی دیر کے لیے ایک دلکش منظر میں کھو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے نادانستہ طور پر اس کی نگاہیں لڑکی کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ حسین تھی، شبنم میں دُھلے ہوئے پھول سے زیادہ حسین، مصور فطرت نے برف کا حسین مجسمہ بنا کر اس میں گلابی رنگ بھر دیا تھا۔ حزن و ملال نے اس کا چہرہ بادل کے ہلکے سے نقاب میں چھپے ہوئے چاند سے زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔

لڑکی منہ پھیر کر بے توجہی سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی اور طاہر کے مُنہ سے

بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے ۔تمھارا نام کیا ہے؟

ثریا۔اس نے جواب دیا اور پریشان سی ہو کر طاہر کی طرف دیکھنے لگی ۔اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں ۔دیکھو! میں تمھاری پناہ میں ہوں لیکن ایک غیور باپ کی بیٹی ہوں!

طاہر نے اپنے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس کی اور مُنہ پھیر لیا ۔کچھ دیر سر جُھکا کر سوچنے کے بعد وہ بولا ۔مجھے بہت جلد بغداد پہنچنا ہے لیکن اس سے پہلے میں آپ کو بلخ پہنچادوں گا۔ہم مطلع صاف ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ۔اس وادی سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟

لڑکی نے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔اس طرف سے سامنے کی پہاڑی عبور کرنے کے بعد!

طاہر نے کہا۔اگر سُورج نکل آیا تو ہم کل روانہ ہو جائیں گے۔

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ابھی شاید اور برف پڑے۔

طاہر نے کہا۔آپ تھوڑی دیر یہاں ٹھہریں میں اوپر جا کر دیکھ آؤں شاید؟

شاید کیا؟لڑکی نے پوچھا

کچھ نہیں

آپ کا خیال ہو گا کہ شاید مسلمانوں کی فوج نظر آ جائے ۔میں بھی صبح وشام یہی خواہش لے کر اس پہاڑی پر جایا کرتی تھی۔

طاہر نے کہ آپ کا تہ خانہ تو کافی محفوظ ہے لیکن کیا بستی کے لوگوں میں کسی کو بھی پتہ نہ تھا؟

ثریا نے جواب دیا ۔نہیں اس وادی کے گرد ہمیشہ پہرہ رکھا جاتا تھا ۔ابا جان

نے جب یہ تہ خانہ اور سرنگ دکھائی تو مجھے احتیاط کی وجہ معلوم ہوئی۔

بہت اچھا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ طاہر یہ کہہ کر برف پر پاؤں رکھنے لگا تھا کہ لڑکی نے جلدی سے کہا۔ نہیں نہیں، ٹھہریے، اس سرنگ کے قریب برف پر پاؤں کے نشان نہ چھوڑیے، آپ ندی میں سے گزر کر جائیے۔

طاہر ثریا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پانی میں چلتا ہوا بڑی ندی تک پہنچا اور بڑے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھ کر اسے عبور کرنے کے بعد پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اسے برف کی سفید چادر پر کوئی متحرک شے نظر نہ آئی۔ جب وہ نیچے اتر کر اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو برف باری پھر شروع ہو چکی تھی۔ طاہر بھوک کی شدت محسوس کر رہا تھ۔

دوبارہ تہ خانے میں پہنچنے کے بعد ثریا نے گوشت کے چند ٹکڑے اور تھوڑا سا خشک میوہ ایک طشتری میں ڈال کر طاہر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو بھوک تو ضرور ہو گی۔ آپ نے رات کے وقت بھی کچھ نہ کھایا تھا۔

طاہر نے جواب دیا۔ شام کو مجھے آپ کے نوکر کے تھیلے سے کافی کھانا مل گیا تھا۔ مجھے گھوڑے کی فکر ہے۔ میں اسے اسی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔

میں علی الصبح اوپر جا کر اسے اصطبل میں چھوڑ آئی تھی۔ وہاں سوکھی گھاس کافی ہے۔ یہ کہہ کر ثریا اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسماعیل! تم ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔

اسماعیل طاہر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ طاہر نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کھینچ لیا اور ثریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن آپ؟

ثریا نے کہا۔ آپ میری فکر نہ کیجیے۔ میں بہت سویرے کھا لیا کرتی ہوں۔

اسماعیل آج ذرا دیر سے اُٹھا تھا اس لیے یہ ابھی تک بھوکا ہے۔

طاہر نے ایک نوالہ مُنہ میں ڈالتے ہوئے لڑکے سے کہا۔ اسماعیل کھاؤ۔

لیکن اسماعیل مضطرب ہو کر اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ثریا نے ذرا آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اسماعیل! کھاتے کیوں نہیں؟

کمسن بچے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کو بھینچنے کی کوشش کرتا ہوا دونوں ہاتھ پھیلا کر ثریا سے لپٹ گیا۔ میں نہیں کھاؤں گا، میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

طاہر نے محسوس کیا کہ کوئی تلخ شے اس کے حلق سے اُتر گئی ہے۔ اس نے طشتری اُٹھا کر ثریا کے سامنے رکھ دی اور کہا۔ میں اپنا حصہ کھا چکا ہوں۔

ثریا نے کہا نہیں نہیں۔ آپ بھوکے ہیں۔

طاہر نے کہا۔ ایک عرب ماں کی بیٹی سے مجھے یہی توقع تھی لیکن میں اب آپ کا مہمان نہیں محافظ ہوں، مجھے شام کے وقت پیٹ بھر کر کھانے کے لیے مل گیا تھا لیکن آپ نے شاید شام کو بھی بہت تھوڑا کھایا ہو۔

طاہر نے اُٹھ کر کمان سنبھال لی اور ترکش گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ آپ یہ کھالیں۔ میں انشاءاللہ جلد واپس آجاؤں گا۔ اگر بستی میں کوئی شے نہ ملی تو شاید باہر سے کوئی شکار مل جائے۔

ثریا نے کہا۔ بستی میں انسانی لاشوں کے سوا تاتاری سب کچھ چٹ کر گئے ہیں اور اس موسم میں شاید شکار بھی نہ ملے۔

طاہر نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا نے ہمیں بھوکوں مرنے کے لیے یہاں

اکٹھا نہیں کیا۔ میں انشاءاللہ خالی نہیں آؤں گا۔ آپ شام کی فکر کیے بغیر یہ کھانا کھالیں۔

ثریا نے کہا۔ اگر آپ کو خدا کی رحمت پر اس قدر بھروسہ ہے تو کم از کم اپنا حصہ کھا کر جائیں۔

طاہر نے جھک کر گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ بس! میں نے اپنا حصہ لے لیا ہے۔

لڑکی نے کہا۔ میں آپ کو باہر پہنچا آتی ہوں۔

نہیں۔ میں نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ یہ کہہ کر طاہر سرنگ کے راستے باہر نکل گیا۔

طاہر کے جانے کے بعد ثریا نے کہا۔ اسماعیل! اب کھالو۔

کمسن لڑکے نے جواب دیا۔ تمھارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔

ثریا نے طشتری میں پڑی ہوئی اشیاء میں سے تیسرا حصہ نکال کر علیحدہ رکھ دیا اور کہا۔ یہ اُن کا حصہ۔ جب وہ آئیں گے انھیں بہت بھوک ہوگی اور یہ میرا اور تمھارا حصہ ہے۔

(۵)

دوپہر کے وقت مطلع صاف ہو چکا تھا اور سورج کی روشنی میں برف کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ہوا ساکن ہونے کی وجہ سے موسم قدرے خوش گوار تبدیلی ہو رہی تھی۔ ثریا اور اسماعیل سرنگ سے باہر چند درختوں کے درمیان ایک پتھر پر بیٹھے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ برف پگھلنے سے درختوں کی ٹہنیاں آہستہ آہستہ ننگی ہو رہی تھیں۔ سامنے وادی کے درمیان ندی کا پانی آہستہ آہستہ زیادہ ہو رہا تھا۔

اسماعیل نے کہا۔ آپا وہ ابھی تک نہیں آئے۔ ایسی دھوپ میں شکار ضرور مل جاتا ہے۔

ثریا نے جواب دیا۔ خدا اسے دعا کرو۔

وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر ابا جان ہوتے تو انھیں اپنی فوج کا سالار بنا لیتے۔ لیکن آپا اگر انھیں شکار کی بجائے تاتاری مل گئے تو؟

خدا ان کی مدد کرے گا۔

اگر ہمیں یہاں کسی تاتاری نے دیکھ لیا تو؟

یہاں ہمیں اوپر سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اگر انھیں تاتاریوں نے پکڑ لیا اور انھوں نے اپنی جان بچانے کے لیے تاتاریوں کو ہمارا پتہ دے دیا تو؟

چُپ رہو۔ اپنے مہمانوں کے متعلق ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے۔

اگر پھر برف باری شروع نہ ہوئی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

انشاءاللہ!

اسماعیل خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ چلانے لگا۔ وہ آ گئے! وہ آ گئے!! آپا! آپا!! اُدھر دیکھو وہ پہاڑی دُنبہ لا رہے ہیں۔ دیکھو آپا۔ دیکھو وہ کتنا بڑا ہے۔ وہ اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر چل رہے ہیں۔ آگ بجھ تو نہیں گئی ہوگی؟

ثریا نے درخت کی آڑ سے ایک طرف ہو کر دیکھا۔ طاہر کندھے پر ایک پہاڑی دنبہ اٹھائے ندی عبور کر رہا تھا۔

اسماعیل نے پھر کہا۔ آپا! آگ تو نہیں بجھ گئی ہوگی، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔

ثریا نے کہا۔ تم تو کہتے تھے کہ تم بالکل سیر ہو گئے ہو؟

میں یہ نہ کہتا تو آپ اپنا حصہ بھی نہ کھاتیں۔ لیکن اب تو خدا نے دُنبہ بھیج دیا ہے۔ آپا یہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

طاہر نے سرنگ کے قریب پہنچ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ جلدی اندر چلیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آس پاس تاتاریوں کا کوئی گروہ نہ ہو۔ یہ دُنبہ میرے تیر کا نشانہ بننے سے پہلے زخمی تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب تہ خانے میں ثریا دنبے کا گوشت بھون رہی تھی، اسماعیل طاہر کے قریب آگ کے سامنے بیٹھ کر بار بار بے قراری کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا۔ آپا! اب پک گیا ہوگا۔

طاہر کی گزشتہ جسمانی تکالیف اور ذہنی پریشانیوں کے بعد اس تنگ و تاریک تہ خانے میں ایک طرح کی آسودگی محسوس کر رہا تھا تاہم مستقبل کے متعلق ایک چبھتا ہوا احساس اسے کبھی کبھی پریشان کر دیتا۔ کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اڑ کر بغداد پہنچ جائے اور وہاں اُونچے لیکن خاموش ایوانوں میں ایک ہنگامہ محشر اور کھڑے پانی کی سی زندگی میں ایک ارتعاش پیدا کر دے۔ وہ تصور میں بغداد کی مساجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے پُر جوش تقریریں کر رہا تھا۔ کبھی وہ بغداد کی ایک بے پناہ فوج کے ساتھ خوارزم شاہ کے جھنڈے تلے تاتاریوں کا مقابلہ کر رہا تھا، کبھی وہ خلیفہ اور وزیر اعظم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد ان کی بے حسی سے مایوس ہو کر انھیں جلی کٹی سُنا رہا تھا اور کبھی تصور میں وحید الدین کو خلیفہ کے سامنے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے نہایت زوردار الفاظ میں اس کا جُرم ثابت کر رہا تھا۔

طرح طرح کے خیالات کے ہجوم میں اسے کبھی کبھی اسماعیل کی کسی بات کے

جواب میں ثریا کی آواز سنائی دیتی۔ یہ آواز جو موسم بہار کا پیام لانے والے پرندوں کے ترانے سے کہیں زیادہ میٹھی، دل کش اور دل فریب تھی۔ وہ آگ کی دھیمی روشنی کے سامنے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھتا اور ایک لمحے کے لیے اس کے دل کا اضطراب لطیف دھڑکنوں میں تبدیل ہو جاتا۔ اس کے سامنے ایک نئی دنیا آ جاتی، وہ دنیا جس میں آنکھیں کھولنے کے بعد ہر انسان گوشہ عافیت تلاش کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ کسی ایسے وجود کے لیے جس کی مسکراہٹ میں اسے زندگی کے طوفانوں سے پناہ ملتی ہے۔

صبح کی کُہر میں لپٹے ہوئے سُورج کی دُھندلی شعاعوں کی طرح غم کے بادلوں نے ثریا کے چہرے کو زیادہ دلفریب بنا دیا تھا۔ حیا کے ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ملول نگاہیں طاہر کو جو پہلا اور آخری پیغام دے چکی تھیں، وہ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے طاہر محسوس کر رہا تھا کہ اس صورت سے ملتی جلتی ایک دھندلی سی تصویر اس کے دل میں پہلے بھی موجود تھی۔ ایسی آواز وہ پہلے بھی سُن چکا تھا۔

طاہر شاہراہ حیات کی اس منزل پر تھا جہاں پہنچ کر انسان کی کی رفاقت کی احتیاج محسوس کرتا ہے جہاں کسی دوشیزہ کی مسکراہٹ اسے واپس دلانا اس کے لیے کائنات کا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پھولوں سے کھیلنے کی بجائے کانٹوں کو مسلنے میں زندگی کی صحیح لذت محسوس کرتے ہیں۔ جنھیں رباب کی تانوں سے زیادہ تلواروں کی جھنکار زیادہ دل کش محسوس ہوتی ہے، جو اپنے لیے جینے کی بجائے دوسروں کے لیے مرنا سعادت سمجھتے ہیں اور کسی ایک پھول کو اپنی آنکھوں کے لیے سامانِ تسکین بنانے کی بجائے اپنے خون سے ہزاروں پودوں کو

سیراب کرتے ہیں۔ثریا کی طرح خوارزم کی اور ہزاروں لڑکیوں کی بے کسی کے تصور نے طاہر کے جسم میں ایک کپکپاہٹ سی پیدا کر دی۔ اسے قوم کی ان ہزاروں بے کس بہنوں اور ماؤں کی جگر دوز چیخیں سنائی دینے لگیں جن کے دامن عصمت کی طرف وحشی تاتاریوں کے ہاتھ بڑھ رہے تھے۔ جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ ہماری عصمت کے رکھوالے کہاں گئے؟ ہمارے غیور بیٹوں اور بہادر بھائیوں کو کیا ہو گیا؟

طاہر نے چونک کر کہا۔ہم کل پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے!

ثریا تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی اور طاہر نے پھر کہا۔ہمیں صرف دو تین منازل میں خطرہ ہے، اس کے شاید کسی چوکی سے مدد مل جائے۔

ثریا نے کہا۔مجھے صرف اسماعیل کا خیال ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ بھی مر چکا ہے۔

مر چکا ہے؟ آپ نے کب دیکھا؟

جب آپ شکار کے لیے گئے تھے، میں وہاں دوبارہ گئی تھے۔ مجھے وہ صبح کے وقت بھی بیمار معلوم ہوتا تھا۔

طاہر گہری سوچ میں پڑ گیا۔تھوڑی دیر بعد اسماعیل نے کہا۔آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں میں پیدل چل سکتا ہوں۔

ثریا نے کہا۔آپ کو یہ امید نہیں کہ خوارزم کی افواج دوبارہ اس طرف آئیں گی؟

طاہر نے جواب دیا، جو افواج تیمور ملک کی امداد کے لیے نہ پہنچ سکیں مجھے ان سے کوئی توقع نہیں لیکن مصیبت انسان کو قدرت کے معجزات کا طلب گار بنا دیتی ہے

۔میں خوارزم شاہ کی مدد سے مایوس ہوں لیکن قدرت کی مدد سے مایوس نہیں۔ اگر ہم پیدل پہاڑی راستہ اختیار کریں تو کھلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہوں گے۔راستے میں کسی زخمی سپاہی کا گھوڑا مل جانا بعید از قیاس نہیں۔اس کے علاوہ میرا اندازہ ہے کہ تاتاریوں کا رُخ شمال مغرب کی طرف ہے،جنوب میں بلخ کا راستہ محفوظ ہوگا۔ہم انشاءاللہ کل پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔

(۶)

شام کے وقت طاہر نے جب نماز کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اسے اوپر محل میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ثریا نے فوراً اٹھ کر سلگتی ہوئی آگ کو پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا۔طاہر دُعا ختم کر کے ثریا کی طرف متوجہ ہوا اور وہ خوف زدہ صورت بنائے دبی زبان میں بولی۔یہ شاید تاتاری ہیں لیکن گھوڑے پانچ چھ سے زیادہ نہیں۔

طاہر نے آہستہ سے کہا۔ہوسکتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی فوج آرہی ہو۔

اسماعیل نے مغموم لہجے میں کہا۔اب ہم شاید بلخ نہ جاسکیں۔

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا نہیں انشاءاللہ ہم ضرور جائیں گے۔

کب؟

شاید آج ہی روانہ ہوجائیں

ثریا نے چونک کر پوچھا۔آج؟

ہاں۔آپ اس گوشت میں سے دوتین دن کی خوراک تھیلے میں ڈال لیں۔

”لیکن برفانی راستے میں رات کے وقت پیدل؟“

آپ پیدل چلنے کے متعلق کیوں سوچتی ہیں؟ کیا قدرت نے ہمارے لیے

گھوڑے نہیں بیچے؟

ثریا نے کہا۔ان کے گھوڑے چھیننا ذرا مشکل ہے!

طاہر نے جواب دیا۔ جو کام ضروری ہو اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاتا کہ یہ مشکل ہے یا آسان۔

تھوڑی دیر بعد اُوپر سے ٹھکا ٹھک کی آوازیں آنے لگی۔ اور ثریا بولی۔ وہ درمیان کے بڑے کمرے میں شاید آگ جلانے کے لیے دروازے توڑ رہے ہیں اور گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ آئے ہیں۔ میں سیڑھی پر چڑھتی ہوں۔ ان کی آوازیں سُن کر میں ان کی تعداد کے متعلق صحیح اندازہ لگا سکوں گی۔

لیکن اوپر پتھر کو ابھی نہ ہلانا۔ شاید کوئی اوپر والے کمرے میں موجود ہو۔

نہیں آپ بےفکر رہیں۔ ثریا یہ کہہ کر سیڑھی پر چڑھی اور سل کے قریب کان لگا کر اوپر سے آنے والی آوازیں سُننے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اُتری اور طاہر کے سوال کا انتظار کیے بغیر بولی۔ وہ چھ یا سات سے زیادہ نہیں۔ وہ تیمور ملک کی تلاش میں ہیں۔ ممکن ہے کہ صبح تک ان کے اور ساتھی بھی آ جائیں۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھ سکی لیکن تیمور ملک کا نام بار بار سُن کر میرا یہی اندازہ ہے۔ وہ اس وقت اوپر والے کمرے سے دائیں طرف تیسرے کمرے میں ہیں۔

سپاہی کی بیٹی

تہ خانے کی تاریکی میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ تاتاری اپنی زبان میں کوئی راگ گا رہے تھے۔ طاہر عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد دیر تک بیٹھا رہا۔ جب تاتاریوں کا راگ ختم ہوا تو وہ ثریا اور اسماعیل کو تیار رہنے کا مشورہ دے کر سیڑھی پر چڑھا اور چھت کے قریب کان لگا کر سُننے لگا۔ ایک تاتاری باتیں کر رہا تھا اور باقی خاموش تھے۔ تاتاری زبان کے چند الفاظ طاہر بھی سیکھ چکا تھا۔ اور وہ صرف یہ اندازہ لگا سکا کہ بولنے والا اپنے ساتھیوں کو کوئی کہانی سنا رہا ہے۔ طاہر نے آہستہ سے سل کھسکا کر ایک طرف کر دی اور سوراخ میں سے سر اوپر نکال کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کمرے میں کوئی نہیں باہر نکل آیا۔ پتھر کی سل اسی طرح شگاف پر رکھ دی۔

تاریکی میں چند قدم چلنے کے بعد طاہر کے ہاتھ ایک دروازے پر لگے۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو باہر دھکیلا لیکن دروازے کی چڑ چڑاہٹ نے اسے پریشان کر دیا اور وہ اسے جلدی سے بند کر کے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بند ہوتے وقت دروازے کی چڑ چڑاہٹ کی آواز نسبتاً زیادہ تھی۔

کہانی سنانے تاتاری اچانک خاموش ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد اس نے اپنے کسی ساتھی سے کچھ کہا اور وہ نیم خوابی کی سی حالت میں بڑبڑانے لگا۔ یہ دو آدمی جن میں سے ایک طاہر کے اندازے کے مطابق داستان گو تھا، کچھ دیر ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے۔ درمیان والے کمرے میں ان میں سے ایک کے داخل ہونے کی آہٹ سُنائی دی۔ وہ بدستور بڑبڑا رہا تھا۔ طاہر نے فوراً یہ اندازہ لگا لیا کہ ان دو کے علاوہ باقی سب تاتاری سو گئے ہیں۔

تاتاری نے درمیانی کمرے میں سے گزرنے کے بعد طاہر کے کمرے کا

دروازہ کھولا۔ چونکہ اب درمیانی کمرے کے دونوں دروازے ایک دوسرے کے سامنے تھے اس لیے تیسرے کمرے سے آگ کی ہلکی سی روشنی طاہر کے کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ سمٹ کر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ تاتاری بے پروائی سے طاہر کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک لحظہ کے لیے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد آنکھیں ملنے اور اپنے ساتھی کو گالی دینے کے بعد واپس جا رہا تھا کہ طاہر نے آہنی ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے۔ پست قد تاتاری کے منہ سے ایک ہلکی سی آہ بھی نہ نکل سکی۔ آن کی آن میں طاہر نے اسے لاش بنا کر زمین پر لٹا دیا۔

تیسرے کمرے سے داستان گوئی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ شاید اپنی داستان کا آخری حصہ سنانے کے لیے بے قرار تھے۔ طاہر نے جلدی سے تلوار نیام سے نکالی اور دیوار کے ساتھ لگ کر زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

داستان گو یہ سمجھ کر کہ اس کا ساتھی کمرے میں پہنچ کر سو گیا ہے۔ ہنستا ہوا اٹھا اور ایک جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ میں لیے اس کمرے تک پہنچا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ کمرے کا جائزہ لے سکتا۔ طاہر کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

تیسرے کمرے میں اس کے ساتھی اچانک اس چیخ سے بیدار ہو کر بیک وقت ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ طاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر بھاگتا ہوا درمیانی کمرہ عبور کرنے کے بعد تیسرے کمرے میں جا داخل ہوا۔ وہاں آگ کی وجہ سے کافی روشنی تھی۔ تاتاری اٹھ کر اپنی تلواریں سنبھال رہے تھے کہ طاہر کی تلوار ان پر صاعقہ بن کر کوندی اور ان میں سے دو بسمل ہو کر فرش پر لوٹنے لگے۔ اتنی دیر میں باقی تین تاتاری سنبھل چکے تھے۔

طاہر کی تلوار کئی مرتبہ اپنے تینوں حریفوں کی تلواروں سے ٹکرائی۔ تاتاریوں نے اسے ایک خطرناک مدمقابل سمجھتے ہوئے منتشر ہو کر لڑنے کی کوشش کی۔ لیکن طاہر نے انھیں ایک کونے سے ادھر اُدھر ہٹنے کا موقع نہ دیا۔ چند لمحات گزر جانے کے بعد ان میں سے ایک زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔ طاہر کے بازو پر بھی ہلکا سا زخم آچکا تھا۔ لیکن اپنے سامنے ایک کونے میں صرف دو آدمی پا کر وہ پرجوش حملہ کرنے کی بجائے قدرے اطمینان سے لڑ رہا تھا۔

(۲)

اچانک طاہر کو اپنے عقب سے ایک چیخ سُنائی دی۔ وہ جلدی سے پینترا بدل کر ایک طرف ہٹا۔ اس کے بائیں ہاتھ ثریا خون آلود تلوار لیے کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک اور تاتاری جسے طاہر نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔ اتنی دیر میں طاہر کے دو حریف منتشر ہو کر اس کے لیے دو محاذ بن چکے تھے۔ ثریا طاہر کے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر ان میں سے ایک کے سامنے جا کھڑی ہوئی لیکن طاہر نے چلا کر کہا۔ ثریا! تم ایک طرف ہٹ جاؤ میرے پیچھے۔

طاہر نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا اور اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا اور یہ ثریا کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں نے بھی ایک عرب ماں کا دودھ پیا ہے۔

لیکن اسماعیل اکیلا۔۔۔۔؟

وہ بھی میرا ہی بھائی ہے۔

اب طاہر اور ثریا ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے تھے اور وہ تاتاری پھر ایک کونے میں سمٹ رہے تھے۔ اچانک طاہر نے پینترا بدلا اور اس کی تلوار بجلی

کی سی تیزی کے ساتھ ثریا کے مدِ مقابل کا دایاں بازو کاٹ گئی۔ دوسرے لمحے میں ثریا کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔

اب طاہر کے سامنے صرف ایک تاتاری تھا اور ثریا اطمینان کے ساتھ گرے ہوئے دشمن کی قبا کے ساتھ اپنی خون آلود تلوار صاف کر رہی تھی۔

تاتاری اب زندگی اور موت سے بے نیاز ہو کر ایک زخمی درندے کی طرح حملے کر رہا تھا۔ اچانک طاہر کے ہونٹوں پر ایک تبسم ظاہر ہوا۔ ایک مجاہد کا تبسم جو دشمن کے کانوں میں موت کا مہیب ترین قہقہہ بن کر گونجتا ہے۔ اس کی تلوار تاتاری کے سر پر چمکی گری اور سینے تک پہنچ گئی۔

ثریا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو قرونِ اولی میں دخترانِ اسلام کا غازیانِ اسلام کے لیے سب سے بڑا انعام ہوا کرتی تھی۔

طاہر چند لمحات کے لیے اپنے گردوپیش کو فراموش کر کے اس حسین زمانے کا تصور کر رہا تھا۔ جب ایک سیدھی سادھی عرب لڑکی سرفروشانِ اسلام کی فوج کو اپنی بستی سے گزرتے ہوئے دیکھ کر یہ گایا کرتی تھی۔

قوم کے غیور بیٹو! تمھارے گھوڑوں سے اُڑنے والی گرد مجھے کہکشاں سے زیادہ عزیز ہے۔

تمھارے غبار میں اٹے ہوئے چہرے میری نگاہ میں چاند ------

حسین ہیں

طاہر کی آستین پر خون کا نشان دیکھ کر ثریا جلدی سے اپنا رومال نکال کر بولی۔ آپ کو زخم آ گیا ہے۔ لائیے میں پٹی باندھ دوں۔

یہ معمولی خراش ہے۔ طاہر نے یہ کہتے ہوئے آستین چڑھا کر اپنا بازو آگے

کر دیا۔ ثریا نے اس کے زخم پر رومال باندھتے ہوئے کہا۔ میرا اندازہ چھ سات کا تھا ۔ یہ آٹھواں شاید اصطبل میں پہرہ دیتا ہوا آیا تھا اور آپ پر عقب سے حملہ کر رہا تھا۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو میرے لیے اس کا وار یقیناً خطرناک ہوتا۔

خدا کے لیے یوں نہ کہیے۔ میں صرف اپنی وکالت کرنا چاہتی تھی۔ میں وہاں نہ ٹھہر سکی۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ دبے پاؤں پیچھے سے آ کر آپ پر حملہ کر رہا ہے اور میری چیخ نکل گئی۔ میں بہت نادم ہوں۔

ثریا! جب تک عالم اسلام میں تمھارے جیسی لڑکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ دنیا میں مسلمانوں کو کوئی قوت نہیں کچل سکتی۔ چند لمحات پیشتر میں بے حد مایوس تھا لیکن اب میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جو قوم تمھارے جیسی لڑکیاں پیدا کر سکتی ہے۔ اس کی زبان میں مایوسی کا لفظ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ تحت الثریٰ میں پہنچ کر بھی تاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہے۔ انقلاب اس کو دبا سکتے ہیں، دفن نہیں کر سکتے۔ حوادث کے طوفان اسے منتشر کر سکتے ہیں، فنا نہیں کر سکتے۔ تاتاریوں کا طوفان بہت بڑا طوفان ہے۔ ممکن ہے کہ یہ عالم اسلام کی آخری چٹان تک کو بہا لے جائے لیکن تم اور تمھارے جیسی قوم کی بیٹیاں ہر دور میں ایسے معمار پیدا کرتی رہیں گی جو سنگ ریزوں کو جوڑ کر ناقابل تسخیر چٹانیں بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

ثریا کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے کہا۔ میں بھی چند لمحات پہلے یہی خیال کر رہی تھی کہ قوم کے بیٹوں کا لہو سفید ہو چکا ہے۔ لیکن نہیں جس قوم کو آپ جیسے سپاہی نصیب ہوں، اُس کا جھنڈا کوئی طاقت سرنگوں نہیں کر سکتی ۔

لیکن تم رو رہی ہو؟

ثریا مسکرائی ۔ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی مُسکراہٹ ، شبنم میں نہائے ہوئے پھول کا تبسم، جس میں خون خُلد کے بے شمار قہقہے چھپے ہوئے تھے ۔اس نے کہا۔نہ جانے میں آج کیوں اپنے تمام غم بھول گئی ہوں ۔شاید اس لیے کہ آج میں نے اپنی قوم کے دُشمنوں میں سے ایک قتل کیا ہے۔

نہیں ۔اس لیے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک سپاہی کی جان بچائی ہے ۔لیکن اب چلو۔اسماعیل پریشان ہوگا اور گھوڑے بھی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

طاہر نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اُٹھائی اور ثریا کے ساتھ تہ خانے کی طرف چل دیا۔

جب اس نے راستے سے پتھر کی سل ہٹائی تو نیچے سے اسماعیل نے چلا کر کہا۔

ٹھہرو! تم کون ہو۔میرا نشانہ خطا نہیں جاتا۔

ثریا نے کہا۔اسماعیل ہم ہیں۔

اجازت ہے۔اس نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

جب طاہر اور ثریا نے نیچے اُتر کر جلتی ہوئی لکڑی کی روشنی میں دیکھا تو اسماعیل اپنے ہاتھ میں تیر کمان لیے کھڑا تھا۔

طاہر نے کہا۔اسماعیل! ہم بلخ جا رہے ہیں۔

کب؟

ابھی۔تمھیں سردی تو نہیں لگے گی۔؟

نہیں جی ۔آپا جان تو کہتی تھیں کہ سردی آپ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔آپ گرم ملک کے رہنے والے ہیں۔

ثریا نے بُھنے ہوئے گوشت سے بھرا ہوا ایک تھیلا طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے تہ خانے کے ایک کونے سے جلانے کی لکڑیاں ایک طرف ہٹا کر چمڑے کا چھوٹا سا تھیلا نکالا اور طاہر سے کہا۔ میں قوم کی یہ امانت آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ والد مرحوم نے تاتاریوں کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہی بیت المال کا بیشتر حصہ سمرقند بھیج دیا تھا۔ یہ باقی دو ہزار اشرفیاں انھوں نے میدان جنگ میں جانے سے پہلے میرے سپرد کر دی تھیں۔ اشرفیوں کے علاوہ اس تھیلے میں چند ہیرے ان کی ذاتی ملکیت تھے۔ لیکن میں ان پر قوم کے شہیدوں کے لاوارث بچوں کا زیادہ حق سمجھتی ہوں۔ ابا جان اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ نانا جان کی تجارت میں لگانے کے لیے دیتے رہتے ہیں اور انھوں نے بلخ میں ہمارے لیے کافی جائیداد خرید رکھی ہے۔

طاہر نے دونوں تھیلے اٹھا لیے ثریا نے جلتی ہوئی لکڑی سے ایک شمع روشن کی اور تینوں سیڑھی کے راستے دوبارہ اوپر چڑھ کر محل کے کمروں میں سے گزرتے ہوئے اصطبل میں داخل ہوئے۔

اصطبل میں تاتاریوں کے آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ طاہر، ثریا اور اسماعیل تین گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور باقی گھوڑوں کو محل سے باہر لا کر تتر بتر کر دیا۔ باہر کے پھاٹک سے نکل کر چند قدم کے چلنے کے بعد ثریا نے اپنا گھوڑا روکا اور طاہر سے کہا۔ تھوڑی دیر ٹھہریے۔ میں اس شہر کو چھوڑنے سے پہلے ایک دُعا مانگنا چاہتی ہوں۔ طاہر اور اسماعیل اپنے گھوڑے روک کر ثریا کی طرف دیکھنے لگے۔

ثریا نے آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اور نہایت درد ناک لہجے میں یہ دعا مانگی۔

"پروردگارِ عالم! میں تیرے محبوب ﷺ کی امت کی ہزاروں بیکس لڑکیوں میں

ایک ہوں۔تو ان سب کی حفاظت کے لیےقوم کے جوانوں کو ہمارے اسلاف کی غیرت اور شجاعت عطا کر۔وہ اس محل پر اسلام کی عظمت کا پرچم پھر ایک بار لہرائیں ۔اس شہر کی سُنسان گلیاں پھر ایک بار غازیان دین کے گھوڑوں کی آہٹ سُنیں۔اس شہر کی ویران مساجد میں پھر ایک بار اللہ اکبر کی اذانیں گونجیں۔تیرے دین کا بول بالا ہو۔آمین!‘‘

طاہر اور اسماعیل نے بھی آمین کہا۔اور تینوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔تھوڑی دیر بعد وہ شہر سے باہر بلخ کے ناہموار راستے پر جا رہے تھے۔مطلع صاف تھا اور سردی ناقابل برداشت تھی لیکن اسماعیل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ موسم بہت اچھا ہے۔اور مجھے پوستین میں تلخی محسوس ہوتی ہے۔

(۳)

تیسرے روز دوپہر کے وقت طاہر کو مسلمانوں کی ایک مختصر فوج کا پڑاؤ دکھائی دیا۔پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد طاہر کے استفسار پر ایک سپاہی نے بتایا کہ مشرقی سرحد کی چوکیاں خالی کرنے کے بعد چار ہزار سپاہی یہاں جمع ہو گئے ہیں اور ایک دو دن میں سمرقند کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔

طاہر نے اس فوج کے افسر اعلیٰ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو سپاہی نے جواب دیا کہ اس فوج میں ہر پچاس ساٹھ سپاہیوں کی ٹولی کا ایک علیحدہ افسر ہے لیکن کل یہاں ایک شخص پہنچا ہے اور تمام اس کی شخصیت سے مرعوب ہو کر اس حکم مانتے ہیں

طاہر نے سوال کیا۔وہ کون ہے؟

سپاہی نے جواب دیا۔تیمور ملک؟

آپ انھیں جانتے ہیں؟

تیمور ملک کو کون نہیں جانتا!

سپاہی نے طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ چلیے میں آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔

ثریا اور اسماعیل ان کے پیچھے چل دیے۔ طاہر ایک خیمے کے سامنے پہنچ کر رکا۔ ثریا اور اسماعیل گھوڑوں سے اُترے۔ سپاہی نے اندر جا کر اطلاع دی۔ تھوڑی دیر بعد تیمور ملک باہر نکلا۔ وہ طاہر کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا اور اسے گلے لگا لیا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم سلامت ہو۔ یہ کہہ کر وہ اسماعیل اور ثریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ثریا بدستور مردانہ لباس پہنے ہوئی تھی اور اس کا نصف چہرہ پوستین میں چھپا ہوا تھا۔ تیمور ملک نے پوچھا یہ کون ہیں۔

طاہر نے کہا یہ میرے ساتھی ہیں۔ میں آپ کو ان کی سرگزشت سناؤں گا لیکن ہم نے راستے میں بہت کم آرام کیا ہے۔ انھیں عورتوں کے خیمے میں بھجوا دیجیے۔

عورتوں کے خیمے میں؟ تیمور ملک نے حیران ہو کر سوال کیا۔

طاہر نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ مرد نہیں۔

تیمور ملک نے۔ خاتون محترم! مجھے آپ کے لباس سے غلط فہمی ہوئی لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جب قوم کے بیٹوں کی شجاعت اور غیرت رخصت ہو چکی ہو تو قوم کی بیٹیوں کو یہی لباس زیب دیتا ہے۔

ثریا نے آنکھیں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ میں قوم کے بیٹوں کی غیرت سے مایوس نہیں ہوں۔

آپ نے صرف طاہر کو دیکھا ہے لیکن قوم میں ایسے بزدلوں کی تعداد زیادہ

ہے۔ جن کے ہاتھ پاؤں تاتاریوں کا نام سُن کر پھول جاتے ہیں۔ لیکن اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے اور آپ کے لیے عورتوں کا خیمہ موزوں نہیں۔

آپ کو ہر ایک کی تسلی کے لیے اپنی سرگزشت کئی بار بیان کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں اپنا خیمہ پیش کرتا ہوں۔ میں اور طاہر دوسرے خیمے میں رات گزار لیں گے۔ یہ کہہ کر تیمور ملک ایک سپاہی سے مخاطب ہوا۔ انھیں اندر لے جاؤ اور ان کے کھانے کا انتظام کرو۔

ثریا اور اسماعیل تیمور ملک کے کشادہ خیمے میں داخل ہوئے اور تیمور ملک طاہر کے ساتھ ایک اور افسر کے کمرے میں چلا گیا۔

(۴)

علی الصبح ثریا کو گہری نیند کی حالت میں اذان کی دلکش آواز سنائی دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ نیم خوابی کی حالت میں اس اذان کو رات بھر کے بعض میٹھے اور سہانے اور بعض بھیانک سپنوں کا ایک حصہ سمجھتی رہی۔ موذن کی اذان ختم ہوئی اور وہ گردن اُٹھا کر دُھندلی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسماعیل! اسماعیل! اسماعیل!! اُس نے گھبرا کر کہا۔

اسماعیل اس کے قریب سو رہا تھا اس نے کروٹ بدلی۔ ثریا نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔ اس نے اُٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ میں تیار ہوں۔

کہاں جانے کے لیے تیار ہو؟

بلخ جانے کے لیے اور کہاں؟

بلخ ۔۔۔۔ اُف! میں رات بھر عجیب وغریب خواب دیکھتی رہی۔ میں سمجھتی تھی

کہ میں ابھی تک اسی تہ خانے میں ہوں۔لیکن وہ کہاں ہیں؟

کون؟ طاہر!وہ اپنے دوست کے ساتھ دوسرے خیمے میں ہیں۔آپ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سوگئی تھیں۔وہ آئے تھے، انھوں نے مجھے باہر سے آواز دی۔میں جاگ رہا تھا۔انھوں نے وہیں سے پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔انھوں نے آپ کے متعلق پوچھا۔میں نے بتایا کہ آپ سو رہی ہیں۔پھر وہ واپس چلے گئے۔

میرے متعلق انھوں نے کیا پوچھا تھا؟

انھوں نے کہا تھا۔تمھاری ہمشیرہ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟

پھر تم نے کیا جواب دیا؟

میں نے کہا وہ تو گہری نیند میں خراٹے لے رہی ہیں

بڑے نالائق ہو تم۔میں کب خراٹے لیا کرتی ہوں۔سچ کہو تم نے یہ کہا تھا انھیں؟

اسماعیل نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔نہیں میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سو رہی ہیں۔

اور کیا کہا انھوں نے؟

انھوں نے کہا تھا، تم بھی سو جاؤ۔صبح کی نماز کے بعد ہم بلخ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ہاں آپا! ایک بات اور۔ان کے چلے جانے کے بعد خیمے میں چند عورتیں اور لڑکیاں آئیں تھیں اور آپ کو نیند کی حالت میں دیکھ کر واپس چلی گئیں۔

تم نے مجھے جگا دیا ہوتا۔

میں جگانے لگا تھا لیکن انھوں نے مجھے منع کیا۔انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا

کہ کیا یہ سچ ہے کہ تمھاری بہن نے ایک تاتاری کو ہلاک کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! یہ بالکل سچ ہے تو وہ بہت حیران ہوئیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم صبح تمھاری بہن سے ملیں گی

۔

ثریا نے کہا تم جاؤ مردوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ میں بھی نماز پڑھتی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ثریا نے نماز کے بعد ہاتھ اُٹھائے۔ دُعا ختم کرنے کے بعد اس نے مُڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے چند عورتیں کھڑی تھیں۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ایک لڑکی نے کہا۔ ہم رت کے وقت آئی تھیں۔ آپ سو رہی تھیں۔ ہم نے آپ کو جگانا مناسب خیال نہ کیا۔ ہم آپ کی سرگزشت سُن چکی ہیں۔ ہم سب کو آپ پر فخر ہے۔

ثریا نے جواب دیا۔ آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ۔ لیکن یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہ تھا۔

ایک عورت نے کہا۔ لیکن یہ سب تاتاریوں سے بہت ڈرتی ہیں۔ آپ انہیں وعظ کریں۔

ثریا نے کہا۔ میں وعظ کرنا نہیں جانتی۔ میں بھی آپ میں سے ایک ہوں۔ بہر حال میں آپ کی خواہش رد نہیں کر سکتی۔ آپ تشریف رکھیں!

خواتین بیٹھ گئیں۔ ایک لڑکی نے کہا۔ ذرا ٹھہریے! میں سب کو بلا لاتی ہوں۔ وہ یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد یہ وسیع خیمہ عورتوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

ثریا نے ہچکچاتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی۔

"میری مصیبت زدہ بہنو! گزشتہ صدیوں میں دُخترانِ اسلام پر ایسا نازک وقت کبھی نہیں آیا۔ خوارزم میں ہماری سطوت

کے پرچم ٹوٹ رہے ہیں اور تاتاریوں کی وحشت اور بربریت کا تندو تیز سیلاب خوارزم کے علاوہ ہر اسلامی سلطنت کے لیے خطرہ پیدا کر رہا ہے۔ اس نازک دور میں آپ اس لیے مایوس ہیں کہ فرزندانِ اسلام میں وہ پہلی سی شجاعت باقی نہیں رہی۔ ان میں قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کا سا ذوقِ شہادت نہیں لیکن میں پوچھتی ہوں۔ آج وہ خواتین ہیں جو اپنے شوہر یا بھائی کو میدانِ جنگ میں پیچھے ہٹتا دیکھ کر خیموں کی چوبیں نکال کر یہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم نے بُزدلی دکھائی تو تمہاری کھوپڑیوں کی خیر نہیں!

میری بہنو! یاد رکھو! گرتی ہوئی قوم کا آخری سہارا اُس قوم کی بیٹیاں ہوا کرتی ہیں۔ تم قوم کا آخری سہارا ہو۔ جب تک تمہارے سینے نورِ ایمان سے منور ہیں۔ تمہارے بیٹوں، تمہارے شوہروں اور تمہارے بھائیوں کو دُنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب تک قوم کی ماؤں کا مقدس دُودھ قوم کی بیٹیوں کی رگوں میں خُون بن کر دوڑتا رہے گا، ان میں شہادت کی خواہش زندہ رہے گی اور جب تک فرزندانِ اسلام میں شہادت کی خواہش ہے، وہ بڑے سے بڑے دُشمن کے لیے پیامِ موت ثابت ہوں گے۔"

قوم اگر مُردہ ہے تو اسے زندہ کرنے والا آبِ حیات تمہارے پاس موجود ہے۔ قوم اگر سو رہی ہے تو تم اسے جھنجھوڑ کر جگا سکتی ہو۔ تم مردوں کے پاؤں کی زنجیر نہ بنو! اپنے

شوہروں سے کہو کہ تم میدانِ جنگ سے سرخرو ہو کر آؤ۔ ہم گھروں کی چاردیواری میں تمہاری عزت اور آبرو کی حفاظت کریں گی۔ اپنے بھائیوں سے کہو کہ وہ میدان میں جا کر دشمن کے تیر سینوں پر کھائیں۔ اور تم ان پر فخر کرو گی۔ اپنے بیٹوں سے کہو کہ اگر تم نے میدان میں بزدلی دکھائی اور تمہارا خون ایڑیوں پر گرا تو تم قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دامنِ رحمت تھام کر یہ کہو گی کہ حضورؐ خدا کے سامنے میرے بیٹے کی شفاعت نہ کیجیے۔ اس نے میرے دودھ کی لاج نہیں رکھی۔

ثریا کی آواز خیمے سے باہر دُور تک جا رہی تھی۔ طاہر اور تیمور **ملک** کے علاوہ باقی سپاہی اور افسر ایک دوسرے کا اشارہ پا کر باہر جمع ہو چکے تھے بعض دم بخود کھڑے تھے اور بعض پر رقت طاری ہو رہی تھی۔

ثریا کے خاموش ہو جانے پر تیمور **ملک** نے باہر سے بلند آواز میں کہا۔ محترم خاتون! آپ کے بہت سے بھائی باہر کھڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن پر تاتاریوں کا نام سن کر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ انہیں بھی حوصلہ دیں۔

ثریا نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”جو تاتاریوں سے ڈرتے ہیں۔ میں انہیں اپنا بھائی کہنے کے لیے تیار نہیں۔ انہیں کہہ دیجیے کہ کوئی لڑکی جس نے ایک مسلمان ماں کا دُودھ پیا ہے، ایسے بزدلوں کو بھائی کہنے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ اگر انہوں نے اپنے فرض میں کوتاہی کی تو ہم اپنے کنگن اُتار کر انہیں پہنچا دیں گی اور ان کی زنگ آلود تلواریں اُٹھا

کرتا تاریوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گی۔ ہمارے محبت اور اطاعت بہادروں کے لیے ہے۔ بزدلوں کے لیے نہیں۔ گر یہ ہماری عصمت کے نگہبان نہیں بن سکتے تو قیامت کے دن خدا کے غیور بندوں کی صف میں کھڑا ہونے کی توقع نہ رکھیں۔ دخترانِ اسلام اگر اس دن کسی کو بھائی کہیں گی تو وہ محمد بن قاسمؒ جیسا مجاہد ہوگا جس نے اپنی قوم کی ایک بیٹی کی عصمت بچانے کے لیے سترہ سال کی عُمر میں ایک ملک فتح کیا تھا۔ اس دن ہر مسلمان بیوی اپنے بزدل شوہر کو بھول کر اپنی اس بہن کے شوہر پر فخر کرے گی جس کی قیادت میں خُون شہادت سے رنگین ہوگی۔ اس دن مسلمان مائیں یہ کہیں گی کہ ہمارے بیٹے وہ بزدل نہیں جو دُشمن کی تلوار کا وار اپنے سینے پر نہ روک سکیں۔ ہمارے بیٹے وہ مجاہدین جن کی شجاعت نے خواتینِ اسلام کو دنیا بھر کی عورتوں کی نگاہوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم فخر کے ساتھ انہیں اپنا بھائی کہیں تو انہیں چاہیے کہ ہمارے سامنے وہ قبائیں پہن کر آئیں جو خون سے رنگین ہوں۔ ہمیں وہ صُورتیں دکھائیں جن پر زخموں کے نشان ہوں۔"

ثریا نے تقریر ختم کی تو خواتین آگے بڑھ بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ رہی تھیں اور خیمے سے باہر تیمور ملک طاہر سے یہ کہہ رہا تھا۔ جب تک ہماری قوم میں ایسی لڑکیاں موجود ہیں۔ ہم اسلام کے دشمنوں کے ساتھ صدیوں تک جنگ کرنے کے بعد بھی ہار نہیں مانیں گے۔ طاہر! تم خوش نصیب ہو۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ

تمہاری زندگی کے راستے بلخ پہنچ کر ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو جائیں۔ اپنے بلند ارادوں کی تکمیل کے لیے تمہیں جس ساتھ کی ضرورت تھی وہ تمہیں مل گیا ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے اپنا لو۔

طاہر خاموش کھڑا تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک ثریا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ تصور میں ثریا کے ساتھ کسی بلند مینار پر کھڑا نیچے جمع ہونے والے لاکھوں، انسانوں کو جہاد کا سبق دے رہا تھا۔ تصور کی ایک اور جہت کے بعد وہ ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں خودرو پھول مسکراتے تھے۔ مہکتی ہوئی ہوائیں اٹھکیلیاں کرتی تھیں۔ اور پہاڑی ندیاں مسرت کے نہ ختم ہونے والے گیت گاتی تھیں۔ ثریا یہاں بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ ندی کے کنارے پھولوں کی سیج پر لیٹ کر اس کے میٹھے اور سہانے گیت سُن رہا تھا۔

پھر وہ میدانِ کارزار میں تھا اور ثریا اس کے زخموں پر مرہم پٹی کر رہی تھی۔ کئی دنوں کے بعد پہلی بار اُسے ایک اور لڑکی کا خیال آیا۔ یہ صفیہ تھی۔ شاید اس لیے کہ ثریا اور صفیہ میں کوئی خاص بات مشترکہ تھی یا شاید اس لیے کہ ثریا سے پہلے اس کے ذہن میں صرف صفیہ کا دھندلا سا خاکہ تھا۔ صفیہ کے متعلق اس نے اس سے زیادہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے اس کے ساتھ غایت درجہ کی ہمدردی تھی۔ ایک ایسی ہمدرد جو کسی انعام کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل میں کوئی خلش یا دھڑکن محسوس کیے بغیر صفیہ کے متعلق سوچ سکتا تھا لیکن ثریا کے متعلق اس کے احساسات مختلف تھے۔ وہ اپنی بے پناہ قوتِ تسخیر کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو چکی تھی۔ تاہم اسے یہ اطمینان تھا کہ بلخ سے ان کے مستقبل کے راستے جدا ہو جائیں گے اور اس کے دل میں صرف ایک خوش گوار یاد باقی رہ جائے گی اور یہ یاد بھی شاید اسے زیادہ دیر

پریشان نہ کرے۔

تیمور ملک تھوڑی دیر غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر وہ بولا۔ تم پریشان کیوں ہو؟ اگر کہو تو اس معاملے میں تمہاری رہنمائی کرسکتا ہوں۔

نہیں نہیں! طاہر نے چونک کر کہا۔ ابھی نہیں۔ ابھی میری زندگی میں ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔

(۵)

صبح کی نماز کے بعد طاہر، ثریا اور اسماعیل نے سفر کی تیاری کی۔ تیمور ملک نے تھکے ہوئے گھوڑوں کے بدلے انہیں تین تازہ دم گھوڑے دے دیے۔ طاہر نے بیت المال کی اشرفیاں تیمور ملک کے سپرد کیں۔ تیمور ملک نے راستے کے شہروں کے حکام کے نام یہ مراسلہ لکھ دیا کہ انہیں راستے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔ اس کے علاوہ اس نے ابتدائی دو منازل میں خطرہ محسوس کرتے ہوئے بیس سواروں کو ان کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا۔

رخصت کے وقت طاہر سے مصافحہ کرتے ہوئے تیمور ملک نے کہا۔ میرا مکتوب تمہیں نہ صرف بغداد تک پہنچنے میں مدد دے گا بلکہ حالات نے تمہیں واپس آنے پر آمادہ کیا تو بھی تمہارے کام آئے گا۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔ اس کے بعد ثریا سے مخاطب ہوا۔ میری بہن! آپ کو راستے میں انشاءاللہ کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ آپ کا رفیق سفر ایک ایسا نوجوان ہے جو ایک دفعہ میری جان بچا چکا ہے۔

میں انہیں جانتی ہوں۔ ثریا نے یہ کہتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی یہ کہہ رہی تھی۔ آپ انہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔

سارا دن سفر کرنے کے بعد یہ لوگ شام کے وقت ایک فوجی چوکی پر ٹھہر گئے۔ دوسری شام ایک شہر میں پہنچ کر طاہر نے محافظ دستے کو واپس بھیج دیا۔شہر کے حاکم نے تیمور ملک کا مکتوب دیکھ کر ان کی کافی آؤ بھگت کی۔صبح جب ثریا حاکم شہر کے گھر کی عورتوں کو الوادع کہہ کر باہر نکلی تو وہ مردانہ لباس کی بجائے عوتوں کا لباس پہنے ہوئے تھے۔

جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکلے تو ثریا نے شرماتے ہوئے کہا۔ میں نے لباس اس لیے تبدیل کیا ہے کہ اب ہمیں راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔میں نے سُنا ہے کہ تاتاری اپنی پوری قوت کے ساتھ سمرقند اور بخارا کا رُک کر رہے ہیں ۔طاہر نے کہا۔اسی لیے بہت جلدی بغداد پہنچ جانا چاہتا ہوں۔

ثریا نے کہا۔آپ کو میری وجہ سے دیر ہو رہی ہے لیکن مجھے اب راستے میں کوئی خطرہ نہیں ۔اگر آپ مناسب خیال کریں تو میں اگلے شہر کے حاکم سے کہوں گی کہ مجھے بلخ پہنچانے کا انتظام کر دے اور آپ وہاں سے سیدھے بغداد روانہ ہو جائیں۔

نہیں نہیں۔اسماعیل نے کہا۔میں آپ کو بلخ پہنچنے سے پہلے نہیں جانے دوں گا۔

یہ دراصل ثریا کے دل کی آواز تھی۔طاہر نے کہا۔اچھے بھائی! میں تمہارے لیے غزنی تک جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

اسماعیل نے کہا۔خدا مجھے بلخ سے آگے نہ لے جائے۔گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے میری ٹانگیں شل ہو گئی ہیں۔لیکن بلخ میں آپ کو چند دن ہمارا مہمان رہنا پڑیگا۔

طاہر نے جواب دیا۔یہ نہیں ہوگا۔بلخ کے دروازے پر پہنچ کر میرا اور تمہارا راستہ مختلف ہوگا۔

اسماعیل نے کہا۔ آپ میرے ساتھ نانا کے گھر تک نہیں جائیں گے؟

کاش میرے پاس وقت ہوتا!

اسماعیل نے مایوس ہو کر کہا۔ پھر آپ کبھی نہیں آئیں گے؟

اسماعیل کے اس سوال پر ثریا کا دل دھڑکنے لگا۔ طاہر نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا لمحہ مل سکا تو انشاءاللہ ضرور آؤں گا۔

تو پھر بلخ میں ہمارا گھر ضرور دیکھتے جائیں۔

تمھارے نانا کا نام کیا ہے؟

عبدالرحمن۔

طاہر اور اسماعیل دیر تک باتیں کرتے رہے اور ثریا اپنے دل میں بار بار طاہر کا یہ فقرہ دہرا رہی تھی۔ اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا لمحہ مل سکا تو انشاءاللہ ضرور آؤں گا۔ اور اس کا دل بار بار یہ سوال پوچھ رہا تھا کہ کیا اس نے یہ بات فقط اسماعیل کی تسلی کے لیے کہی ہے یا اسے یہ معلوم ہے کہ اسماعیل سے کہیں زیادہ کسی اور بغداد سے آنے والے قافلوں کا انتظار رہے گا۔

اب تک طاہر کی زبان سے اس نے ایسا لفظ بھی نہیں سنا تھا، جس سے اس پر ظاہر ہوتا کہ زندگی کی بلند منازل کی طرف قدم اُٹھاتے ہوئے اس کے دل میں اپنے راستے کی بھولی ہوئی منزل کے ساتھی کی یاد باقی رہے گی۔ اسے طاہر کے بلند نصب العین پر فخر تھا۔ وہ اس کی شخصیت کو ہر لحاظ سے قابلِ احترام سمجھتی تھی۔ اسے اس بات پر مسرت تھی کہ اس میں مردانگی کے تمام جوہر تھے۔ اس کی نگاہوں میں نیکی، شرافت، شجاعت اور پاکیزگی تھی۔ وہ سب کچھ تھا جس کی قوم کو ضرورت تھی اور اس

کے ساتھ ہی وہ سب کچھ تھا جس کی ثریا تمنا کر سکتی تھی۔

(۶)

جوں جوں منزل قریب آ رہی تھی، دونوں کے دل کی خلش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شاید دونوں کی یہ شکایت تھی کہ وہ ایک دوسرے کے دل کی کیفیت سے اب تک کیوں بے خبر ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتے لیکن ان کی آنکھیں اُوپر اُٹھنے سے انکار کر دیتیں۔ وہ کوئی بات کرنا چاہتے لیکن ان کی زبانیں گنگ ہو جاتیں۔

آخر ایک دن وہ اس چوراہے پر کھڑے تھے جہاں بغداد اور بلخ کو جانے والے راستے ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔ اسماعیل کا گھوڑا چند قدم آگے تھا۔ اس نے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہو گئے؟ آیئے نا!

طاہر نے کہا۔ ٹھہرو اسماعیل!

مجھ سے اب گھوڑے پر نہیں بیٹھا جاتا۔ یہ کہتے ہوئے اسماعیل گھوڑے سے اُترا اور اس کی باگ پکڑ کر چند قدم پیدل چلنے کے بعد ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

ثریا نے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ اس کا خیال ہے کہ آپ گھر تک ہمارے ساتھ جائیں گے۔

طاہر نے کہا۔ آپ میری طرف سے اسے سمجھا دیں۔ یہاں سے رُخصت ہو کر میں شام سے پہلے ایک منزل طے کر لوں گا۔

ثریا نے مغموم لہجے میں کہا۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔

اچھا خدا حافظ!

ثریا کے ہونٹ کپکپا اُٹھے۔ اس نے خدا حافظ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کا گلا بیٹھ گیا۔ زبان رُک گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

طاہر نے گھوڑے کی باگ موڑنے کا ارادہ کیا لیکن ہاتھوں کو جنبش نہ ہوئی ۔

جائیے! ثریا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے ۔

ثریا! طاہر نے کہا۔اس درخت کی طرف دیکھو۔باقی تمام درختوں کے پتے جھڑ چکے ہیں۔لیکن وہ سبز ہے۔

ثریا مڑ کر دوسرے طرف دیکھنے لگی ۔طاہر نے کہا۔اب میری طرف نہ دیکھنا۔ میں تم سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں

ثریا نے کہا۔کہیے۔اگر آپ میرے آنسوؤں سے متاثر ہوئے ہیں تو یقین کیجیے کہ یہ تشکر کے آنسو تھے۔میں اپنے محسن کو آنسوؤں کے سوا کیا دے سکتی ہوں۔

طاہر نے کہا۔ثریا یہ نہ سمجھو کہ تمہارے جذبات سے واقف نہیں اور یہ بھی نہ سمجھو کہ میرے دل میں ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں۔میری صاف بیانی سے غلط اندازہ نہ لگائیں ۔میں یہ باتیں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایسے پر آشوب زمانے میں کہنے اور سننے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔میں کل دوبارہ ملنے کی توقع پر آج تم سے جدا ہو رہا ہوں ۔ہوسکتا ہے کہ وہ کل بہت جلد آجائے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کل کے انتظار میں کئی برس گزر جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کل کبھی نہ آئے۔بہر حال اگر قدرت نے ہمیں زندگی کے چوراہے پر پھر ایک بار اکٹھا کر دیا تو میں زندگی کی آخری منزل تک تمہاری رفاقت اپنے لیے قدرت کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گا۔ سر دست میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میرا فرض مجھے بغداد بلا رہا ہے اور اس کے بعد میں تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے ہر مورچے پر پہنچنا اپنا فرض سمجھوں گا۔تم اس وقت کے لیے دعا کرو جب میں فتح کی خبر لے کر بلخ پہنچوں جب میری قبا میرے خون سے رنگین ہو اور میرے چہرے پر زخموں کے نشان ہوں۔

ثریا نے مڑ کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ کاش میں ان موروچوں پر آپ کا ساتھ دے سکتی۔ اس کی آنکھوں میں امید کی روشنی تھی اور طاہر محسوس کر رہا تھا کہ چاند بادلوں کے نقاب سے اچانک باہر نکل آیا ہے۔ ایک لمحہ توقف کے بعد ثریا بولی۔ اب میں آپ سے ایک درخواست کروں گی۔

"کہو!"

آپ نانا کے گھر تک ہمارا ساتھ ضرور دیں۔ میں آپ کو صرف ایک بار وہ دروازہ دکھانا چاہتی ہوں جو آپ کے لیے ہر وقت کھلا رہے گا تا کہ آپ جب دوبارہ بلخ آئیں تو ہمارے گھر کا کوئی آدمی یہ خیال نہ کرے کے آپ اجنبی ہیں۔ آپ نانا جان سے ملیں وہ خوش ہوں گے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو آج نہیں تو کل علی الصباح ضرور روانہ کردوں گی۔ مجھے یہ یقین ہے کہ آپ دو دن کا سفر ایک دن میں طے کرسکتے ہیں۔ میرے لیے!

طاہر نے کہا۔ چلیے۔

اسماعیل چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا کر ایک پتھر کا نشانہ کر رہا تھا۔ طاہر اور ثریا کو قریب آتے دیکھ کر وہ اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

سپاہی اور تاجر

شیخ عبدالرحمن دوہرے جسم اور موٹے دماغ کا ایک متمول تاجر تھا۔ اس کا مکان بلخ کی چند شاندار عمارتوں میں سے ایک تھا۔ اس کا وسیع کاروبار دور دراز کے شہروں میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے تجارتی قافلے بخارا اور بغداد سے لے کر دہلی تک آتے جاتے تھے۔ رہائشی مکان کے ساتھ ایک اور وسیع عمارت میں اس کا دفتر تھا۔ تاتاریوں کے حملے نے اسے خوارزم سے کاروبار سمیٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بخارا اور سمر قند سے اس کے قاصد نہایت پریشان کن خبریں لا رہے تھے۔ چند ہفتے پہلے اس نے بلخ کو محفوظ سمجھتے ہوئے اپنا مال و متاع وہاں جمع کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اب وہ اپنا قیمتی مال و اسباب غزنی بھیج رہا تھا۔

طاہر کو جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ بیش قیمت ایرانی قالینوں اور اطلس و کمخواب کے پردوں سے آراستہ تھا۔ اس نے اسماعیل کے ساتھ پاس کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی اور شہر کے پر رونق بازار کا ایک چکر لگانے کے بعد واپس آ گیا۔

وہ اسماعیل کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ کمرے میں خلیفہ ایک معمر خاتون داخل ہوئی۔ اسماعیل نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”نانی جان آئی ہیں۔“ ”نانی جان آئی ہیں۔“ طاہر بھی اُٹھ کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ حنیفہ کی آنکھوں سے حزن و ملال ٹپکتا تھا۔ اس نے آتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ”نوجوان! میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں، تم نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ خدا تمہیں جزا دے۔“

طاہر نے جواب دیا ”میں اپنے آپ کو شکریہ کا مستحق نہیں سمجھتا۔ یہ میرا فرض تھا۔ مجھے اسماعیل کے والد کے متعلق افسوس ہے۔“

حنیفہ نے گردن اوپر اٹھائی اور کہا۔" وہ مرا نہیں شہید ہوا ہے۔ مجھے اس سے یہی توقع تھی ۔ مجھے ثریا نے بتایا ہے کہ تم علی الصباح بغداد روانہ ہو جاؤ گے، میں تمہیں ضروری کام سے روکنا نہیں چاہتی لیکن اگر پھر کبھی اس راستے سے گزرو تو اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ بغداد پہنچ کر یہ نہ بھول جانا کہ بلخ میں ایک عرب ماں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔

پھر وہ اسماعیل کی طرف متوجہ ہوئی ۔ بیٹا! تمھارے نانا نے کہلا بھیجا ہے کہ وہ مہمان کیساتھ کھانا کھائیں گے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا۔ ان کے پاس بہت سے تاجر آئے ہیں ممکن ہے کہ وہ یہاں آنا بھول ہی جائیں۔

کمرے سے نکلتے ہوئے حنیفہ دروازے پر رُکی اور طاہر کو آواز دی اور طاہر کے دل میں ایک خفیف سی دھڑکن پیدا ہوئی۔ یہ ثریا کی آواز تھی۔

اسماعیل دروازے سے پردہ ہٹا کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولا۔ آپا کا خیال ہے کہ شاید نانا جان کو آنے میں دیر ہو جائے۔ چلیے آپ کھانا کھالیں!

طاہر نے کہا۔ کیا یہ بہتر ہو گا کہ ہم تھوڑی دیر اور انتظار کرلیں؟

اسماعیل نے جواب دیا۔ نانا جان کا کچھ پتہ نہیں۔ نانی جان کہتی ہیں کہ وہ کبھی کبھی آدھی آدھی رات تک دفتر میں حساب کتاب دیکھتے رہتے ہیں

بہت اچھا۔ طاہر یہ کہہ کر اٹھا اور اسماعیل کے ساتھ برابر کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۲)

دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ ایک حبشی غلام ادب

سے ہاتھ باندھ کر ایک کونے میں کھڑا تھا۔تکلفات میں یہ دستر خوان بغداد کے کسی امیر کے دستر خوان سے کم نہ تھا۔

طاہر نے بیٹھتے ہوئے اسماعیل سے سوال کیا۔اور مہمان بھی آئیں گے؟

اس نے جواب دیا۔نہیں۔باقی مہمانوں کا کھانا باہر کے مہمان خانے میں بھیج دیا گیا ہے۔آپا جان کہتی تھیں کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔وہ لوگ آپ سے ساری رات سوالات پوچھتے رہتے۔اس لیے آپ کے لیے یہاں انتظام کیا گیا ہے؟

کھانا کھانے کے بعد طاہر نے اسماعیل کے ساتھ مسجد میں جا کر عشا کی نماز ادا کی اور واپس کمرے میں آ کر اس نے اسماعیل سے کہا! اب تمہیں نیند آ رہی ہو گی۔جاؤ سو جاؤ!

اسماعیل اُٹھ کر دروازے تک پہنچا لیکن کچھ سوچ کر پھر لوٹ آیا طاہر نے پوچھا کیوں بھئی، کیا بات ہے؟

اسماعیل نے کہا۔مجھے ڈر ہے کہ آپ مجھے سوتا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔میں تمہیں مل کر جاؤں گا۔جاؤ اب آرام کرو۔

اسماعیل مطمئن سا ہو کر باہر نکل گیا۔

نوکر نے انگیٹھی میں جلتی ہوئی آگ پر اور لکڑیاں لا کر پھینک دیں اور طاہر کرسی سے اٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ابھی وہ نیم خوابی کی حالت میں تھا کہ اسماعیل پھر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔نانا جان آپ سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں۔طاہر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد ایک درمیانے قد کا موٹا تازہ معمر آدمی کمرے

میں داخل ہوا۔ طاہر نے جلدی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا۔

شیخ عبدالرحمٰن نے طاہر کو دو تین بار سر سے لے کر پاؤں تک گھور کر دیکھا اور کسی تمہید کے بغیر سوال کیا:

آپ کا نام طاہر ہے؟

جی ہاں۔

آپ عرب ہیں؟

جی ہاں۔

تاتاریوں کے حملے کے وقت آپ ثمرقند میں تھے؟

جی ہاں۔

آپ وہاں کیا کام کرتے تھے؟

میں وہاں تیمور ملک کا ایک سپاہی تھا۔

عبدالرحمٰن نے مغموم لہجے میں کہا۔ وہ بدنصیب بھی ایک سپاہی تھا۔

کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

نصیر الدین۔ ان بچوں کا باپ۔ میں نے اپنی بیوی کو بہت سمجھایا تھا کہ ایک سپاہی کے ساتھ میری لڑکی کی شادی نہ کرو۔ جب وہ بے چاری مر رہی تھی، یہ حضرت مصر میں نصرانیوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اس کے بعد اسے خوارزم شاہ کی خدمت کا شوق چرایا۔ اب ان بچوں کی نانی رو رہی ہے۔ بھلا ایسے دماد کے متعلق اور کیا خبر آسکتی تھی؟ سپاہی یا جنگ میں کام آتا ہے یا زخمی ہوتا ہے۔ اب رونے سے کیا فائدہ؟

طاہر نے جواب دیا۔ معاف کیجیے۔ قوم کے سرفروش سپاہیوں کے متعلق میری

رائے آپ کی رائے سے مختلف ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا۔ آپ بُرا نہ مانیے۔ میں اس موضوع پر بحث نہیں کیا کرتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہے اور آج تک میرے جسم پر خراش تک نہیں آئی۔ میں ایک دفعہ سرکش گھوڑے سے گرا تھا۔ اس کے بعد میں گھوڑے کی لگام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اس کا حسب نسب پوچھ لیتا ہوں لیکن میں ان نوجوانوں پر حیران ہوں جو بار بار زخمی ہونے کے باوجود بھی تلواروں سے کھیلنا پسند کرتے ہیں۔

طاہر نے کہا۔ قوم کی عزت اور آزادی صرف ایسے ہی نوجوانوں کے دم سے قائم ہے۔ اگر قوم کے تمام افراد آپ کی طرح جسم پر خراش تک آنے سے ڈرنے لگیں تو تاتاری ہمارے لیے اس زمین پر سانس تک لینا دشوار کردیں گے۔

آپ نے غلط سمجھا۔ مجھے عام سپاہیوں سے نفرت نہیں۔ مجھے صرف ان لوگوں کے خلاف شکایت ہے جن کو گھر میں آرام میسر ہوتا ہے لیکن وہ صرف اپنے عزیزوں کو رُلانے کے لیے میدانِ جنگ میں چلے جاتے ہیں۔ نصرالدین ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔

طاہر نے کہا۔ قوم کی عزت اور آزادی کے لیے لڑنا ہر شخص کا فرض ہے۔ یہاں عام اور خاص کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ خدا کے نگاہ میں امیر اور غریب کے خون کی قیمت ایک ہی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر قوم آزاد ہو تو امراء زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے قربانی کے وقت انہیں قوم سے پیچھے نہیں بلکہ آگے رہنا چاہیئے۔

عبدالرحمٰن نے اس بحث میں لاجواب سا ہو کر گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے اسماعیل سے کہا۔ کیوں اسماعیل! تم تاجر بنو گے یا سپاہی؟

میں سپاہی بنوں گا اور تاجر بھی بنوں گا۔

عبدالرحمٰن نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صبح جانا چاہتے ہیں؟

جی ہاں! میں آج ہی جانا چاہتا تھا لیکن آپ سے ملاقات کے شوق میں ٹھہر گیا

۔

بہت اچھا۔ میں صبح ضرور ملوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اسماعیل کا بازو پکڑ کر باہر نکل گیا۔

بالاخانے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے نانا اپنے نواسے سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا ۔ بے وقوف! میں نے خوارزم شاہ کو دو لاکھ دینار بھیجے ہیں۔ اس رقم سے وہ کئی اور سپاہی اپنی فوج میں بھرتی کر سکتا ہے۔ میرا مقصد سپاہیوں کی توہین نہ تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تاجر بھی اپنا کاروبار سنبھال کر قوم کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر تمہارا باپ خوارزم شاہ کے لیے جان دینے کی بجائے تجارت میں میرا ساتھی ہوتا تو ہم لاکھوں کا کاروبار اور بڑھا سکتے تھے اور خوارزم شاہ کو بہت زیادہ مدد دے سکتے تھے۔

اسماعیل کہہ رہا تھا۔ ابا جان نے خوارزم شاہ کے لیے جان نہیں دی۔ اُنہوں نے ہماری آزادی اور عزت کے لیے جان دی ہے۔

اور وہ غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس لیے تو وہ تمہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ خدا کا شکر کرو کہ اس نوجوان کو تمہاری مدد کے لیے بھیج دیا۔ ورنہ نہ معلوم تمہارا کیا حشر ہوتا لیکن تمہیں بحث کرنا کس نے سکھا دیا۔ چلو!

طاہر کو دوبارہ سیڑھیوں پر ان کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی اور وہ مسکراتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔

(۳)

صبح مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد جب طاہر دوبارہ اپنے کمرے میں آیا تو اسماعیل وہاں موجود تھا۔وہ بولا دوسرے کمرے میں ناشتہ تیار ہے۔

طاہر ناشتہ کھا کر فارغ ہوا تو ایک نوکر نے آ کر کہا۔آقا آپ کو بلاتے ہیں۔

طاہر اسماعیل کی رہنمائی میں کمرے میں سے نکل کر ایک کشادہ برآمدے میں چند قدم چلنے کے بعد سیڑھیوں پر چڑھا اور بالائی منزل کے ایک خوش نما کمرے میں داخل ہوا۔عبدالرحمٰن ایک قالین پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اس کے سامنے چاندی کے طشت میں ایک تھیلی پڑی ہوئی تھی ۔اُس نے اُٹھ کر طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا:

آپ کا گھوڑا تیار ہے۔ثریا کہتی تھی کہ آپ کا ایک دن ضائع ہوا۔اس لیے میں آپ کو اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رہا ہوں ۔میں شہر کے گورنر سے بھی مل چکا ہوں۔اس نے راستے کی چوکیوں کے نام یہ مراسلہ لکھ دیا ہے۔لیجیے۔

طاہر نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے گورنر کو مراسلہ لیتے ہوئے کہا۔شکریہ!لیکن میرے پاس تیمور ملک کا مکتوب تھا۔

مجھے ثریا نے یہ بتایا تھا لیکن تیمور ملک کے اقبال کا ستارہ ان دنوں گردش میں ہے، مجھے ڈر تھا کہ شاید بلخ کے گورنر کے سپاہی اس کے مکتوب کو کوئی اہمیت نہ دیں ۔ثریا نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ آپ کو تیمور ملک کا ساتھی سمجھ کر راستے کی چوکیوں کے افسر آپ سے طرح طرح کے سوالات پوچھیں گے اور آپ کا بہت سا وقت ضائع کریں گے ۔

طاہر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔میں اس تکلیف کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں ۔

اب مجھے اجازت دیجیے۔

ٹھہریے! عبدالرحمٰن نے چاندی کا طشت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتے ہوئے اُٹھ کر کہا۔ میں آپ کی تکلیف کا صلہ نہیں دے سکتا۔ میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول کیجیے۔

طاہر کی خوب صورت اور کشادہ پیشانی پر ہلکی ہلکی شکنیں نمودار ہوئیں اور اس نے عبدالرحمٰن کے ہاتھوں سے طشت لے کر نیچے رکھ دیا اور تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس میں کیا ہے؟

دو ہزار اشرفیاں، لیکن اگر آپ اسے کم سمجھیں تو میں انہیں دُوگنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آپ کو میرے متعلق غلط فہمی ہوئی۔ مجھے اجازت دیجیے۔ یہ کہتے ہوئے طاہر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن عبدالرحمٰن پریشان سا ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنی قبا کا دامن مسل رہا تھا۔

تم خفا ہو گئے۔ کیسی غلط فہمی؟ میں تمہاری بڑی سے بڑی توقع پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں ثریا اور اسماعیل کو ہیروں سے تول کر تمہیں دے سکتا ہوں۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ تم دل کھول کر مانگو اور میں دل کھول کر دوں گا۔ خدا کی قسم ثریا اور اسماعیل کی جان بچانے والا میرے گھر سے ناراض ہو کر نہیں جائے گا۔ میں ایک عرب ہوں!

طاہر نے کہا۔ میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں کیا اور اگر کچھ کیا ہے تو وہ میرا فرض تھا۔ آپ عرب ہیں تو میں بھی ایک عرب ہوں لیکن عرب ہونے سے پہلے ہم دونوں مسلمان ہیں اور مسلمان کسی کے خلوص کو پیسوں سے تولا نہیں کرتے۔

عبدالرحمٰن اپنی قبال کو اب بُری طرح مسل رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن عقب کے کمرے کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کو جنبش ہوئی اور ثریا نے اچانک نمودار ہو کر عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نانا جان! ثریا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ آپ کو نانی جان بُلاتی ہیں۔ عبد الرحمٰن کچھ کہے بغیر ثریا کے ساتھ عقب کے دروازے کی طرف چل دیا اور ثریا اسے دروازے تک پہنچا کر طاہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک ثانیے کے لیے وہ خاموشی سے طاہر کی طرف دیکھتی رہی اور جب پردے کے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آہٹ سنائی دی تو اس نے مغموم اور ملتجی لہجے میں طاہر سے کہا۔ میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں۔ میں سب باتیں سُن چکی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نانا جان کو ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر ان کی غلطی سے درگزر کریں گے۔ وہ تجارت کے سوا کُچھ نہیں جانتے۔ ان کے لیے ساری دنیا ایک منڈی ہے۔ وہ جب رات کے وقت آسمان پر جھلملاتے تارے دیکھتے ہیں تو بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آپس میں لین دین کر رہے ہیں خدا کے لیے آپ یہاں سے خفا ہو کر نہ جائیں۔ یہ میری غلطی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ ورنہ میں انہیں سمجھا دیتی۔ کہیے آپ ان کی غلطی معاف کرتے ہیں یا نہیں۔ میرے لیے؟

طاہر مسکرایا اور ثریا نے محسوس کیا کہ اس کے آسمان سے غم کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ ثریا تم پریشان کیوں ہو۔ تمہارے لیے میں زہر میں بجھے ہوئے تیر بھی اپنے سینے پر کھا سکتا ہوں اور تمہارے نانا جی نے تو مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔ میرے دل میں ان کی بہت عزت ہے۔ اپنے زاویہ نگاہ سے انہوں نے کوئی بُری بات نہیں کی۔ فرض کرو اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو میری ضروریات کا احساس کرنا ان کا فرض نہ تھا؟

ثریا مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے۔ طاہر بیک وقت اس کے ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسوؤں پر حیران تھا۔ اس نے سورج کی ابتدائی کرنوں میں پھولوں کو بیدار ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے گلاب کے کٹوروں میں شبنم کے موتی دیکھے تھے لیکن ثریا کی آنکھیں شبنم میں نہائے ہوئے پھولوں سے کہیں زیادہ دلفریب تھیں اس کے ہونٹ سُورج کی سنہری کرنوں میں مسکرانے والی کلیوں سے زیادہ جاذب نظر تھے۔

ایک بہادر عورت موت کے سامنے مسکرا سکتی ہے۔ انتہائی کرب کی حالت میں اپنے آنسو ضبط کر سکتی ہے لیکن اچانک مسرت کا پیغام سن کر جب وہ مسکراتی ہے تو آنکھیں بے اختیار رو بہتے ہوئے آنسوؤں کے خزانے لٹا دیتی ہے۔

ثریا نے کہا۔ آپ تھوڑی دیر بعد یہاں ٹھہریے۔ نانی جان آپ کو خدا حافظ کہنے آئیں گی۔ اسماعیل انہیں جانے نہ دینا!

ثریا برآمدے میں سے گزر کر ساتھ کے کمرے میں داخل ہوئی اور جلدی سے یہ کمرہ عبور کرنے کے بعد عقب کے کمرے میں پہنچی۔ اس کمرے کا ایک دروازہ اس کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں اس کی نانی اور نانا آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ نیم وا دروازے کے آگے لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر وہ کچھ دیر ان کی باتیں سُنتی رہی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ اپنے گالوں اور کانوں میں ایک حرارت سی محسوس کرنے لگی۔

شیخ عبدالرحمٰن کہہ رہا تھا۔ ثریا بھی یہی چاہتی ہے؟

اور ثریا کی نانی کا جواب تھا۔ اور ثریا اگر یہ نہ چاہتی تو میں اسے بے وقوف سمجھتی

۔تم خود سوچو اگر تم خود ثریا کی جگہ ہوتے تو تمہارے دل میں ایسے نوجوان کے لیے ایک نہ مٹنے والی خواہش بیدار نہ ہوتی؟

عبدالرحمٰن نے قدرے تامل کے بعد جواب دیا۔اس میں شک نہیں کہ وہ خوش وضع ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ شریف ہے۔عالی نسب بھی معلوم ہوتا ہے، میر چشم بھی ہے لیکن اگر ثریا کی جگہ میں ہوتا تو شادی کے لیے ایسے نوجوان کو منتخب کرنے کی حماقت نہ کرتا جو آٹھوں پہر سر ہتھیلی پر رکھے پھرتا ہو۔بہر حال مجھے اب یقین ہو چکا ہے کہ تم آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں مجھ سے ثریا کے متعلق اپنا فیصلہ منوا کر رہو گی اس لیے میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔تم مطمئن رہو۔میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں لیکن وہ چلا نہ گیا ہو۔اسماعیل! اسماعیل!! اس نے بلند آواز میں کہا۔

جی! اسماعیل کی آواز آئی۔

مہمان یہیں ہے؟

جی ہاں!

ان سے کہو تھوڑی دیر ٹھہریں۔میں ابھی آتا ہوں۔

حنیفہ نے کہا لیکن خدا کے لیے کوئی اور حماقت نہ کر بیٹھنا۔

اُس نے بگڑ کر کہا۔تم اب بھی مصر ہو کہ اسے اشرفیاں پیش کرنا حماقت تھی؟

حنیفہ نے جواب دیا۔حماقت نہیں تو اور کیا تھا!

خدا کی قسم! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔مجھے یہ پہلا شخص ملا ہے جسے دولت سے نفرت ہے۔

اچھا اب خدا کے لیے جاؤ لیکن سوچ سمجھ کر بات کرنا۔

تو تمہارے خیال میں میں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔خدا کی قسم دنیا میں

صرف تم ہو جسے میں اپنی دانش مندی کا معترف نہ بنا سکا۔ ورنہ بلخ، بخارا اور سمرقند میں کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے میری مدح میں قصیدے نہیں لکھے۔

اگر آج تم نے کوئی غلطی نہ کی تو میں بھی ہمیشہ کے لیے تمہاری عقل مندی کی معترف ہو جاؤں گی۔

تو پھر دروازے کے قریب بیٹھ کر غور سے باتیں سنتی رہو۔

ثریا اپنی توقع سے زیادہ سن چکی تھی۔ وہ کمرے سے وحشی ہرنی کیطرح بھاگی اور چند کمرے چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا پہنچی۔ قد آدم آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ اس کے گال سُرخ ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی سے کاغذ اور قلم اُٹھایا اور قالین پر بیٹھ کر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ یہ ایک خط تھا۔ اس کا پہلا خط۔۔۔،

عبدالرحمٰن دوسرے کمرے میں طاہر کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے اسماعیل کی طرف دیکھا اور کہا۔ بیٹا! تم تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ۔ اسماعیل اُٹھ کر برآمدے میں جا کھڑا ہوا۔ عبدالرحمٰن طاہر سے مخاطب ہوا۔

بیٹھ جاؤ بیٹا۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے لیکن میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن نے کہا ایسی باتوں کے لیے لوگ لمبی چوڑی تمہید باندھا کرتے ہیں لیکن تمہارے جانے کی جلدی ہے اور میں بھی بہت مصروف ہوں۔ مہمان خانے میں بہت سے تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھے ان سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس لیے میں اس قصے کو مختصر کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں دولت پیش کی اور وہ تم نے ٹھکرا دی اور سچ پوچھو تو مجھے اس بات پر بہت صدمہ ہوا ہے۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اگر آپ اس بات پر ابھی تک مصر ہیں تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ جو رقم مجھے دینا چاہتے ہیں وہ خوارزم شاہ کے بیت المال میں بھیج دیں۔ قوم کو اس سے زیادہ ضرورت شاید کبھی نہ ہو۔

میں تمہاری یہ خواہش رد نہیں کرتا۔ یہ رقم وہاں بھیج دی جائے گی لیکن اس وقت میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔

تمہارے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جو تم نے ابھی تک مجھ سے بیان نہیں کی۔ عبدالرحمٰن کی بیوی پردے کے پیچھے کھڑی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

طاہر نے کہا۔ تو آپ ہی بتا دیجیے وہ کونسی خواہش ہے؟

بات یہ ہے کہ تم اپنے اخلاق اور شرافت سے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے انعام کا مستحق ثابت کر چکے ہو۔

طاہر نے کہا۔ اگر وہ انعام سونے اور چاندی میں نہیں تو میں یقیناً اسے حاصل کرنا اپنی خوش بختی سمجھوں گا۔

نوجوان! تم صاف طور پر کیوں نہیں کہتے کہ تم ثریا کے سوا مجھ سے اور کچھ نہیں مانگتے؟

طاہر نے آنکھیں جھکا لیں۔

بولتے کیوں نہیں؟

شریف نوجوان ایسے موقوں پر بولا نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہوئے حنیفہ نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور اندر آ گئی۔ طاہر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ معمر خاتون نے طاہر کے سر پر شفقت سے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جیتے رہو بیٹا! ثریا تمہاری ہے۔ اب جاؤ لیکن جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔

(۵)

صبا رفتار گھوڑے ہر جست اسے اس خطہ زمین سے دُور لے جا رہی تھی جہاں ہر ذرے کے پہلو میں اس نے محبت کی دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ شیخ عبدالرحمٰن کے محل اور بلخ کے بازاروں میں سے نکلتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس شہر میں ایک اجنبی نہ تھا۔ ایک بُلبل کی طرح جو ایک پھول سے آشنا ہونے کے بعد سارے باغ کو اپنا سمجھ لیتی ہے۔ طاہر کو بلخ کی ہر شے اپنی محسوس ہوتی تھی۔ وہ جیسے مدتوں اس شہر میں رہ چکا تھا۔ برسوں ان فضاؤں میں پرواز کر چکا تھا۔

ثریا کو پہلی بار غور سے دیکھنے کے بعد اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی تصویر پہلے ہی اس کے دل میں موجود تھی اور اس کی آواز برسوں پہلے اس کے کانوں میں گونج چکی ہے۔ وہ نہ جانے کب سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔

طاہر کو اچانک ایک خیال آیا اور وہ ایک ہاتھ سے اس تھیلے کو ٹٹولنے لگا جو اس کے پیچھے زین کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ یہ خوب صورت تھیل اُس نے گھوڑے پر سوار ہوتے وقت دیکھا تھا اور اسمٰعیل نے کہا تھا کہ آپا جان نے اس میں کھانے کی چیزیں رکھوا دی ہیں۔ شہر سے نکلنے کے بعد وہ خیالات کی دنیا میں کھو گیا اور چند کوس تک اسے اس تھیلے کا خیال نہ آیا۔

اس بات سے مطمئن ہو کر کہ تھیلا زین کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا ہے۔ وہ پھر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ ایک ندی کے کنارے پر پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

پانی پینے کے بعد گھوڑا کنارے پر اُگی ہوئی گھاس کے تنکے نوچنے لگا۔ طاہر کو بھوک محسوس ہوئی۔ اس نے اُٹھ کر تھیل اُتارا اور پھر پتھر پر بیٹھ گیا۔ تھیلا کھولتے ہی

اس کی نگاہ کھانے سے پہلے ایک ریشمی رومال پر پڑی۔ اس نے رومال نکالا۔ رومال میں لپٹے ہوئے کاغذ کی سرسراہٹ اور اس کے ساتھ ہی ایک خوش گوار مہک سے طاہر نے اپنے پہلو میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کیں۔ اس نے رومال میں لپٹا ہوا کاغذ نکالا۔ کھولا۔ سیاہ الفاظ رنگا رنگ کے پھول بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔ اس اپنا تنفس بھی بار محسوس ہو رہا تھا۔ فضا میں ایک نغمہ گونج رہا تھا۔ ایسا نغمہ جس کی تانیں بہت بلند تھیں آہستہ آہستہ اس نغمے کے سُر دھیمے ہونے لگے۔ رقص کرتے ہوئے پھول سیاہ دھبوں میں تبدیل ہونے لگے۔ وہ ثریا کا خط پڑھنے لگا۔ پہلی بار اس کے ہونٹوں کو جنبش نہ ہوئی۔ دوسری بار اس کے ہونٹ ہلنے لگے تیسری بار وہ بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

"میرے محسن! تم نے کہا تھا کہ ایسے پُر آشوب زمانے میں کہنے اور سُننے کا موقع بار بار نہیں آتا۔ میں یہ سطور اسی احساس کے ماتحت لکھ رہی ہوں۔ نانا اور نانی جان میری دائمی حفاظت کے لیے آپ کو منتخب کر چکے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنی بے قراری کا مظاہرہ کر کے اپنے آپ کو ایک مجاہد کی خادمہ بننے کا اہل ثابت نہیں کیا۔

جب آپ بلخ سے کچھ فاصلے پر مجھے خدا حافظ کہنا چاہتے تھے تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس وقت میرے لیے یہ احساس ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی زندگی کی کتاب کا نیا ورق اُلٹنے والے ہیں۔ مجھے یہ اطمینان نہ تھا کہ وقت کے ہاتھ ہمیں پھر ایک

بار ایک ہی شاہراہ پر لا کھڑا کریں گے۔

اب میں اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کرتی ہوں اور آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ آپ کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھیں گے۔

میں یہ ضرور کہوں گی کہ آپ بغداد جیسے پُر رونق شہر میں پہنچ کر اس چھوٹے سے شہر کو بھول نہ جائیں لیکن ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتی رہوں گی کہ میرا خیال آپ کے بلند ارادوں میں حائل نہ ہو۔ میری یاد آپ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ غالباً نانا اور نانی جان آپ سے بہت جلد بلخ لوٹنے کا مطالبہ کریں گے لیکن میں یہ التجا کرتی ہوں کہ جب تک بغداد میں آپ کا مقصد پورا نہ ہو، واپس آنے کا ارادہ نہ کریں۔ میری فکر نہ کریں۔ میں ہمیشہ آپ کی ہوں۔ جب تک سورج دنیا کو صبح کا پیغام دیتا رہے گا اور رات کے وقت ستارے آسمان پر جگمگاتے رہیں گے، میں آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ آپ خواہ کہیں ہوں، میرے لیے یہ اطمینان کافی ہوگا کہ آپ میرے ہیں۔

ثریا

طاہر نے خط اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کی بھوک مر چکی تھی۔ اس نے بے توجہی سے چند نوالے کھائے اور تھیلا زین سے باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ثریا کے یہ الفاظ ایک نغمہ بن کر گونج رہے تھے۔ آپ خواہ کہیں ہوں میرے لیے یہ اطمینان کافی ہوگا کہ آپ میرے ہیں۔

دعوتِ عمل

زید نے حسب معمول عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اصطبل میں ایک چکر لگایا۔ نوکروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکان کے ایک کمرے میں واپس آ کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شمع بُجھانے کے لیے اُٹھا لیکن سوچ کر بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر لوہے کا مضبوط صندوق ٹٹولنے لگا اور زور زور سے صندوق کھینچنے کے بعد مطمئن سا ہو کر اس نے شمع بجھا دی۔ یہ صندوق جس کے اندر طاہر کی باقی دولت کے علاوہ صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار بھی تھی۔ زید کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ طاہر کے جانے کے بعد اس نے گھر سے باہر نکلنا ترک کر دیا تھا۔ وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر بغداد کے ان بے شمار چوروں اور ڈاکوؤں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا جو اس کے خیال میں طاہر کے چلے جانے کے بعد اس صندوق پر تاک لگائے بیٹھے تھے۔ ابتدائی چند ہفتے تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے ساری رات بیٹھا رہتا۔ اس کے بعد اس نے پلنگ پر سونے کی بجائے صندوق پر بستر جما لیا لیکن صندوق لمبائی اور چوڑائی میں چھوٹا تھا، کئی بار وہ کروٹ بدلتے وقت نیچے گر پڑا۔ آہستہ آہستہ اس کے خدشات کم ہوتے گئے اور اس نے صندوق گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے کر لیا۔ اب مکان کے نوکر یہ کہا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت اس کی بڑبڑانے کی بیماری کم ہو گئی ہے۔

زید کو بھی اچھی طرح نیند نہ آئی تھی کہ اسے پھاٹک کی طرف کھٹ کھٹاہٹ اس کے بعد چوکیدار کی آواز اور پھر پھاٹک کھلنے کی چڑ چڑاہٹ سنائی دی۔ وہ تلوار سنبھال کر اُٹھا اور بلند آواز میں چلایا۔ کون ہے؟

اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہوا کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا اور کواڑ سے کان لگا کر سُننے لگا۔ ایک گھوڑا پھاٹک کے اندر

داخل ہو رہا تھا اور نوکر ایک دوسرے کو جگا رہے تھے۔

زید کہاں ہے؟ کسی نے مکان کے قریب آ کر پوچھا۔

زید کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ یہ طاہر کی آواز تھی۔ جب چوکی دار نے یہ جواب دیا کہ وہ سو رہا ہے تو اس نے چادر اوڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ جھٹ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا طاہر سے لپٹ گیا۔

لیکن تمہارے ہاتھ میں ننگی تلوار؟

اُف! مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے آپ کو ڈاکو سمجھ کر اسے اُٹھایا تھا۔

طاہر ہنس پڑا اور زید نے محسوس کیا کہ اسے اچانک شکایات کے وہ ہزاروں الفاظ بھول گئے ہیں جنہیں وہ انتظار کی نہ ختم ہونے والی راتوں میں دُہرایا کرتا تھا۔ وہ فقط اتنا کہہ سکا۔ آپ تندرست تو رہے؟ زخمی تو نہیں ہوئے؟ میں بہت پریشان تھا

۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

میں نے کل آپ کے متعلق ایک نجومی سے پوچھا تھا۔

اس نے کیا بتایا؟

اب اگر وہ مجھے مل جائے تو اس کی کتابیں چھین کر دریا میں پھینک دوں گا۔ جھوٹا فریبی۔ مکار۔

پھر بھی اس نے کیا بتایا تھا تمہیں؟

خدا اسے غارت کرے۔ وہ کہتا تھا کہ آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ اور آپ تاتاریوں کی قید میں ہیں اور جب تک ستارے کی گردش ختم نہیں ہوتی، آپ واپس نہیں آئیں گے لیکن ستارے کی گردش ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی۔ میں

نے اس بے ایمان کو خواہ مخواہی پانچ دینار دیے۔اس نے آپ کے متعلق اور بھی بہت سی واہیات باتیں کہی تھیں۔

طاہر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔وہ کیا؟

زید نے نوکروں کو متوجہ دیکھ کر رازداری کے لہجے میں کہا۔چلیے اندر چلیے!

طاہر نے باورچی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور زید کے ساتھ اندر چلا گیا۔ کمرے میں پہنچ کر زید نے مشعل جلائی۔روشنی میں اسکی نگاہیں طاہر کی بلائیں لے رہی تھیں۔طاہر نے پوچھا۔ہاں وہ واہیات باتیں کیا تھیں؟

وہ کہتا تھا کہ آپ پر ایک تاتاری شہزادی عاشق ہو جائے گی اور اس کی بدولت آپ تاتاریوں کی قید سے خلاصی پائیں گے۔کل اگر وہ مجھے مل گیا تو اس کی ایسی گت بناؤں گا کہ تمام عمر یاد کرے گا۔

طاہر نے پوچھا۔مدینے سے کوئی خط آیا؟

احمد بن حسن یہاں خود آئے تھے اور دو ہفتے رہ کر چلے گئے،وہ کہتے تھے کہ آپ بغداد پہنچتے ہی اپنا حال لکھیں۔

طاہر نے اپنے دوستوں کے متعلق پوچھا۔زید نے جواب دیا۔مبارک قریباً ہر روز آ کر پوچھ جاتا ہے۔عزیز اور عبدالملک دوسرے تیسرے دن آ کر پوچھ جاتے ہیں۔باقی کبھی کبھی آتے ہیں۔ہاں ایک بڑھیا بھی یہاں کئی بار آئی اور وہ بھی آپ کے متعلق پوچھا کرتی ہے۔

وہ کون ہو سکتی ہے؟

مجھے معلوم نہیں۔میں نے ایک دن اس کا پیچھا کیا تھا۔وہ دریا کا پل عبور کرنے کے بعد وزیر اعظم کے محل میں داخل ہو گئی تھی۔

طاہر نے کہا۔ اب میں ایک اہم کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تم ابھی عبد العزیز کے پاس جاؤ انہیں میری طرف سے کہو کہ وہ عبدالملک اور باقی قابل اعتماد دوستوں کو لے کر فوراً یہاں آجائیں۔ اگر وہ سو رہے ہوں تو بھی انہیں کہنا کہ بہت ضروری کام ہے۔ میرا خط لیتے جاؤ۔

(۲)

طاہر کھانا کھا کر فارغ ہوا تو زید، عبدالعزیز، عبدالملک اور مبارک کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچ گیا۔ زید دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گیا اور طاہر اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک باتیں کرتا رہا۔ عبدالعزیز کی نگاہ میں خلیفہ، وزیر اعظم اور وحید الدین تینوں اس سازش میں شریک تھے۔ مبارک کی اپنی کوئی رائے نہ تھی۔ وہ صرف عبد لعزیز کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

عبدالملک بولنے کی بجائے سوچ رہا تھا۔ جب طاہر نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد یہ کہا۔ آپ کے ساتھی جو اس سازش کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے تھے، مارے جا چکے ہیں۔ وحید الدین ابھی تک روپوش ہے، اس کی جگہ اس کا نائب مہلب بن داؤد کام کر رہا ہے۔ جب تک ہم وحید الدین کا پتہ نہیں لگاتے ہم کسی پر کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ مر چکا ہے یا کسی نامعلوم قید خانے میں پڑا ہوا ہے تو کم از کم میں اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا اس سازش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ وہ کیسے؟

عبدالملک نے جواب دیا۔ اسیدر پردہ مارنے یا قید کرنے میں اس شخص کو دلچسپی ہو سکتی ہے جسے اس کو عوام کے سامنے لانے میں اپنی سازش کا بھانڈا پھوٹ

جانے کا ڈر ہو، مثلاً خلیفہ یا وزیر اعظم یا کوئی اور جس نے اس کے نام سے سازش کی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں چھپا ہوا ہے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ تنہا ان سب باتوں کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے جب تک ہم وحید الدین کے غائب ہونے کا راز نہیں کھولتے، ہمیں ان واقعات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

طاہر نے کہا۔ یہ راز صرف تین شخصیتوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ خلیفہ، وزیر اعظم اور مہلب بن داؤد۔ میں مہلب کو اس لیے شریک کرتا ہوں کہ وحید الدین کے غائب ہونے کے بعد عام حالات میں خلیفہ کو اس کے نائب پر قطعاً بھروسہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس کے ایک دم وزیر خارجہ بن جانے سے بھی شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں میں سے پہلے کس سے ملوں۔

عبدالملک نے کہا۔ سب سے پہلے وزیر اعظم سے ملیں۔ خلیفہ کے وسیع محل میں ایسے اسرار کو جاننے والے ہمیشہ کے لیے دفن ہو سکتے ہیں لیکن وزیر اعظم کے محل میں کم از کم ایک وجود ایسا ہے جسے آپ اپنا کہہ سکتے ہیں۔

وہ کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

عبدالملک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آپ بھول گئے؟ میں تو آپ کی خاطر ہر دوسرے یا تیسرے دن اپنی بیوی کو صفیہ کی تسلی کے لیے بھیجتا رہا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ میرے ساتھ آپ کی ہمدردی اخلاقی قیود سے تجاوز تو نہیں کر گئی؟

نہیں۔ میں صرف ایک دوست کا فرض پورا کیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق واقعی بہت پریشان تھی!

طاہر نے کہا۔ مجھے آپ کو بڑا بھائی بنانے پر اعتراض نہیں ۔لیکن یہ اطمینان رکھیے کہ اس لڑکی سے میرا کوئی سروکار نہیں ۔

بہر حال اسے آپ سے اُنس ہے۔اُنس نہیں محبت ہے والہانہ محبت ۔میں خوش ہوں کہ وہ اس قابل ہے۔میری بیوی بھی اس کی بہت تعریف کرتی ہے۔

چاروں دوست پھر اصل موضوع پر لوٹ آئے اور دیر تک بحث کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ طاہر سب سے پہلے وزیرِاعظم سے ملے ۔عبدالعزیز وہیں سو گیا اور عبدالملک اور مبارک اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیے۔

(۳)

علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر طاہر وزیرِاعظم کے محل پر پہنچا۔باغیچے میں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں جانب خوش نما پھولوں کی کیاریاں دیکھ رہا تھا۔اچانک اسے پھولوں کے درمیان ایک خوب صورت لڑکی دکھائی دی ۔وہ آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہی تھی ۔اس کے ہاتھ میں چند پھول تھے ۔وہ ایک پودے کے پاس پہنچ کر رُکی ۔جھک کر ایک پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن طاہر کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ طاہر نے ایک ہی نگاہ میں اسے پہچان لیا۔ وہی بڑی بڑی آنکھیں جو اس نے دریائے دجلہ کے کنارے دیکھی تھیں اور وہی حسین چہرہ جو اس نے چاندنی روشنی میں اس باغ کے ایک گوشے میں دیکھا تھا۔۔۔ ۔وہ صفیہ تھی ۔وہی صفیہ!

طاہر کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ مسرت سے تمتما اُٹھا۔ایک لمحے کے لیے طاہر جھجکا ۔رُکا۔پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے نکل گیا۔

وزیرِاعظم نے اطلاع ملتے ہی اسے اندر بلا لیا بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور

کہا۔ تم نے بہت دیر لگائی، میں مایوس ہو چکا تھا۔ کب پہنچے؟

طاہر نے ذرا تفصیل کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن اس نے جلد ہی محسوس کیا کہ وزیر اعظم کے خیالات کہیں اور ہیں۔ مایوسی سے زیادہ اسے پریشانی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وزیر اعظم فوراً ابو اسحٰق، کمال اور جمیل کے متعلق پوچھے گا لیکن اسے جیسے ان کے متعلق یاد بھی نہ تھا۔

طاہر نے ابھی تک تفصیل کے ساتھ قراقرم پہنچنے کے حالات بیان نہ کیے تھے کہ وزیر اعظم نے بات کاٹ کر سوال کیا۔ خلیفہ کا خط پڑھ کر چنگیز خان نے کیا کہا تھا؟

اس نے کہا تھا کہ ہم خوارزم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ترک کر چکے ہیں۔

جھوٹا! فریبی!! اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

طاہر نے کچھ سوچ کر کہا۔ لیکن چنگیز خان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے خلیفہ کے غیر جانب دار رہنے کے متعلق اطمینان ہو چکا ہے۔ شاید قراقرم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو چنگیز خان کو یہ تسلی دے رہے ہیں کہ خوارزم شاہ کے متعلق خلیفہ کا ظاہر باطن ایک نہیں۔

یہ تو ہر احمق کو علم ہے اور میں چنگیز خان کو احمق نہیں سمجھتا۔ بہر حال مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں وہاں بھیجا گیا۔ اب دُنیا کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہم نے در پردہ چنگیز خان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ سپہ سالار کے مستعفی ہو جانے سے اس قسم کے شکوک اور بڑھ جائیں گے۔

سپہ سالار مستعفی ہو گئے؟

وزیر اعظم اس سوال پر چونکا۔ ابھی یہ خبر کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ میں کوشش کر رہا

ہوں کہ وہ اپنا استعفٰی واپس لے لیں اس وقت ہمیں ان کی ضرورت ہے۔

طاہر نے کہا۔ وحیدالدین کے متعلق کچھ پتہ چلا؟

نہیں اور مجھے اب ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔

میں خلیفہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس بارے میں میری کوئی مدد کریں گے؟

وزیر اعظم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ خلیفہ کو نوجوانوں کے جذبات کا کوئی لحاظ نہیں۔ تم انہیں یہ کہو گے کہ خوارزم شاہ کی مدد کا فوراً اعلان کر دیا جائے اور تمہیں وہی جواب ملے گا جس سے مایوس ہو کر سپہ سالار مستعفی ہونا چاہتا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ تمہیں ہم نے کب سے مشیر بنایا ہے؟

ممکن ہے کہ میں خلیفہ کے سامنے آنے والے خطرات کا صحیح نقشہ پیش کر سکوں اور۔۔۔۔۔

وزیر اعظم نے بات کاٹ کر کہا۔ برخوردار! بغداد میں سمجھانے والوں کی کمی نہیں۔ تم جاؤ۔ میں وقت آنے پر تمہیں بلا لوں گا۔ تمہارے لیے میں کوئی موزوں عہدہ سوچ رہا ہوں۔ چند دنوں تک تمہیں اطلاع مل جائے گی۔

طاہر نے کہا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات میں سلطنت میں کسی عہدے پر فائز ہو کر کوئی شخص قوم کی صحیح خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقت آنے پر میں اپنے آپ کو قوم کا ایک جاں نثار سپاہی ثابت کر سکوں گا۔

(۴)

صفیہ اپنے ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ باغ میں گزرنے والی نہر کے

کنارے کھڑی تھی۔ وہ ایک پھول کو بہتے ہوئے شفاف پانی میں پھینک دیتی اور جب وہ کچھ دور نکل جاتا تو وہ دوسرا پھول پھینک دیتی۔ جب گلدستہ ختم ہو جاتا وہ پاس کی کیاریوں سے نئے پھول توڑ کر گلدستہ بناتی اور پھر اسی کھیل میں مشغول ہو جاتی۔

صفیہ کا تیسرا گلدستہ تقریباً ختم ہو چکا تھا کہ اسے طاہر ڈیوڑھی سے نکل کر دروازے کی سیڑھیوں سے اترتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے سنگِ مرمر کے پُل پر سے گزر کر نہر عبور کی اور پاس کی کیاری سے پھول توڑنے لگی۔ طاہر قریب آ رہا تھا۔ صفیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ تاہم اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ جھجکتے ہوئے پھولوں کی کیاری سے باہر نکلی۔ نہر عبور کر کے دوبارہ سڑک پر پہنچنے کے لیے سنگِ مرمر کی سِل پر پاؤں رکھا لیکن نگاہوں کے سامنے حیا کے پردے حائل ہو گئے۔ اس کا ڈگمگاتا ہوا پاؤں اچانک پھسلا اور وہ پانی میں آ رہی۔ طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ صفیہ نے ہچکچاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی و سپید لہریں رقص کرنے لگیں۔

شکریہ! اس نے باہر نکل کر اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

۔

مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔ طاہر بولا۔

نہیں۔

طاہر نے تذبذب کی حالت میں ایک قدم اُٹھایا لیکن صفیہ نے جلدی سے کہا۔ میں یہ پھول توڑ رہی تھی۔ لیجیے! اس نے پھول طاہر کی طرف بڑھا دیا ور طاہر نے بدحواسی کی حالت میں پھول پکڑ لیے۔

وہ بولی۔بغداد میں آپ کا بہت انتظار تھا۔آپ نے بہت دیر لگائی؟

ہاں کچھ ایسے ہی حالات پیدا ہو گئے تھے۔

طاہر کوئی اور بات کیے بغیر چل دیا۔صفیہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔کیاریوں کے پھول مسکرا رہے تھے اور نہر کا شفاف پانی قہقہے لگا رہا تھا۔اس نے پھر چند پھول توڑے اور سنگِ مرمر کی سِل پر کھڑی ہو کر انہیں ایک ایک کر کے ندی میں پھینکنے لگی۔

صفیہ!صفیہ!!تم آج گھر نہیں آؤ گی؟ سکینہ ڈیوڑھی کے قریب سنگِ مرمر کی سیڑھیوں پر کھڑی اسے پُکار رہی تھی۔

آئی سکینہ۔اس نے جلدی سے قدم اُٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر نکلنے کے بعد طاہر دریا کے پُل پر تھوڑی دیر کھڑا رہا۔اس نے پھولوں کی طرف غور سے دیکھا پھر جھک کر بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنے لگا۔کسی گہرے خیال میں پھولوں پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔پھول گر کر دریا میں تیرتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ثریا!ثریا!! میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔وہ یہ کہتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ہر قدم پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

اس کے مکان پر عبدالعزیز،عبدالملک،مبارک اور افضل اس کا انتظار کر رہے تھے۔انہوں نے اسے دیکھتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کی دی۔طاہر نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔میں حیران ہوں کہ اب تک یہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی کہ اس وقت ہم سازش کے اصلی مجرم کو پکڑنے یا پکڑوانے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اس سے خوارزم کی مصیبت ٹل نہیں جاتی۔ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم مجرم ہو۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کا بھی اس میں ہاتھ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں بری الذمہ ہوں لیکن وقت ایسا نہیں جسے ضائع کیا جائے۔تاتاریوں کا سیلاب بہت

تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ بغداد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا جائے۔ انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے۔ بغداد میں ہر فرقے دوسرے فرقے اور ہر گروہ نے دوسرے گروہ کے خلاف مورچہ بنا رکھا ہے۔ انہیں اب یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ایک محاذ ایسا بھی ہے جہاں کفر کی تمام طاقتیں جمع ہو کر مسلمانوں کی تمام قوت کو متحد ہونے کی دعوت دے رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک مشترکہ خطرہ ہمیں اجتماعی جدوجہد کے لیے آمادہ کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو چھپ چھپ کر تاتاریوں کی حمایت کر رہے ہیں، کھلے بندوں ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب بغداد کی ہر مسجد سے ایک ہی نعرہ بلند ہو اور وہ یہ کہ تاتاریوں کے مقابلے میں ہم ایک ہیں۔ سب سے پہلے میں بغداد کی جامع مسجد میں یہ نعرہ لگاؤں گا۔

افضل نے کہا۔ خدا کرے آپ کو کامیابی ہو لیکن گزشتہ دو تین صدیوں میں بغداد کے مسلمان صرف آپس میں ایک دوسرے کا سر پھوڑنا سیکھ چکے ہیں۔ سُنی شیعہ کا دشمن ہے تو شیعہ سنی کے خون کا پیاسا۔ حنفی، مالکی اور شافعی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ آپ کسی مسجد میں جائیں۔ کسی اجتماع کو مخاطب کریں، آپ سے پہلا سوال یہ پوچھا جائے گا کہ حضرت آپ کون سے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا کہ مجھے ان سب مشکلات کا احساس ہے لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اب یہ صورتِ حالات زیادہ دیر قائم رہ سکتی ہے۔ مشترکہ خطرے کا احساس ان اختلافات کو مٹا سکتا ہے۔

افضل نے کہا۔ اس کے ذمے دار ہمارے وہ تن آسان علماء ہیں جن کے

سامنے کوئی نصب العین نہیں لیکن آج انہیں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ تمھارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو ہر کلمہ گو کی دشمن ہے۔تمہاری آزادی کے چراغ بجھنے والے ہیں۔ہم ان علماء کو یہ کہیں گے کہ تم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا کر دیکھ لیا۔اب کفار میدان میں تمہیں للکار رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عوام انہیں گھسیٹ کر میدان میں لے آئیں گے۔

عبدالعزیز اور عبدالملک نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ طاہر جمعہ کے روز جامع مسجد میں اہلِ بغداد کو خوازم کے حالات سے آگاہ کرے اور اس سے قبل شہر میں یہ مشہور کروا دیا جائے کہ ایک شخص اہلِ بغداد کے نام خوارزم کے مظلوم مسلمانوں کا پیغام لایا ہے۔

اُٹھنے سے پہلے عبدالعزیز نے کہا۔مجھے یقین ہے کہ حکومت ہمیں دیر تک ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دے گی اور آئندہ چند ہفتوں کے بعد ہماری منزل خوارزم کا میدانِ جنگ ہوگا لیکن ہمارے لیے بہتر ہوگا کہ حکومت پر ہماری سرگرمیاں ظاہر نہ ہوں۔طاہر کی تقریر کے بعد وہ لوگ جو تاتاریوں کے پاس ہمیں فروخت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔خاموش نہیں بیٹھیں گے۔اس کے بعد ہمیں طاہر کو اس وقت تک چھپا کر رکھنا پڑے گا جب تک عوام کا جوش ان کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ نہیں بن جاتا۔اگر وزیر اعظم یا خلیفہ کی نیت بُری ہے تو وہ طاہر کو فوراً گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے اور ان دنوں بدقسمتی سے غداروں کی ہم میں کمی نہیں۔اس لیے آپ کے سامنے سب سے پہلے میں طاہر کے ساتھ وفاداری کی قسم کھاتا ہوں اور آپ سے بھی قسم اٹھانے کی درخواست کرتا ہوں۔

تمام دوستوں نے یہ قسم اُٹھائی تو عبدالعزیز نے کہا۔اب اگر ہم میں سے کوئی

غدار ثابت ہوا تو باقی دوستوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کی گردن اُڑا دیں۔

سب دوستوں نے اس تجویز کی تائید کی اور یہ محفل برخاست ہوئی۔

(۵)

جمعہ سے پہلے شہر کی ہر مسجد اور ہر درس گاہ کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے کہ نماز جمعہ کے بعد ایک شخص ترکستان کے مسلمانوں پر تاتاریوں کے مظالم کے چشم دید حالات بیان کرے گا۔ قاضی فخر الدین نے شہر کے چند باعمل علماء اور مختلف درس گاہوں کے طلباء نے بغداد کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر یہ منادی کر دی کہ بغداد کے مسلمانوں کے نام ترکستان کے مسلمانوں نے ایک پیغام بھیجا ہے اور یہ پیغام لانے والا وہ نوجوان ہے جس کے باپ نے ہلال وصلیب کی جنگ میں یروشلم پر مسلمانوں کی فتح کا پرچم لہرایا تھا اور صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار بطورِ انعام حاصل کی تھی۔

جمعرات کی شام کو طاہر کو وزیر اعظم نے اپنے محل میں بلایا اور اس سے سوال کیا کہ تم بغداد کے لوگوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہو؟

وزیر اعظم کے متعلق طاہر کے شبہات ایک بار پھر تازہ ہو چکے تھے لیکن اس نے تدبر سے کام لینا مناسب سمجھا اور جواب دیا۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ سلطنتِ خوارزم تاتاریوں کی آخری منزل نہیں۔ انہیں اگر وہاں کامیابی حاصل ہوئی تو ان کی دُوسری منزل عراق ہوگی۔ ممکن ہے کہ دولتِ عباسیہ کے ساتھ چنگیز خان کے دوستانہ تعلقات قائم رہیں لیکن کمزور کے لے طاقت ور کی دوستی کا بھروسہ حماقت ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم بُرے سے بُرے حالات کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میں بغداد کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتا ہوں تا کہ اگر دشمن

آجائے تو وہ کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے تیار ہوں۔

تم نے مجھے اس دن کیوں نہ بتایا کہ تم جامع مسجد میں تقریر کرنا چاہتے ہو؟

اس وقت یہ بات میرے ذہن میں نہ تھی۔ اگر میری جگہ ہوتے تو شاید ایسے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

مجھے ڈر ہے کہ تم خلیفہ کے متعلق کوئی گستاخی نہ کر بیٹھو۔

لیکن میں اس کے برعکس یہ سمجھتا ہوں کہ اس تقریر سے خلیفہ اور آپ کی بہت بڑی خدمت سرانجام دوں گا۔

طاہر نے وزیر اعظم کے اصرار پر وہیں کھانا کھایا۔ دستر خوان پر قاسم بھی موجود تھا۔ اس نے بے توجہی سے خوارزم کے متعلق چند سوالات پوچھے اور جب طاہر وزیر اعظم سے رُخصت ہوا تو قاسم برآمدے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ طاہر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اس نے طنزاً سوال کیا۔ کیا آپ نے اس سے قبل کسی بڑے مجمع میں تقریر کی ہے؟

میں صرف ایک سپاہی ہوں۔ طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر عبدالعزیز اور عبدالملک نہایت بے چینی سے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ آپ نے سخت غلطی کی۔ ہمیں ڈر تھا کہ وزیر اعظم آپ کو خطرناک سمجھ کر حراست میں نہ لے لے!

طاہر نے کہا۔ ڈر تو مجھے بھی تھا لیکن مصلحت اسی میں تھی کہ میں انہیں کل تک اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونے دوں ورنہ وہ مسجد کے دروازوں پر پہرہ لگا دیتے

۔

(۶)

جمعہ کی نماز کے بعد ایک نوجوان نے منبر پر کھڑے ہو کر حاضرین سے طاہر بن یوسف کو تعارف کرایا۔ طاہر تقدیر کے لے اُٹھا۔ اتنے بڑے ہجوم کے سامنے وہ پہلی بار کھڑا تھا۔ قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے تقریر شروع کی۔ بغداد کے لوگ آئے دن مناظروں اور جلسوں میں بڑے بڑے جادو بیان مُقررین کی تقریریں سُن چکے تھے۔ تھوڑی دیر وہ بے توجہی سے بیٹھے رہے اور آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ اس جلسے میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بغداد کی سب سے بڑی مسجد کے منبر پر کسی اجنبی کا کھڑا ہونا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایسے عوام بھی تھے جو یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش آج بھی کوئی مناظرہ ہوتا۔

ایک مشہور عالم نے نہایت بھولے انداز میں اُٹھ کر کہا۔ آپ براہ کرم بیٹھ جائیے اور شخص کو بولنے کا موقع دیجیے جو ترکستان سے آیا ہے۔

اس پر بعض لوگ ہنس پڑے لیکن طاہر پر اس مذاق کا غیر متوقع اثر ہوا۔ اس نے ایک ثانیہ خاموش رہنے کے بعد پھر تقریر شروع کی:

> "میرے دوست! یہ جگہ مذاق کے لیے نہیں۔ تاہم میں تمہاری زندہ دلی کی داد دیتا ہوں۔ کاش! تم میدانِ جنگ میں بھی اسی قدر زندہ دلی کا ثبوت دے سکو۔ میں یہاں اپنی تقریر کی داد لینے کے لیے نہیں آیا۔ میں نہ مقرر ہوں نہ داستان گو۔ میرے پاس آپ کی تفریح کا کوئی سامان نہیں۔ میں صرف ایک ایلچی ہوں، ترکستان کے ان فرزندانِ اسلام کا جن کی کھوپڑیوں سے تاتاری اپنی فتح کی یادگاریں تعمیر کر رہے ہیں۔ میں ان دخترانِ

اسلام کا ایلچی ہوں جن کی عصمت کے رکھوالے خاک اور خون میں تڑپ رہے ہیں اور اب ان کی آخری امید تم وہ۔ میرے پاس قہقہے نہیں، آنسو ہیں۔ اپنی جادو بیانی پر ناز کرنے والو! قوم کو لوریاں دے کر سلانے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ میں تمہیں موت کی نیند سے جگانا چاہتا ہوں۔ میری باتیں کان کھول کر سنو!"

طاہر کی آواز اب بلند ہو رہی تھی۔ رک رک کر بولنے والی زبان میں اب پہاڑی ندی کی سی روانی آ چکی تھی۔ آہستہ آہستہ لوگ اس پہاڑی ندی میں ایک دریا کا تموج محسوس کرنے لگے۔ وہ دریا جس میں بند یکے بعد دیگرے ٹوٹ رہے ہوں، لوگ ایک رو میں بہتے چلے جا رہے تھے۔

وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر اس بھولی ہوئی منزل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں سے صحرا نشینانِ عرب تسخیرِ عالم کا ارادہ باندھ کر نکلے تھے۔ وہ تاریخ کے ورق الٹ کر ان مجاہدین کا داستان سنا رہا تھا جنہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا بول بالا کیا تھا۔ وہ مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے طوفان کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور لوگ دم بخود ہو کر سن رہے تھے۔ بعض کی آنکھیں پرنم تھیں۔ ایک نوجوان بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا۔ طاہر کہہ رہا تھا:

"قوم کے دامن پر بدبختی کی سیاہی آنسوؤں سے نہیں خون سے دھوئی جاتی ہے۔ یاد رکھو! جس قسم کی زندگی تم بسر کر رہے ہو، وہ فطرت کے ساتھ ایک مذاق ہے اور فطرت اپنے ساتھ مذاق کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتی۔ مسلمانوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ کفار کے مقابلے کے لیے ایک سیسہ پلائی

دیوار بن جاتے تھے لیکن آج جب کہ کفر تمہارے خلاف اپنی تمام طاقتیں منظم کر رہا ہے، تمہارے عالم تمہیں بغداد کے چوراہوں پر جمع کر کے ایک دوسرے کا سر پھوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں"۔

اس پر ایک شخص جو بغداد کے ایک گروہ کا نامور مناظر سمجھا جاتا تھا، اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلایا۔ میں بصد ادب و احترام یہ پوچھنے کی جُرات کرتا ہوں کہ آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ایک مسلمان ہوں۔

کس قسم کا مُسلمان؟ اس نے پھر سوال کیا۔

طاہر نے جھل کر جواب دیا۔

"تم تین سو سال سے مسلمانوں کی قسمیں گن رہے ہو لیکن آج تک اصلی اور نقلی، سچے اور جھوٹے کا فیصلہ نہیں ہو سکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو اسلام کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے بلکہ تم میں سے ہر ایک نے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ کسوٹیاں بنا رکھی ہیں ارو ان کسوٹیوں پر تمہاری اپنی ذات کے سوا کوئی پورا نہیں اُترتا۔ میرے عزیز! ہو سکتا ہے کہ میں ایک کم علم آدمی ہونے کی صورت میں تمہاری طرح نہ سوچ سکوں۔ خیالات کے پر لگا کر تمہارے ساتھ بلند فضاؤں میں پرواز نہ کر سکوں اور دوسروں کا ایمان پرکھنے کے لیے جو کسوٹی تم نے بنائی ہے، میں شاید اس پر پورا نہ اُتر سکوں اور میری طرح اور بھی لاکھوں مسلمان شاید اس کسوٹی رپ پورے نہ اُتر سکیں۔ لیکن اگر تم خوارزم کے کسی

میدان میں میرے ہم رکاب ہوتے اور وہاں یہ سوال کرتے کہ میں کس قسم کا مسلمان ہوں تو میں تمہیں یہ جواب دیتا کہ سامنے چند قدم پر مومن کے ایمان کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر میں کفار کے تیروں کی بارش میں مسکرا سکوں، ان کی تلواروں کے سائے میں کلمہ پڑھ سکوں، اگر موت کا ہاتھ اپنی شہ رگ کے قریب دیکھ کر میرے پاؤں متزلزل نہ ہوں تو سمجھ لینا کہ میں مسلمان ہوں۔ اگر میرا جسم کفار کے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا جا رہا ہو اور سکرات موت میں بھی میرے منہ سے یہ دُعا نکل رہی ہو کہ یا اللہ! اپنے محبوب کی اُمت کا جھنڈا بلند رکھیو تو سمجھ لینا کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ میرے بھائی! بُرا نہ ماننا، مومن کے ایمان کی کسوٹی وہ نہیں جسے تم ہر روز بغداد کے چوراہوں میں رکھ کر بیٹھ جاتے ہون۔ نہیں۔ مومن کے ایمان کی کسوٹی میدانِ جہاد ہے جہاں ہر مسلمان کے خون کا رنگ سُرخ ہوتا ہے خواہ وہ سُنی ہو، خواہ شیعہ۔ خواہ حنفی ہو۔ خواہ مالکی۔ خواہ آپ جیسا روشن خیال عالم ہو، خواہ میرے جیسا کم علم۔ دارالامن میں اگر تم لوگ ایک ہزار سال اور بھی مناظرے کرتے رہو تو بھی یہ ثابت نہ کر سکو گے کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا لیکن میں نے قوقند میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے کے مسلمان کے لیے ڈھال تھا۔ حملے کے وقت ان کا نعرہ ایک تھا۔ شہادت کے وقت ان کا کلمہ ایک تھا۔ وہ سب ایک ہی قسم کے

مسلمان تھے۔ہاں میدان سے باہر میں نے کئی قسم کے مسلمان دیکھے ہیں۔ہم میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طاقت ور دُشمن سے جہاد جائز نہیں۔ہم میں وہ بھی ہیں جو دُشمن کا نام سُن کر بھاگ جاتے ہیں، وہ بھی ہیں جو اپنی ذات کو چنگیز خان کی نظرِ کرم کا مستحق بنانے کے لیے عالمِ اسلام کو تاتاریوں کے پاس فروخت کر رہے ہیں اور تمہارے اس شہر میں بھی جہاں ہر عالم کو دوسرے کا ایمان ناپنے کی فکر ہے، اُونچے ایوانوں میں رہنے والوں کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو ترکستان پر تاتاریوں کی یلغار کی حمایت کرتی ہے۔

میرے عزیز اور بزرگوار! شاید مجھے بغداد میں اتنے بڑے مجمع کے سامنے دوبارہ تقریر کرنے کا موقع نہ ملے، میری باتیں کان کھول کر سُنیے اور میرا پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دیجیے جسے قوم کے مستقبل کا تھوڑا بہت خیال ہے۔تاتاریوں کا سیلاب معمولی سیلاب نہیں اور اس وقت دولت خوارزم اس سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے۔اگر یہ چٹان نابود ہو گئی تو یہ نہ سمجھو کہ یہ سیلاب وہیں رُک جائے گا۔اس کی سرکش لہریں کسی دن بغداد کے بلند ایوانوں کو بھی متزلزل کر دیں گی۔اگر ہم نے غفلت کی تو ہم صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جائیں گے۔میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام مٹا دیا جائے گا۔اسلام مٹنے والی چیز نہیں۔یہ خدا کا دین ہے۔اگر تم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو خدا کسی اور قوم کو اس کی حفاظت کے

لیے منتخب کر لے گا۔ یہ ایک ایسا سفینہ ہے جس پر کوئی طوفان غالب نہیں آ سکتا۔ یہ ہمیشہ تیرتا رہے گا۔ اگر تم خدا کے اس سفینے کو چھوڑ کر دوسری کشتیوں پر سوار ہو گئے تو تم خود ڈوب جاؤ گے اور دوسری قوم اس سفینے پر سوار ہو جائے گی۔

تمہاری کامیابی کا راز اجتماعی جدوجہد میں ہے اور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت اس وقت سے زیادہ کبھی نہ تھی جب کہ کفر کی تمام طاقتیں تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار ہو چکی ہیں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ بغداد کے اُونچے ایوانوں میں رہنے والے بعض لوگ خوارزم کے خلاف تاتاریوں سے سازباز کر چکے ہیں۔

ایک شخص نے اُٹھ کر کہا۔ ہم انکے نام سُننا چاہتے ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔

"میں صرف سازش کے متعلق جانتا ہوں۔ ابھی تک کسی خاص شخصیت کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا لیکن اب ہم پر ایسا وقت آ رہا ہے کہ چھپے ہوئے منافقین کھلے بندوں ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ سلطنت کے وہ امراء جو یہاں موجود ہیں، میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خلیفۃ المسلمین کے سامنے صحیح صورت حالات پیش کریں۔ اس وقت تاتاریوں کے مقابلے کے لے خوارزم کا ساتھ نہ دینا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ حالات کا مطالبہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد

کریں۔ اس کے بعد منافقین کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ خود بخود میدان میں آجائیں گے۔ وہ کوشش کریں گے کہ ہمارا گلا گھونٹ کر ہماری آواز دبا دی جائے۔ وہ تاتاریوں کے حق میں اور خوارزم کے مسلمانوں کے خلاف فتوے شائع کرائیں گے۔

میرا کام تمہیں ایک راستہ دکھانا تھا۔ اب چلنا یا بیٹھ جانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم منظم ہو جاؤ تو مجھے یقین ہے کہ خلیفۃ المسلمین جو آنے والے خطرات سے بے خبر نہیں فوراً اعلانِ جہاد کریں گے۔ سردست میں یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ بغداد میں سے وہ کون ہیں جو تاتاریوں کے ساتھ سازباز کر رہے ہیں۔ اس سے قبل میں خلیفہ اور وزیرِاعظم کی طرف سے کسی اعلان کا انتظار کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور مجھے یہ امید ہے کہ یہ اعلان جہاد کے متعلق ہوگا ورنہ میں وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ بغداد میں عالمِ اسلام کے سب سے بڑے دُشمن کون ہیں۔

سردست آپ میں سے جو لوگ تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ وہ مجھے اپنا ایک رفیق کار سمجھیں۔ اگر وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسوٹی پر انکا رنگ کیسا اُترتا ہے تو خوارزم کے میدان ہم سے دُور نہیں۔"

............اختتام -------- حصہ اول --------